مرکز برائے فاصلاتی وآنلائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

کلاس ایم۔اے

سمسٹر سوم

مضمون: اُردو ناول | یونٹ: I-IV

کورس نمبر: 302 | سبق: 1-14

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک

کورس کوآڈی نیٹر، ایم اے اُردو، سی، ڈی، او، ای

صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

انچارج ٹیچر، اردو

سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں جموں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔ ©

زیرِاہتمام مرکز برائے فاصلاتی وآنلائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

مضمون نگار:

ڈاکٹر جاوید احمد شاہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسسٹنٹ پروفیسرِ، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

اڈیٹنگ:

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

انچارج ٹیچر، اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

نظرثانی:

ڈاکٹر جاوید احمد شاہ

لکچرر، شعبہ اردو جموں یونیورسٹی، جموں

استقبالیہ پیغام

عزیز متعلم!

سمسٹر سوم کے کورس "اردو ناول" میں آپ کا خیر مقدم ہے۔

یہ کورس اردو نثر کی ایک اہم اور مؤثر صنف **ناول** کے مطالعے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے آپ اردو ناول کے تاریخی پس منظر، آغاز و ارتقا، مختلف ادوار میں اس کی تشکیل و ترقی اور بدلتے ہوئے فکری و موضوعاتی رجحانات سے واقف ہوں گے۔ اس کورس میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا کی تخلیقی خدمات اور اردو ناول کے ارتقا میں ان کے کردار کا مطالعہ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ترقی پسند تحریک، تقسیمِ ہند، جدیدیت اور معاصر عہد کے اثرات کے نتیجے میں اردو ناول میں پیدا ہونے والی فکری اور موضوعاتی تبدیلیوں کو بھی سمجھنے کا موقع ملے گا۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کر کے آپ اردو ناول کی تاریخی روایت، ارتقائی مراحل، اہم ناول نگاروں اور بدلتے ہوئے فکری و موضوعاتی رجحانات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ مزید معلومات اور بہتر تفہیم کے لیے متعلقہ حوالہ جاتی کتب کے ساتھ ساتھ مرکز برائے فاصلاتی تعلیم و آنلائن ایجوکیشن کے کتب خانے میں موجود اردو ناول اور اس سے متعلق تنقیدی و تحقیقی ادب سے بھی استفادہ کریں۔ آپ کی علمی ترقی اور کامیابی کے لیے نیک خواہشات۔

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

جموں یونیورسٹی، جموں

PG-URDU

SEMESTER- III

COURSE CODE URD-302

Examination to be held in December 2024, 2025, 2026

Title: A Study of Urdu Novel **اردوناول** Credits:4

Duration of Examination: 2:30 hours Maximum Marks: 100

a) Semester Exam: 80

b) Internal Assessment 20

Objectives:

The course envisages to provide exhaustive knowledge of Novel as a technique and as an Urdu genre. It shall cover both critical and historical aspects of the subject, right from the beginning to the modern times. The candidates shall also be given some textual readings but with no intension of putting them any textual questions.

Unit-I

۱۔ناول کا فن

۲۔اُردو ناول۔آغاز وارتقا

۳۔اُردو ناول کے ارتقاء میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا کی خدمات

Unit-II

۱۔ حقیقت نگاری اور پریم چند

۲۔ ترقی پسند تحریک اور سجاد ظہیر

۳۔ ترقی پسند ناول نگار۔ کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد

۴۔پریم چند کی ناول نگاری

۵۔ میدانِ عمل کا تنقیدی مطالعہ

۶۔ کرشن چندر کی ناول نگاری

۷۔جب کھیت جاگے کا تنقیدی مطالعہ

Unit-III

۱۔قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری
۲۔''گردش رنگِ چمن''کا تنقیدی جائزہ
۳۔بانو قدسیہ کی ناول نگاری
۴۔''راجہ گدھ''کا تنقیدی جائزہ
۵۔قاضی عبدالستار کی ناول نگاری
۶۔''شب گزیدہ''کا فنی مطالعہ

Unit-IV

۱۔عبدالصمد کی ناول نگاری
۲۔''دو گززمین''کا فنی جائزہ
۳۔الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار
۴۔''فائر ایریا''کا فکری و فنی مطالعہ
۵۔پیغام آفاقی کی ناول نگاری
۶۔''مکان''کا فنی مطالعہ

فہرست

۱۔ناول کا فن ——— 1

۲۔اُردو ناول۔آغاز وارتقا ——— 19

۳۔اُردو ناول کے ارتقاء میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا کی خدمات ——— 35

۴۔ حقیقت نگاری اور پریم چند، پریم چند کی ناول نگاری اور میدانِ عمل کا تنقیدی مطالعہ ——— 59

۵۔ ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند ناول نگار سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد ——— 95

۶۔ کرشن چندر کی ناول نگاری اور جب کھیت جاگے کا تنقیدی مطالعہ ——— 124

۷۔قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری اور ''گردش رنگِ چمن'' کا تنقیدی جائزہ ——— 152

۸۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری اور ''راجہ گدھ'' کا تنقیدی جائزہ ——— 184

۹۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری اور ''شب گزیدہ'' کا فنی مطالعہ ——— 207

۱۰۔عبدالصمد کی ناول نگاری اور ''دو گز زمین'' کا فنی جائزہ ——— 236

۱۱۔الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار ——— 263

۱۲۔''فائر ایریا'' کا فکری و فنی مطالعہ ——— 285

۱۳۔پیغام آفاقی کی ناول نگاری ——— 311

۱۴۔''مکان'' کا فنی مطالعہ ——— 339

M.A Urdu **UNIT-I** **Lesson No. 1**

Course Code: URD-301 **Semester-III**

سبق نمبر ا۔ ناول کا فن

ساخت

1.0 اغراض و مقاصد

1.1 تعارف

1.2 ناول کا فن

1.3 سرگرمی (آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

1.4 عمومی جائزہ

1.5 فرہنگ

1.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1.7 مشقی سوالات

1.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1.9 امدادی کتب

1.0 اغراض ومقاصد

ناول کے فن کے مطالعے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ ناول کی صنفی حیثیت، فنی ماہیت اور ادبی اہمیت سے جامع طور پر آگاہ ہوں۔ اس سبق کے ذریعے یہ واضح کیا جاتا ہے کہ ناول محض ایک طویل نثری کہانی نہیں بلکہ انسانی زندگی، معاشرت، تہذیب اور مختلف فکری ونفسیاتی تجربات کی فنکارانہ ترجمانی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ناول کی تعریف اور اس کی بنیادی خصوصیات کو سمجھانا اس سبق کا اولین مقصد ہے تاکہ آپ اس صنف کی جداگانہ فنی شناخت سے واقف ہو سکیں۔

ناول کے فنی اجزائے ترکیبی کے مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ناول کی ساخت اور اس کی فنی تشکیل میں شامل مختلف عناصر کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ قصہ گوئی، پلاٹ، کردار نگاری، واقعہ طرازی، مکالمہ، ماحول، منظر نگاری، جذبات نگاری، اسلوب اور نصب العین جیسے عناصر کے مطالعے سے آپ کو یہ ادراک حاصل ہو گا کہ ایک کامیاب ناول مختلف فنی اجزا کے باہمی ربط اور متوازن امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔

مزید برآں اس سبق کا مقصد آپ میں تنقیدی شعور کی صلاحیت پیدا کرنا ہے تاکہ آپ کسی ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے موضوع، قصے، کرداروں، واقعات اور اسلوب کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔ عملی مثالوں اور فنی مباحث کے ذریعے آپ میں یہ صلاحیت پیدا کی جائے گی کہ آپ ناول کو صرف ایک کہانی کے طور پر نہ پڑھیں بلکہ اس کی فکری معنویت، فنی ساخت اور جمالیاتی خصوصیات کو بھی سمجھ سکیں۔

مجموعی طور پر اس سبق کے اغراض و مقاصد یہ ہیں کہ آپ ناول کی تعریف اور صنفی خصوصیات سے واقف ہوں اور ناول کے بنیادی اجزائے ترکیبی کا تنقیدی و فنی مطالعہ کرنے کی صلاحیت حاصل کریں۔

1.1 تعارف

نثر کی اہم اور مقبول اصناف میں ناول کو ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ صنف انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو وسیع اور جامع انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ناول کے ذریعے فرد کی داخلی کیفیت، اس کے جذبات، خواہشات، نفسیاتی پیچیدگیاں اور معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے تہذیبی، سماجی اور تاریخی پہلوؤں کو بھی فنکارانہ انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

ناول بنیادی طور پر قصہ گوئی کی ایک نثری صنف ہے، لیکن اس کی اہمیت محض واقعات کے بیان تک محدود نہیں۔ ایک کامیاب ناول میں زندگی کی ترجمانی، کرداروں کی تشکیل، واقعات کی تنظیم، ماحول کی عکاسی اور انسانی تجربات کی معنویت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ یہی خصوصیات ناول کو دوسری اصناف سے ممتاز کرتی ہیں اور اسے انسانی معاشرے اور تہذیب کے مطالعے کا ایک مؤثر ذریعہ بناتی ہیں۔

ناول نے اپنی موجودہ فنی صورت تک پہنچنے کے لیے ایک طویل ارتقائی سفر طے کیا ہے۔ مختلف ادوار میں معاشرتی تبدیلیوں، فکری تحریکوں اور تہذیبی حالات نے اس صنف کی تشکیل اور ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ جدید دور میں ناول نے انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل، فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق اور مختلف سماجی کشمکشوں کی ترجمانی کے لیے ایک وسیع فنی میدان فراہم کیا ہے۔

اس سبق میں آپ ناول کی تعریف، اس کی فنی ماہیت اور بنیادی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ناول کے اہم اجزائے ترکیبی، مثلاً قصہ گوئی، پلاٹ، واقعہ نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، ماحول، منظر نگاری، جذبات نگاری، اسلوب اور فلسفۂ حیات کا بھی مطالعہ کریں گے۔

اس مطالعے کے ذریعے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ناول ایک مربوط اور جامع فنی تخلیق ہے جس میں مختلف عناصر ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ قصہ ناول کو حرکت دیتا ہے، کردار انسانی زندگی سے اس کا رشتہ قائم کرتے ہیں، واقعات قصے کو آگے بڑھاتے ہیں اور پلاٹ ان تمام عناصر کو ایک مربوط ساخت عطا کرتا ہے۔

یہ سبق آپ میں ناول کے فنی شعور کو بیدار کرنے، آپ کے ادبی ذوق کو فروغ دینے اور تنقیدی مطالعے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے، تاکہ آپ ناول کو محض ایک نثری کہانی کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس کے فنی حسن اور جمالیاتی اہمیت کو بھی شعوری طور پر سمجھ سکیں۔

1.2 ناول کا فن

ناول جدید عہد کی اہم ترین نثری اصناف میں شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ اپنی ابتدائی صورتوں میں اسے وہ فنی وقار اور ادبی اعتبار حاصل نہیں تھا جو بعد کے زمانوں میں نصیب ہوا، تاہم معاشرتی اور تہذیبی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس صنف نے بھی مسلسل ارتقا کیا۔ خصوصاً جدید سماجی اور معاشی نظام کے فروغ نے ناول کو انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل اور اجتماعی تجربات کی ترجمانی کا ایک مؤثر وسیلہ بنا دیا۔ موجودہ فنی ہیئت تک پہنچنے کے لیے ناول کو ایک طویل ارتقائی سفر سے گزرنا پڑا اور اس کی موجودہ صورت اسی مسلسل ادبی و فکری عمل کا نتیجہ ہے۔

ناول بنیادی طور پر نثر میں قصہ بیان کرنے کی ایک صنف ہے، لیکن اسے محض ایک کہانی قرار دینا کافی نہیں۔ مختلف زمانوں اور زبانوں کے ادیبوں اور نقادوں نے اپنے اپنے فکری زاویوں سے ناول کی تعریف کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنف کی متعدد اور بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف تعریفیں سامنے آتی ہیں۔ ان تمام تعریفوں کا تفصیلی جائزہ بذاتِ خود ایک وسیع موضوع ہے، تاہم ناول کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بنیادی فنی اور جمالیاتی پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے۔

لفظ ''ناول'' کا تعلق اطالوی زبان سے ہے۔ اس کی ابتدائی شکل Novella Storia سے منسوب کی جاتی ہے، جس کے معنی نئی یا تازہ کہانی کے ہیں۔ بعد میں یہی اصطلاح نثر میں لکھی جانے والی ایک مخصوص طرز کی کہانی کے لیے استعمال ہونے لگی۔ اطالوی ادیب بوکیشیو کے عہد کے بعد یہ لفظ اور اس سے وابستہ فنی تصور دوسری زبانوں اور ادبی روایتوں تک پہنچا اور رفتہ رفتہ ایک مستقل ادبی صنف کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رالف فاکس ناول کو جدید تہذیب کا ایک عظیم عوامی فن قرار دیتا ہے اور اسے قدیم رزمیہ اور داستانی روایتوں کا جانشین سمجھتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ناول کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت ضرور واضح ہوتی ہے، لیکن اس تعریف سے ناول کی مکمل فنی ساخت متعین نہیں ہوتی۔ ناول کی زیادہ وسیع تعریف میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ نثر میں بیان کی جانے والی ایسی کہانی ہے جس کے ذریعے مصنف کرداروں، کسی مخصوص عہد کی زندگی، انسانی جذبات اور معاشرتی ماحول سے انسان کے تعلق کو پیش کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے ناول کا دائرۂ اظہار صرف اپنے زمانے تک محدود نہیں بلکہ ماضی، تخیل اور بعض صورتوں میں غیر معمولی یا فوق الفطری عناصر تک بھی پھیل سکتا ہے۔

ناول کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کو سماجی اور تاریخی تناظر میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ داستان کے برعکس ناول زندگی کے حقیقی مسائل، معاشرتی کشمکش اور انسان کے مختلف طبقاتی و تہذیبی تجربات کو نسبتاً زیادہ حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ اسی لیے ناول کو صرف واقعات کی ترتیب یا کرداروں کی موجودگی سے نہیں پہچانا جا سکتا، بلکہ اس کی اصل اہمیت اس بات میں بھی ہے کہ وہ زندگی اور معاشرے کی کتنی گہری اور بامعنی ترجمانی کرتا ہے۔

ناول کے فنی مطالعے میں داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ کردار نگاری، پلاٹ، واقعہ سازی اور اسلوب جیسے عناصر ناول کے ظاہری فنی ڈھانچے کو تشکیل دیتے ہیں، لیکن سماجی شعور، زندگی کا تصور اور تخلیقی بصیرت اس کی داخلی روح ہیں۔ کسی بھی ناول کے بارے میں صرف ایک پہلو کو معیار بنا کر فیصلہ کرنا مناسب نہیں۔ ایک مکمل فنی تخلیق میں اس کی داخلی

معنویت اور خارجی ساخت ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ جس طرح جسم اور روح ایک دوسرے کے بغیر مکمل تصور نہیں کیے جا سکتے، اسی طرح فن کی ظاہری ساخت اور اس کی داخلی روح کو الگ الگ کر کے کسی تخلیق کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس حوالے سے بعض ناقدین نے فن کے نظریاتی یا داخلی پہلو کو زیادہ اہمیت دی، جبکہ بعض نے صرف فنی ساخت اور تکنیک کو معیار قرار دیا ہے۔ حقیقتاً متوازن تنقید وہی ہے جو دونوں پہلوؤں کو یکجا کر کے کسی ادبی تخلیق کا جائزہ لے۔ ایک فن پارہ محض خیالات کا مجموعہ نہیں ہوتا اور نہ صرف فنی تکنیک سے اس کی اہمیت متعین ہوتی ہے بلکہ اس کی اصل شناخت ان تمام عناصر کے باہمی ربط اور ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔

ناول کی تعریف کے سلسلے میں مختلف ادیبوں کے خیالات بھی اس صنف کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ڈینیل ڈیفو نے حقیقت نگاری اور اخلاقی شعور کو اہم سمجھا، جبکہ فیلڈنگ نے ناول کو ایک نثری اور تفریحی کہانی کے طور پر دیکھا۔ اسمولٹ کے نزدیک ناول ایک ایسا وسیع تصویر ہے جس میں مختلف کردار ایک مربوط پلاٹ کے ذریعے زندگی کے متعدد پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ تاہم ناول کو صرف پلاٹ یا کردار تک محدود کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ دونوں عناصر اگرچہ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن ناول کی مکمل فنی ساخت کے لیے کافی نہیں۔

اسی طرح بعض نقادوں نے ناول کو زندگی کے کسی خاص پہلو کی تشریح قرار دیا، لیکن ناول کا کینوس مختصر افسانے کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ ناول زندگی کے کسی ایک واقعے یا جذبے تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی معاشرے کے مختلف پہلوؤں، تعلقات اور کشمکش کو نسبتاً وسیع دائرے میں پیش کر سکتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سائنسی فکر، سماجی شعور اور فلسفیانہ نظریات کی ترقی نے بھی ناول کے دائرۂ اظہار کو وسعت بخشی۔

کلارا ریوز کے نزدیک ناول اپنے عہد کی زندگی اور معاشرے کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ تصور ناول کے حقیقت پسندانہ کردار کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ایملی زولا نے اسے انسانی خیالات اور ان کے مظاہر کے تجزیے سے متعلق قرار دیا۔ اگرچہ یہ تعریف ناول کے تمام فنی تقاضوں کا احاطہ نہیں کرتی، تاہم اس سے یہ حقیقت ضرور سامنے آتی ہے کہ ناول انسانی تجربے اور شعور کے مطالعے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

پروفیسر بیکر کی رائے اس لحاظ سے زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے کہ وہ ناول کو نثر کے ذریعے انسانی زندگی کی تعبیر قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ناول میں قصہ، زندگی سے تعلق اور ایک مربوط نقطۂ نظر ضروری عناصر ہیں۔ اس تصور کی روشنی میں ناول کو دوسری

کہانوی اصناف سے الگ پہچاننا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ قصہ گوئی، زبان، تنظیم اور زندگی کی ترجمانی یہ تمام عناصر مل کر ناول کی فنی شناخت تشکیل دیتے ہیں۔

اردو ناقدین نے بھی ناول کی تعریف اور فنی حیثیت کے بارے میں مختلف آرا پیش کی ہیں۔ بعض نے کردار کو مرکزیت دی، بعض نے معاشرت اور ماحول کو اہم سمجھا، جبکہ بعض کے نزدیک ناول انسانی زندگی کی داخلی اور خارجی کش مکش کا بیان ہے۔ ان تمام آرا میں اگرچہ بعض حدود موجود ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ناول فرد کو اس کے معاشرتی، تہذیبی اور تاریخی ماحول سے الگ کر کے نہیں دیکھتا۔

ناول کے اجزائے ترکیبی کچھ اس طرح ہیں:

قصّہ پن:

ناول کا سب سے اہم عنصر قصہ یا کہانی ہے۔ عام طور پر ناول کو محض قصہ ہی سمجھا جاتا ہے اور عام ناول میں قصہ کے سوا کچھ اور ہوتا بھی نہیں مگر اعلیٰ سے اعلیٰ ناول بھی بغیر قصہ کے وجود میں نہیں آسکتا۔ خواہ اس میں قصہ پن بہت ہی ہلکا ہو۔ قصہ ہی ناول کو ناول کہلانے کا مستحق بناتا ہے۔ مسٹر ای۔ ایم فروسٹر نے جو بڑے کامیاب ناول نگار ہیں خوب کہا ہے کہ ''قصہ ناول کی ریڑھ کی ہڈی ہے''

قصہ سے لطف اندوز ہونا ہماری فطرت میں داخل ہیں۔ انسان ہمیشہ سے قصہ میں دلچسپی لیتا آیا ہے اور ہمیشہ دلچسپی لیتا رہے گا۔ قصہ کے ساتھ دلچسپی ایک فطری امر ہے اور ہماری فطرت کا ایسا تقاضا ہے جس سے ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قصہ کی تعریف عام طور سے یوں کی جاتی ہے۔

''وہ کچھ ایسے واقعات یا حرکات کا بیان ہے جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوئے ہوں اور کسی نتیجے پر پہنچتے ہوں۔''

واقعات یا حرکات کا یکے بعد دیگرے یا ایک وقت کے بعد دوسرے وقت میں ہونا قصہ کی جان ہے۔ ہر قصہ میں یہ بیان ہوتا ہے کہ پہلے یہ ہوا یا پھر یہ، آخر میں نتیجہ یہ ہوا۔ یا یوں کہ فلاں شخص نے پہلے یہ کہا، پھر یہ کہا اور آخر میں یہ ہوا اور اس طرح ہر قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ ہر قصہ میں ایک شروع کا واقعہ ہوتا ہے، پھر کچھ درمیانی واقعات ہوتے ہیں اور آخر میں کوئی خاص واقعہ جس سے نتیجہ کہنا چاہئے۔ اس میں وقت کا سلسلہ ایک خاص چیز ہے۔ یعنی اس میں وقت کے حساب سے ترتیب ضروری ہے۔ ہماری زندگی میں ہر بات ایک وقت میں نہیں ہوتی اس لئے ہر قصے میں اوقات کا تعین پھر بعد کے وقتوں یعنی ابتدا، درمیان اور آخر کا التزام ضروری ہے۔ زندگی میں تو اکثر وقت کا شمار نہیں رہتا مگر قصہ میں اس کا شمار پابندی کے ساتھ بہت ضروری ہے کیونکہ قصہ

میں ''پھر کیا ہوا؟''کا سوال بہت ضروری ہے اور اس کو پورا کئے بغیر قصے کو پر لطف نہیں بنایا جا سکتا۔ قصہ میں واقعات کو ایک دوسرے سے باندھنے والا تار کسی وقت ٹوٹنا نہ چاہئے بلکہ یہ تار جتنا ہی زیادہ طویل ہو گا اور واقعات جتنے اچھے گندھے ہوئے ہوں گے اتنا ہی قصہ دلچسپ ہو گا اور اتنا ہی زیادہ اس میں جی لگے گا۔ قصہ میں انتظار یا تجسس کی خلش خاص چیز ہیں اور جتنی زیادہ انتظار کی خلش ہو گی اتنا ہی دلچسپ قصہ ہو گا۔ یہی تجسسsuspension کہلاتا ہے جو قصہ کی شان ہوتا ہے۔ قصہ کو دلچسپ بنانے کا فن نہ ہر شخص کو آتا ہے، نہ ہر شخص سیکھ سکتا ہے، یہ چیزgifted God ہے جو کم لوگوں کو میسر ہوتی ہے۔

پلاٹ:

عام طور پر پلاٹ اور قصہ میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ لوگ پلاٹ اور قصہ کو یکساں تصور کرتے ہیں مگر دونوں میں بہت ہی تفرق پائی جاتی ہے چونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ناول پلاٹ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے جیسے سر والٹر اسکاٹ کے ناول قصہ گوئی کی بہترین مثال ہیں مگر وہ پلاٹ سے عاری ہیں۔ ناول کا پلاٹ قصہ کی ترتیب سے تعلق رکھتا ہے مثلاً، راجہ مر گیا، رانی مر گئی۔ اگر ان دونوں جملوں کو اس طرح ملایا جائے کہ راجہ کے غم میں رانی مر گئی تو یہ اکہرا پلاٹ ہے۔ یعنی قصوں کا باہم ربط یا ایسی کڑی جو قصوں کو آپس میں پرو کے بیان کرے۔ پلاٹ میں بھی واقعات کا بیان ہوتا ہے مگر اس میں سبب اور مسبب کے مطابق ترتیب پر زیادہ زور ہوتا ہے۔

پلاٹ بنانا ایک قسم کا فنِ تعمیر ہے اور اچھے پلاٹ والے ناول کا ہر حصہ اس طرح تعمیر ہوتا ہے جیسے ایک عمارت الگ الگ حصوں سے تعمیر ہوتی ہے۔ مثلاً پہلے عمارت کی بنیاد ڈالی جاتی ہے پھر اس کی دیواریں پھر اسکی چھت تعمیر ہوتی ہے یہ سب چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط ہوتی ہیں کہ اگر ایک کمزور پڑ جائے تو عمارت ڈھیلی بن جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی کہانی یا ناول کا پلاٹ ڈھیلا ہو گا تو وہ کہانی کمزور کہلاتی ہے۔ یاد رہے کہ ایک کہانی میں کئی پلاٹ بھی ہو سکتے ہیں۔ بہ نسبت قصے کے زیادہ تر پلاٹ کی وجہ سے ناول فن کاری کے زمرہ میں شامل ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ فن کاری کا پہلا ثبوت پلاٹ کی اچھی ترتیب ہوتی، اس لئے پلاٹ کو قصہ پر زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ عام ناولوں میں پلاٹ کمزور اور قصہ اچھا ہوتا ہے۔ پلاٹ میں قصہ نہایت سلیقہ سے ڈھلنا چاہے۔ پلاٹ بنانا ویسا ہی ہے جسے کوئی بت تراش کچھ خاص فنی قاعدے کے موافق کسی پتھر کی سل کو تراش کر ایک خوش نما بت بنائے مگر اس میں بناوٹ کا اثر نہ ہو جیسے کسی بت تراش کے بت کا اصل سے مطابق ہونا بھی ضروری ہے جیسے تراشے ہوئے بت میں حقیقت کے ساتھ حسن یا دلکشی ضروری ہے۔ ویسے ہی ناول کے پلاٹ میں ایک فنی حسن و خوبی کا وجود لازم ہے۔ الغرض پلاٹ کی بناوٹ جتنی زیادہ دل کش ہو گی اتنا ہی اچھا پلاٹ ہو گا۔

ڈاکٹر انور پاشا ناول میں پلاٹ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''ناول کے لیے پلاٹ کا ہونا لازمی ہے بغیر پلاٹ کے کوئی قصہ ربط و تسلسل اور فنی تنظیم و ترتیب کے ساتھ اختتام تک نہیں پہنچ سکتا۔اس تنظیم و ترتیب میں فنی حسن کے ساتھ اختتام تک پہنچنے کے لیے پلاٹ لازمی ہے۔ غرض کہ پلاٹ ایک فنی سانچہ ہے جس میں واقعات ڈھل کر خاطر خواہ shape اختیار کرتے ہیں،اچھے پلاٹ کے لیے ضروری ہے کہ اس میں سادگی اور اختصار ہو۔ پیچیدگی اور طوالت پلاٹ کی فنی ترتیب میں الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے۔اور اس سے وحدت تاثر بھی مجروح ہوتا ہے۔ناول کے پلاٹ کے لیے حقائق پر مبنی ہونا لازمی شرط ہے۔ فطری، دلچسپ، مربوط اور متوازن پلاٹ کو بہتر پلاٹ تصور کیا جاتا ہے۔''[1]

[1] انور پاشا، ہندو پاک میں اودو ناول، ۱۹۹۰ء، ص ۹۵۔

کردار نگاری:

ناول میں ایک ایسی کہانی کو پیش کیا جاتا ہے جس میں حقیقی زندگی کے مسائل کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ناول نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ ناول میں اپنے تجربات ہی کا بیان کرے اور زندگی کے انھیں افراد کا نقشہ کھینچے جن کی بابت وہ پوری واقفیت رکھتا ہے۔ وہ اس بات کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اس کے قصے کے افراد میں کوئی جان یا سیرت بھی ہے یا نہیں۔اسے تو فقط واقعات کے تسلسل سے کام ہوتا ہے۔ مگر ناول نگار اپنے ناول میں زندگی کے حقیقی، گہرے اور پر اثر نقش بناتا ہے۔اس لئے اس کو سیرت یا کردار نگاری کی خوبی پر کافی توجہ دینا پڑتا ہے۔ناول کی ادبی اہمیت اس کی کردار نگاری پر منحصر ہے اور وہی ناول زیادہ کامیاب ہوتے ہیں جہاں جاندار و متحرک کردار ملتے ہیں۔

کردار نگاری کے سلسلے میں پہلی شرط یہ ہے کہ کردار جیتے جاگتے ہوں اور ناول پڑھنے والا ان کو بالکل ویسا ہی محسوس کرے جیسا کہ وہ اپنے گھر والوں کے افراد یا شناسا ہوں یا ان سے ہمدردی یا نفرت ہو یا ناول ختم ہونے کے بعد وہ اس کے تخیل میں باقی رہے۔ کسی ناول کے عمدہ کردار کی یاد تادیر قائم رہتی ہے۔

عتیق احمد کردار نگاری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''میں ناول کو انسانی کردار کی مصوری سمجھتا ہوں۔انسان کے کردار پر روشنی ڈالنا اور اس کے اسرار کھولنا ہی ناول کا بنیادی مقصد ہے۔''[1]

[1] عتیق احمد، مضامین پریم چند، ص ۲۰۹۔

ناول میں جتنا زیادہ گہرا اور وسیع تجربہ پیش کیا جائے گا اتنا ہی وہ اچھا ہو گا۔ تجربہ کی گہرائی کے سلسلے میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آیا ناول نگار کو اپنے کردار کی چھوٹی چھوٹی ان خصوصیات کو بھی پیش کرنا چاہیے جن سے نہ صرف اس کے طبقہ اور ذات بلکہ گاؤں کا تعلق ہے۔

مکالمہ نگاری:

مکالمہ بھی ناول کا ایک اہم جزو ہے۔اس کے ذریعے کرداروں کی خصوصیات نہایت دلچسپ طریقے سے ظاہر کی جا سکتی ہیں۔ بات چیت انسانی زندگی کا سب سے اہم پہلو پیش کرتی ہے اور اسی کے ذریعے سے ہمیں کرداروں کے شخصیت اور ان کی تمام خصوصیات سے آگہی ہوتی ہے۔ کسی شخص سے ہماری واقفیت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک ہم اس سے بات چیت نہ کر لیں۔

مکالموں میں ناول نگار کو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ہر کردار اپنے طبقہ اور حیثیت کے مطابق گفتگو کرے۔ایک آفیسر اور ایک ادنی ملازم کی گفتگو میں جو فرق ہو گا اس کو ملحوظ رکھنا ناول نگار کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ایک شہنشاہ اور ایک غلام،ایک ملکہ اور ایک لونڈی کے مکالموں ہی سے ان کی سماجی حیثیت اور مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ڈاکٹر سلام سندیلوی لکھتے ہیں:

''اگر مکالمے دلچسپ، موزوں اور بر محل ہوتے ہیں تو پڑھنے والے کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔ مکالمے کے ذریعے ہم کرداروں کو پہچانتے ہیں اور اس کی روح تک پہنچتے ہیں۔ مکالمے کرداروں کے جذبات، خیالات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔''[1]

[1] سلام سندیلوی،ادب کا تنقیدی مطالعہ،۱۹۶۰ء،ص۱۶۶۔

منظر نگاری:

منظر نگاری یا منظر کشی بھی ناول کا ایک اہم جز ہے لیکن بعض ناقدین منظر نگاری کو ناول کا لازمی جز نہیں مانتے، پھر بھی ناول میں قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے منظر کشی ضروری ہے، منظر نگاری میں ناول نگار کو زندگی سے تعلق رکھنے والے ساز و سامان کا ذکر اس طرح سے کرنا چاہیئے کہ اسکی تصویر نظروں میں گھوم جائے۔ ناول نگار کی کوشش یہی رہتی ہے کہ وہ زندگی کے مختلف حالات و کیفیات جیسے خوشی اور غم کی ترجمانی بھی ایسے مناظر سے کرتا ہے،اس سے کرداروں کے جذبات و خیالات کی حقیقی عکاسی ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ قدرتی مناظر موسموں، بازاروں، میلوں، ٹھیلوں وغیرہ کے مناظر بھی ناول میں پیش کیے جاتے ہیں۔

علی عباس حسینی منظر نگاری کے متعلق اپنی آرا کا اظہار خیال کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''منظر نگاری کی وجہ سے زمان و مکان کی تعین ہوتی ہے۔ اوقات اور موسموں کا بیان، کمروں اور مکانوں کے خاکے، آبادیوں کے نقشے، اسباب ضرورت و زینت کی تصویریں اور ناچ رنگ، میلوں ٹھیلوں، جلسوں جلوسوں کے معرکے اسی جز سے متعلق ہیں۔ ناول نگار کو چاہیے کہ وہ ان امور کو اس سلیقے اور اس انداز سے بیان کرے کہ پڑھنے والے کے سامنے بالکل تصویر کھنچ جائے۔ شاعری میں اسی کو محاکات کہتے ہیں۔''[1]

[1] علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۱ء، ص ۶۶۔

جزئیات نگاری:

کہانی میں چھوٹے چھوٹے امور کی ضرورت کے مطابق تفصیل بیان کرنا جزئیات نگاری کہلاتا ہے۔ جزئیات کے لئے پلاٹ اور قصے کا لحاظ لازمی ہے ورنہ جزئیات پلاٹ میں پیوند کاری کی حیثیت اختیار کرلیں گے۔ ناول میں جزئیات کا شمار در حقیقت میناکاری کا درجہ رکھتا ہے۔ حساس ناول نگار کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جزئیات کا استعمال کس حد تک ہونا چاہیے۔ جس طرح ایک مصور تصویر بناتے وقت رنگ، اس کی مقدار اور اس کے مناسب استعمال سے تصویر میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے اسی طرح ناول نگار جزئیات سے ناول کو دلچسپ بنادیتا ہے۔ اگر مصور کے قلم میں رنگ زیادہ ہو جائے تو تصویر بدرنگ ہو جاتی ہے اسی طرح جزئیات کو پلاٹ میں بے جا داخل کرنے سے ناول کے حسن میں فرق آجاتا ہے۔ جذبات نگاری:

ناول میں جو کہانی یا کردار پیش کیا جاتا ہے اس کا تعلق ہمارے جذبات سے بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ناول کی دنیا جذبات سے بھری ہوتی ہے۔ کہانی کبھی پوری حزینہ ہوتی ہے تو کبھی پوری نشاط انگیز یا کبھی کچھ حصہ حزینہ ہوتا ہے اور کچھ نشاط انگیز۔ ناول نگار تقریباً ہر قسم کے جذبات اپنی کہانی میں پیش کرتا ہے۔ ناول میں جو جذبات ہوتے ہیں اس میں حسن و عشق کا تصادم، محبت کی فراوانی، اس کے علاوہ مذہبی لگاؤ تاہم اس جذبے کی موافقت اور مخالفت میں کئی اور جذبے ملتے ہیں۔ جذبات نگاری کے تعلق سے ڈاکٹر مجید بیدار لکھتے ہیں؛

''ناول کے پلاٹ کی تشکیل کے موقع پر جذبات کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے اور جس کے بغیر ناول میں تحریک پیدا نہیں ہوتی، اس لئے ناول نگار کو جذبات کا سہارا لینا ضروری ہے۔''[1]

[1] ڈاکٹر مجید بیدار، ناول متعلقات ناول، نیشنل فائن پرنٹنگ پرس حیدرآباد، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۱۔

ناول میں جذبات کا اظہار پورے لوازمات کے ساتھ ضروری ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ کرداروں کے احساسات کا پتہ چلتا ہے۔ غصہ، ناراضگی، بے رحمی، چاہت، مخالفت اور نہ جانے کتنے

ایسے جذبات ہیں جن کو موقع و محل کی مناسبت سے ناول میں مصنف پیش کرتا ہے اور یہ عمل ناول نگاری کی فنی دلچسپی سے متعلق بھی ہوتا ہے۔ ناول نگار میں جس قدر لطیف جذبوں اور جمالیاتی حسن کو محسوس کرنے کی صلاحیت ہو گی اتنی ہی کامیابی کے ساتھ جذبات نگاری کے عمدہ نمونے وہ پیش کر سکتا ہے جس کی وجہ سے قاری کے دل پر ایک گہرا تاثر پڑتا ہے۔

فلسفہ حیات:

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو سماجیات، سیاست، اقتصادیات اور دیگر اجزا میں تقسیم کیا ہے اور انسان پر سب سے زیادہ اثر سماجیات کا ہے۔ دیگر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی سماج میں ایک فرد اور رکن کی حیثیت ہوتی ہے۔ سماج میں ہی اس کی خمیر تیار ہوتی ہے اور اسی میں دفن بھی۔ سماج

کا سب سے حساس اور ذہین فرد تخلیق کار ہوتا ہے اور یہ تخلیق کار سماج کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتا ہے اور جو بھی تخلیق کرتا ہے کسی ٹھوس مقصدیت کے تحت تخلیق کرتا ہے۔

فلسفۂ حیات کے بغیر کوئی بھی فن پارہ ادھورا اور بے روح سمجھا جاتا ہے۔ ادیب فلسفۂ حیات سے فن پاروں میں معنویت پیدا کرتا ہے۔

زمان و مکان:

ناول میں وقت کے ساتھ ساتھ مقام کا تعلق بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ناول نگار اپنے قصے اور پلاٹ کی بنیاد عام طور پر ایک مخصوص دور اور ایک خاص مقام سے تعلق رکھنے والے واقعات اور افراد پر اکھتا ہے۔ افراد کے کردار پر وقت اور مقام دونوں اثر انداز ہوتے ہیں۔ علی عباس حسینی لکھتے ہیں:

''قصہ کے لئے اس کا تعین ضروری ہے کہ کہاں ہوا اور کب ہوا۔ جس طرح مقامات کے بدلنے سے افعال و حرکات بدل جاتے ہیں اسی طرح زمانی اور وقت کے تغیر سے بھی ان میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔''[۱]

[۱] علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہائوس، علی گڑھ، ۲۰۱۱، ص ۲۵۔

زندگی ہر دور میں بدلتی رہتی ہے۔ تہذیبیں بنتی بگڑتی ہیں۔ ہر انسان کے روز و شب تغیر کے ذد میں آتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں جغرافیائی حدود بھی کردار و واقعات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مختلف علاقوں کے باشندوں کی سیرت میں فرق ہوتا ہے۔ اسی بنا پر

ان کے رسم ورواج اور طرز و بود و باش میں اختلاف ہوتا ہے۔ ناول نگار ایک خاص دور کی تصویر کشی کرتے وقت اس عہد کے رسم ورواج اور طرز معاشرت پر گہری نظر رکھتا ہے۔

المختصر ناول دراصل ایسی نثری کہانی ہے جس میں انسانی زندگی، معاشرتی شعور، تہذیبی اقدار اور زمانے کے مختلف مسائل کو ایک مربوط فنی ساخت کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں فرد اور معاشرے کا تعلق، انسانی احساسات، طبقاتی کشمکش، تہذیبی تبدیلیاں اور زندگی کے مختلف تجربات ایک دوسرے سے مربوط صورت میں سامنے آتے ہیں۔

جدید ناول کے ارتقا کو سرمایہ دارانہ اور صنعتی معاشرے کی تبدیلیوں سے بھی وابستہ کیا گیا ہے۔ جب فرد کی انفرادی حیثیت نمایاں ہوئی، سماجی نظام میں تبدیلیاں آئیں اور انسان نے روایت، عقیدے اور معاشرتی اقدار کو نئے زاویوں سے دیکھنا شروع کیا تو ادب میں بھی ایسی صنف کی ضرورت محسوس ہوئی جو ان پیچیدہ تجربات کو وسیع پیمانے پر بیان کر سکے۔ ناول نے اسی ضرورت کو پورا کیا۔ اس اعتبار سے ناول کو ایک پیچیدہ معاشرے کی ادبی تصویر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے فرد کی داخلی زندگی اور اس کے خارجی ماحول کے درمیان تعلق اور کش مکش کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جدید عہد میں ناول نے نہ صرف تفریح بلکہ سنجیدہ فکری، فلسفیانہ اور سماجی مسائل کے اظہار کا بھی اہم ذریعہ اختیار کیا۔

داستان سے ناول کے ارتقا کا سفر بھی اسی تبدیلی کی علامت ہے۔ داستانی ادب میں تخیل، حیرت اور غیر معمولی واقعات کو بنیادی اہمیت حاصل تھی، جبکہ ناول نے زندگی کی حقیقی اور پیچیدہ صورتوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ ناول نگار کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ زندگی سے فرار کے بجائے اس کے مسائل کا سامنا کرے اور انسانی تجربے کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ ناول نے داستانی روایت سے بہت کچھ حاصل کیا، لیکن اپنی جداگانہ فنی شناخت حقیقت نگاری، سماجی شعور اور انسانی زندگی کے وسیع مطالعے کے ذریعے قائم کی۔ مسلسل ارتقا کے نتیجے میں یہ صنف انسانی معاشرے اور تہذیب کی ترجمانی کا ایک نہایت مؤثر اور ہمہ گیر وسیلہ بن گئی۔

1.3 سرگرمی(آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

عزیز طلبہ وطالبات !آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ناول کے فن اور آغاز وارتقاء کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے حصہ 1.8 سے رجوع کریں۔

1۔اردو کا پہلا ناول _____ ہے۔

2۔تاریخی ناول نگار کے نام سے _____ جانا جاتا ہے۔

3۔ناول امراو جان ادا _____ نے خلق کیا ہے۔

4۔خوجی _____ ناول کا اہم کردار ہے۔

5۔ابن الوقت _____ کا ناول ہے۔

1.4 عمومی جائزہ

اس سبق میں آپ نے **ناول کے فن** اور اس کی فنی ساخت کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ آپ نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ ناول محض واقعات اور قصے کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی زندگی، معاشرت، جذبات، خیالات اور تجربات کی ایک جامع اور فنکارانہ پیش کش ہے۔ ناول نگار اپنے مشاہدے، تجربے، تخیل اور فنی صلاحیت کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ایک مربوط کہانی کی صورت میں پیش کرتا ہے۔اس لیے ناول کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے مختلف فنی عناصر کس قدر مؤثر اور باہم مربوط انداز میں استعمال کیے گئے ہیں۔

آپ نے ناول کے اہم فنی عناصر میں **پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، ماحول نگاری، زبان واسلوب، موضوع، زمان و مکان اور بیانیہ تکنیک** کا مطالعہ کیا۔ پلاٹ ناول کے واقعات کو باہمی ربط اور تسلسل فراہم کرتا ہے، جب کہ کردار نگاری کے ذریعے مختلف انسانی شخصیتوں، ان کے جذبات، خیالات، خواہشات اور نفسیاتی کیفیات کو نمایاں کیا جاتا ہے۔اسی طرح مکالمہ نگاری کرداروں کی شخصیت اور فکری رویوں کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ کہانی کو آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔

اس سبق کے ذریعے آپ نے یہ بھی جانا کہ **منظر نگاری اور ماحول نگاری** ناول کی فضا کو جاندار بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کسی خاص علاقے، معاشرے یا تاریخی دور کی معاشرت، تہذیب، رہن سہن اور ماحول کی مؤثر عکاسی ناول کو حقیقت سے قریب کرتی ہے۔ اسی طرح زبان و اسلوب ناول نگار کی انفرادی شناخت قائم کرتے ہیں اور موضوع و کردار کے مطابق زبان کا استعمال ناول کے فنی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔

آپ نے **موضوع اور فکر** کی اہمیت کو بھی سمجھا کہ ناول میں انسانی زندگی کے مختلف مسائل، معاشرتی ناہمواری، طبقاتی کشمکش، محبت، نفرت، اخلاقی اقدار، سیاسی حالات، تاریخی شعور اور نفسیاتی الجھنوں کو مختلف انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جدید ناول میں **فلیش بیک، شعور کی رو، داخلی خود کلامی، نفسیاتی تجزیے اور علامت نگاری** جیسی تکنیکوں نے اظہار کے امکانات کو مزید وسیع کیا ہے۔

مجموعی طور پر اس سبق کے مطالعے سے آپ اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ ایک کامیاب ناول میں **فکر اور فن کا متوازن امتزاج** ضروری ہے۔ جب پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر، زبان، اسلوب اور دیگر فنی عناصر ایک دوسرے سے مربوط ہو کر انسانی زندگی کی حقیقتوں کو مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں تو ناول ایک مکمل ادبی اور جمالیاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ اس طرح ناول نہ صرف قاری کو ایک دلچسپ قصے سے وابستہ کرتا ہے بلکہ اسے **انسان، معاشرے، تہذیب، تاریخ اور زندگی کے مختلف مسائل پر غور کرنے کا موقع** بھی فراہم کرتا ہے۔

1.5 فرہنگ

۱۔ **داستان** —— طویل قصہ جس میں تخیل، حیرت انگیز واقعات اور غیر معمولی کرداروں کو اہمیت حاصل ہو۔

۲۔ **قصہ گوئی** —— واقعات اور کہانی کو بیان کرنے کا فن۔

۳۔ **ارتقا** —— بتدریج ترقی اور تبدیلی کا عمل۔

۴۔ **اصلاحی ادب** —— ایسا ادب جس میں معاشرتی یا اخلاقی اصلاح کا مقصد نمایاں ہو۔

۵۔ **معاشرت** —— کسی معاشرے کے رہن سہن، تعلقات اور اجتماعی زندگی کا مجموعہ۔

۶۔ **تہذیب** —— کسی معاشرے کے فکری، اخلاقی، سماجی اور ثقافتی رویوں کا مجموعہ۔

۷۔ **حقیقت نگاری** —— زندگی اور معاشرے کے حالات کو حقیقت کے قریب رہ کر پیش کرنے کا رجحان۔

۸۔ **تاریخی شعور** —— ماضی کے واقعات اور تہذیبی تجربات کو سمجھنے اور موجودہ زندگی سے ان کا رشتہ قائم کرنے کی صلاحیت۔

۹۔ **ترقی پسند تحریک** ——ادبی تحریک جس میں سماجی انصاف، انسانی آزادی اور معاشرتی تبدیلی کے مسائل کو اہمیت دی گئی۔

۱۰۔ **طبقاتی کشمکش** —— مختلف معاشی اور سماجی طبقات کے درمیان مفادات کا تصادم۔

۱۱۔ **ہجرت** —— کسی جگہ یا وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونے کا عمل۔

۱۲۔ **بے وطنی** ——اپنے وطن یا جائے پیدائش سے محرومی کی کیفیت۔

۱۳۔ **شناخت** ——فرد یا معاشرے کی وہ خصوصیت جس سے اس کی الگ پہچان قائم ہوتی ہے۔

۱۴۔ **تہذیبی انتشار** ——تہذیبی اقدار اور روایات کے بکھرنے یا کمزور ہونے کی کیفیت۔

۱۵۔ **علاقائیت** —— کسی مخصوص خطے کی زبان، تہذیب، معاشرت اور طرزِ زندگی کو اہمیت دینے کا رجحان۔

۱۶۔ **عصری شعور** ——اپنے زمانے کے حالات اور مسائل سے آگاہی۔

۱۷۔ **گلوبلائزیشن** ——دنیا کے مختلف معاشروں اور خطوں کے باہمی روابط کے تیزی سے بڑھنے کا عمل۔

۱۸۔ **داخلی دنیا** ——انسان کے خیالات، جذبات، احساسات اور نفسیاتی کیفیات کا مجموعہ۔

۱۹۔ **نفسیاتی مسائل** ——انسانی ذہن، جذبات اور شخصیت سے متعلق پیچیدگیاں۔

۲۰۔ **تہذیبی حافظہ** —— کسی معاشرے کے ماضی، روایات اور تاریخی تجربات کی اجتماعی یاد۔

۲۱۔ **اسلوب** ——اظہارِ خیال اور تحریر کا مخصوص انداز۔

۲۲۔ **جزئیات نگاری** —— کسی واقعے، کردار یا ماحول کی باریک تفصیلات کو نمایاں کرنا۔

۲۳۔ **منظر نگاری** —— کسی جگہ، ماحول یا منظر کو لفظوں کے ذریعے واضح اور مؤثر انداز میں پیش کرنا۔

۲۴۔ **سماجی حقیقت نگاری** ——معاشرتی زندگی اور اس کے مسائل کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرنے کا رجحان۔

۲۵۔ **معاصر** ——موجودہ زمانے سے تعلق رکھنے والا۔

۲۶۔ **تاریخی ناول** ——ایسا ناول جس میں کسی تاریخی عہد، واقعے یا شخصیت کو بنیادی پس منظر بنایا جائے۔

۲۷۔ **معاشرتی ناول** ——ایسا ناول جس میں سماجی زندگی اور معاشرتی مسائل کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔

۲۸۔ **اصلاحی رجحان** ——معاشرے کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کی کوشش۔

۲۹۔ **گھریلو زندگی** ——خاندان اور گھر سے متعلق روزمرہ زندگی اور تعلقات۔

۳۰۔ **تہذیبی شناخت** —— کسی فرد یا قوم کی مخصوص تہذیبی وابستگی اور پہچان۔

1.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1۔ناول کے فن پر اظہار خیال کیجئے؟

2۔اردو ناول کے ارتقائی سفر میں مولوی نذیر احمد کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

۳۔رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

1.7 مشقی سوالات

1۔اردو ناول کے آغاز کے لیے داستانی روایت کو اہم کیوں سمجھا جاتا ہے؟

2۔مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ ''فسانۂ آزاد'' کی اردو ناول کی تاریخ میں کیا اہمیت ہے؟

1.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ مراۃ العروس

2۔ عبدالحلیم شرر

3۔ مرزا ہادی رسوا

4۔ فسانۂ آزاد

5۔ ڈپٹی نذیر احمد

ا۔ اردو ناول کے آغاز کے لیے داستانی روایت کو اہم کیوں سمجھا جاتا ہے؟

اردو ناول کے ظہور سے پہلے اردو میں داستان اور قصہ گوئی کی ایک مضبوط روایت موجود تھی۔ داستان نے اردو نثر کو قصہ بیان کرنے، کرداروں کی تشکیل اور واقعات کو مربوط انداز میں پیش کرنے کی روایت فراہم کی۔ اگرچہ جدید ناول نے داستانی ادب سے مختلف راستہ اختیار کیا، تاہم اس کے ارتقائی پس منظر میں داستانی روایت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

مولوی نذیر احمد نے اردو ناول کو معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت سے وابستہ کیا۔ ان کے ناولوں میں تعلیم، عورتوں کی تربیت، گھریلو زندگی، اخلاقی اقدار اور مسلم متوسط طبقے کے مسائل نمایاں ہیں۔ انہوں نے اردو نثر کو معاشرتی زندگی کے قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

۳۔ ''فسانۂ آزاد'' کی اردو ناول کی تاریخ میں کیا اہمیت ہے؟

''فسانۂ آزاد'' رتن ناتھ سرشار کا اہم ناول ہے جس میں لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، زبان، محاورے، رسوم و رواج اور رہن سہن کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اس کی اہمیت خاص طور پر اس کی جاندار کردار نگاری، منظر نگاری اور جزئیات نگاری میں ہے۔

1.9 امدادی کتب

۱۔ اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی
۲۔ اُردو فکشن، آل احمد سرور
۳۔ ناول کا فن۔ ای ایم فارسٹر۔ ترجمہ ابوالکلام قاسمی
۴۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول۔ ڈاکٹر یوسف سرمست
۵۔ داستان سے افسانے تک۔ وقار اعظیم
۶۔ اُردو ناول کی تاریخ و تنقید۔ علی عباس حسینی
۷۔ ادبی تخلیق اور ناول۔ احسن فاروقی
۸۔ اُردو ناول بیسویں صدی میں۔ عبدالسلام
۹۔ ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۰۔ تفہیم و تعبیر۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

سبق نمبر ۲۔اردو ناول کا آغاز وارتقاء

ساخت

2.0 اغراض ومقاصد

2.1 تعارف

2.2 اردو ناول کا آغاز وارتقاء

2.3 سرگرمی (آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

2.4 عمومی جائزہ

2.5 فرہنگ

2.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

2.7 مشقی سوالات

2.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

2.9 امدادی کتب

2.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ناول کی ابتدا، اس کے تاریخی پس منظر اور ارتقائی سفر سے واقف ہوں گے۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ اردو ناول کے ظہور کے لیے کن سماجی، سیاسی، تہذیبی اور ادبی عوامل نے بنیادی کردار ادا کیا۔ آپ اردو ناول کے ابتدائی دور کے اہم ناول نگاروں اور ان کی اہم تصانیف سے واقفیت حاصل کریں گے۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ اردو ناول نے داستان کی روایت سے کس طرح الگ شناخت قائم کی اور حقیقت نگاری، سماجی اصلاح، تہذیبی شعور اور انسانی زندگی کے مختلف مسائل کو اپنے موضوعات کا حصہ بنایا۔

اس سبق کے ذریعے آپ اردو ناول کے مختلف ارتقائی مراحل کا مطالعہ کر سکیں گے اور یہ سمجھ سکیں گے کہ وقت کے ساتھ ناول کے موضوعات، اسلوب، تکنیک، کردار نگاری اور نقطۂ نظر میں کس طرح تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ آپ ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، مرزا ہادی رسوا، پریم چند اور دیگر اہم ناول نگاروں کی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ اردو ناول نے محض تفریحی ادب کی حیثیت سے آغاز نہیں کیا بلکہ معاشرتی اصلاح، اخلاقی تربیت، تہذیبی اقدار، طبقاتی مسائل، عورت کی صورتِ حال، غربت، استحصال اور انسانی نفسیات جیسے اہم موضوعات کو بھی اپنے دائرۂ اظہار میں شامل کیا۔ اس طرح آپ اردو ناول کی تاریخی اہمیت اور ادبی مقام کا تنقیدی انداز میں مطالعہ کر سکیں گے۔

1.1 تعارف

ناول اردو ادب کی ایک اہم اور مقبول نثری صنف ہے جس میں انسانی زندگی، معاشرے، تہذیب، جذبات، مسائل اور تجربات کو ایک مربوط اور نسبتاً وسیع بیانیے کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ ناول کا بنیادی تعلق زندگی کی عکاسی سے ہے، اسی لیے اس میں فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق، انسانی نفسیات، معاشرتی رشتوں، تہذیبی اقدار اور بدلتے ہوئے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ اردو میں ناول کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا اور بہت کم عرصے میں اس صنف نے اردو نثر میں ایک اہم اور مستحکم مقام حاصل کر لیا۔

اردو ناول کے آغاز کو سمجھنے کے لیے اس ادبی اور تاریخی ماحول کو سمجھنا ضروری ہے جس میں یہ صنف وجود میں آئی۔ اردو نثر میں ناول سے پہلے داستان، قصہ اور حکایت کی ایک مضبوط روایت موجود تھی۔ داستانوں میں مافوق الفطرت عناصر، حیرت انگیز واقعات، طلسماتی دنیا، غیر معمولی کردار اور طویل قصہ گوئی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ **داستانِ امیر حمزہ، باغ و بہار اور فسانۂ عجائب**

جیسی تصانیف نے اردو نثر کی قصہ گوئی کی روایت کو مضبوط بنایا۔ تاہم جدید دور کے بدلتے ہوئے حالات نے ایسی ادبی صنف کی ضرورت محسوس کی جو خیالی اور طلسماتی واقعات کے بجائے عام انسانی زندگی اور معاشرتی حقیقتوں کو زیادہ قریب سے پیش کر سکے۔ اسی ضرورت کے نتیجے میں اردو ناول کے لیے فضا ہموار ہوئی۔

انیسویں صدی میں ہندوستان کے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور تہذیبی حالات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ مغربی تعلیم کے فروغ، انگریزی زبان وادب کے اثرات، جدید سائنسی افکار، طباعت واشاعت کے فروغ، اخبارات ورسائل کی مقبولیت اور اصلاحی تحریکوں نے اردو نثر کو ایک نئی سمت عطا کی۔ ان حالات میں اردو کے ادیبوں نے جدید ادبی اصناف کی طرف توجہ کی اور ناول بھی اسی نئے ادبی رجحان کا حصہ بنا۔ ناول نے معاشرے کی حقیقی صورتِ حال، متوسط طبقے کی زندگی، عورت کے مسائل، تعلیم، اخلاق، گھریلو زندگی اور سماجی برائیوں کو موضوع بنایا۔

اردو کے ابتدائی ناول نگاروں میں **ڈپٹی نذیر احمد** کا نام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے ناول **مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانۂ مبتلا** اور **ابن الوقت** اردو ناول کی ابتدائی روایت میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ خصوصاً **مراۃ العروس** کو اردو کے اولین اہم ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ نذیر احمد نے ناول کو معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کا وسیلہ بنایا اور گھریلو زندگی، عورتوں کی تعلیم، تہذیبی اقدار اور معاشرتی مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔ اس کے بعد **رتن ناتھ سرشار** نے اردو ناول کو ایک مختلف رنگ عطا کیا۔ ان کا مشہور ناول **فسانۂ آزاد** لکھنؤ کی معاشرت، تہذیب، زبان، رہن سہن اور معاشرتی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ سرشار کی زبان، کردار نگاری، منظر نگاری اور مزاحیہ انداز نے اردو ناول کی روایت کو وسعت دی۔ ان کے بعد **مرزا ہادی رسوا** کا ناول **امراؤ جان ادا** اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوا۔ اس ناول میں لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، عورت کی زندگی، انسانی جذبات اور نفسیاتی کیفیات کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا۔ بیسویں صدی میں اردو ناول نے مزید ترقی کی اور اس کے موضوعات اور فنی امکانات میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ **پریم چند** نے اردو اور ہندی فکشن میں حقیقت نگاری کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے کسانوں، مزدوروں، غریب طبقات، عورتوں اور سماج کے محروم افراد کی زندگی اور مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ اس دور کے بعد اردو ناول میں تاریخی، سماجی، سیاسی، نفسیاتی، ترقی پسند، وجودی اور تہذیبی موضوعات شامل ہوتے گئے۔ بعد کے دور میں **قرۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، بانو قدسیہ، شوکت صدیقی، خدیجہ مستور، قاضی عبدالستار، عبدالصمد، الیاس احمد گدی، پیغام آفاقی** اور دیگر ناول نگاروں نے اردو ناول کو نئے موضوعات، نئے فنی تجربات اور نئے

اسلوب سے مالا مال کیا۔ جدید اور معاصر ناول میں تقسیمِ ہند، ہجرت، تہذیبی زوال، طبقاتی کشمکش، سیاسی انتشار، شہری زندگی، عورت کی شناخت، انسانی تنہائی، نفسیاتی پیچیدگیوں اور بدلتے ہوئے معاشرتی رویوں کو نمایاں جگہ حاصل ہوئی۔

''اردو ناول کا آغاز وارتقاء '' کے مطالعے کے ذریعے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ اردو ناول نے داستان کی روایتی دنیا سے سفر شروع کر کے حقیقتِ زندگی، معاشرتی مسائل، انسانی نفسیات اور جدید فکری مباحث تک کس طرح رسائی حاصل کی اور اردو ادب کی ایک مضبوط، مؤثر اور ہمہ گیر صنف بن گیا۔

1.2 اردو ناول آغاز وارتقاء

اردو ناول کا ارتقائی سفر اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم اور دلچسپ باب ہے۔ اس صنف نے اپنی موجودہ صورت تک پہنچنے کے لیے ایک طویل تاریخی سفر طے کیا ہے۔ اردو میں ناول کا ظہور اچانک نہیں ہوا بلکہ اس کے پس منظر میں قصہ گوئی اور داستان کی ایک مضبوط اور قدیم روایت موجود تھی۔ برصغیر میں داستانیں صدیوں سے عوامی اور ادبی زندگی کا اہم حصہ رہی تھیں۔ ان داستانوں میں حیرت انگیز واقعات، مافوق الفطرت عناصر، غیر معمولی کردار اور تخیل کی رنگارنگ دنیا کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اگرچہ جدید ناول نے داستان سے قصہ گوئی کی روایت حاصل کی، لیکن اس نے زندگی اور معاشرے کو زیادہ حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرتے ہوئے اپنی ایک الگ شناخت قائم کی۔

انیسویں صدی میں برصغیر کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان تبدیلیوں نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو متاثر کیا اور نثر میں نئے رجحانات پیدا ہوئے۔ مغربی تعلیم، جدید علوم اور انگریزی ادب کے اثرات نے اردو نثر کو نئے موضوعات اور اظہار کے نئے امکانات سے آشنا کیا۔ انہی حالات میں ناول نگاری کی ضرورت محسوس ہوئی اور اردو ادب میں اس نئی صنف نے رفتہ رفتہ اپنی جگہ بنانی شروع کی۔ اردو ناول کے ابتدائی دور میں مولوی نذیر احمد کا نام خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ انہیں اردو ناول نگاری کے ابتدائی بنیاد گزاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں اس زمانے کے مسلم معاشرے، بالخصوص متوسط طبقے کی گھریلو زندگی اور معاشرتی مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ انہوں نے ناول کو معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنایا۔ ان کی تخلیقات میں عورتوں کی تعلیم، گھریلو زندگی، معاشرتی ذمہ داریوں اور خاندان کی اصلاح جیسے موضوعات نمایاں ہیں۔ ان کے ناولوں نے اردو معاشرے کی حقیقی زندگی کو ادب سے وابستہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور اردو ناول کے ابتدائی خدوخال متعین کیے۔ مولوی نذیر احمد کے بعد پنڈت رتن ناتھ سرشار نے اردو ناول کو ایک نئے رنگ سے آشنا کیا۔ ان کا مشہور ناول ''فسانۂ آزاد'' اردو ناول کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ سرشار نے اپنے عہد کی لکھنوی زندگی،

تہذیب، معاشرت اور رسم و رواج کو بڑی وسعت کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے ناول میں داستانی روایت کے بعض اثرات ضرور موجود ہیں، لیکن ان کی تخلیقی اہمیت اس حقیقت میں ہے کہ انہوں نے ایک مخصوص تہذیبی معاشرے کی رنگارنگ زندگی کو اپنے فن کا حصہ بنایا۔ ان کے کردار، زبان اور ماحول اپنے عہد کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی زمانے میں عبدالحلیم شرر نے اردو ناول کو تاریخی اور تہذیبی شعور سے وابستہ کیا۔ انہوں نے اپنی تخلیقات میں ماضی کے مختلف ادوار اور اسلامی تہذیب کی عظمت کو پیش کیا۔ شرر کے تاریخی ناولوں نے اردو ادب میں ماضی کے مطالعے اور تاریخی واقعات کی ادبی تشکیل کی روایت کو مضبوط کیا۔ ان کے یہاں تاریخ کا مقصد صرف واقعات کو بیان کرنا نہیں بلکہ تہذیبی شعور اور قومی احساس کو بیدار کرنا بھی تھا۔ اس طرح اردو ناول کے موضوعاتی دائرے میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں مرزا محمد ہادی رسوا نے اردو ناول کو ایک اہم فنی اور فکری سمت عطا کی۔ ان کا ناول ''امراؤ جان ادا'' اردو ناول کے ارتقائی سفر میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ناول میں فرد کی زندگی، معاشرتی ماحول اور انسانی تجربات کو نسبتاً زیادہ حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ امراؤ جان کا کردار اپنے جذبات، خواہشات اور زندگی کے تجربات کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ اس تخلیق نے اردو ناول میں انسانی شخصیت اور اس کی داخلی زندگی کی اہمیت کو نمایاں کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ اردو ناول ایک نئے مرحلے میں داخل ہوا اور پریم چند نے اس صنف کو وسیع سماجی زندگی سے وابستہ کیا۔ ان کے ناولوں میں عام انسان، خصوصاً کسان، مزدور، عورت اور معاشرے کے محروم طبقات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ غربت، معاشی نابرابری، سماجی استحصال اور انسانی محرومی جیسے مسائل ان کے ناولوں میں نمایاں ہیں۔ پریم چند نے اردو ناول کو زندگی کے وسیع تر مسائل سے جوڑا اور اسے سماجی حقیقتوں کے اظہار کا ایک طاقت ور وسیلہ بنایا۔ ان کی تخلیقات کے ذریعے اردو ناول میں حقیقت نگاری کا رجحان زیادہ مضبوط ہوا۔ پریم چند کے بعد اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے اثرات نمایاں ہوئے۔ اس تحریک نے اردو ناول کے موضوعات اور فکری رجحانات کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ ادب کو انسانی زندگی اور معاشرتی مسائل سے وابستہ کرتے ہوئے طبقاتی نابرابری، استحصال، سیاسی شعور اور انسانی آزادی جیسے مسائل کو اہمیت دی گئی۔ اس دور کے ناول نگاروں نے اپنے عہد کے سماجی تضادات کو مختلف انداز میں پیش کیا۔ کرشن چندر، عصمت چغتائی، سجاد ظہیر اور دیگر ادیبوں نے اردو ناول کو نئے موضوعات اور نئے فکری زاویوں سے روشناس کرایا۔ عورت کی زندگی، معاشرتی جبر، طبقاتی کشمکش اور انسانی آزادی جیسے مسائل اس دور میں ناول کے اہم موضوعات بن گئے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ہند کے سانحے نے اردو ناول کے ارتقائی سفر کو ایک نئی سمت دی۔ تقسیم، ہجرت، قتل و غارت، تہذیبی انتشار اور انسانی رشتوں کی شکست وریخت نے برصغیر کے انسان کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ اس المیے نے اردو ناول نگاروں کو نئے تجربات اور موضوعات فراہم کیے۔ تقسیم کے بعد کے ناول میں انسان کی بے وطنی، شناخت کا بحران، ماضی کی یاد اور نئے ماحول میں زندگی کی کشمکش نمایاں طور پر سامنے آئی۔

تقسیم کے بعد اردو ناول کے موضوعات میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ فرد اور تاریخ کے تعلق، تہذیبی شناخت اور انسانی وجود کے مسائل کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا۔ قرۃ العین حیدر نے تاریخ اور تہذیب کے وسیع تناظر میں انسانی زندگی کا مطالعہ کیا، جبکہ انتظار حسین نے داستان، اساطیر اور تاریخی حافظے کو جدید زندگی کے مسائل سے مربوط کیا۔ عبداللہ حسین، خدیجہ مستور، ممتاز مفتی اور دیگر ناول نگاروں نے اپنے مخصوص تجربات اور اسلوب کے ذریعے اردو ناول کے دائرۂ اظہار کو وسعت دی۔ اس دور کے بعد اردو ناول میں صرف بڑے تاریخی واقعات ہی نہیں بلکہ فرد کی داخلی دنیا بھی اہم موضوع بن گئی۔ جدید انسان کی تنہائی، بے یقینی، خوف اور شناخت کی تلاش جیسے مسائل ناول نگاری میں نمایاں ہونے لگے۔ انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لیے ناول نگاروں نے نئے اسلوب اور اظہار کے مختلف طریقے اختیار کیے۔ ماضی اور حال کے باہمی تعلق کو بھی نئے زاویوں سے دیکھا گیا اور تاریخی شعور کو جدید انسان کے تجربات سے وابستہ کیا گیا۔

بیسویں صدی کے آخری عشروں اور اکیسویں صدی کے آغاز میں اردو ناول نے مزید متنوع صورت اختیار کی۔ بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات نے ناول کے موضوعاتی دائرے کو وسیع کر دیا۔ بے روزگاری، معاشی عدم مساوات، مذہبی کشمکش، انسانی حقوق، ذات پات، عورت کی شناخت اور شہری زندگی کے مسائل ناول کے اہم موضوعات بننے لگے۔ اس عہد میں علاقائی زندگی اور مخصوص جغرافیائی و تہذیبی تجربات کو بھی خاص اہمیت حاصل ہوئی۔

معاصر اردو ناول نگاری میں عبدالصمد، غضنفر، مشرف عالم ذوقی، پیغام آفاقی، شمس الرحمن فاروقی، شموئل احمد اور دوسرے ناول نگاروں نے اپنے اپنے انداز میں اس صنف کو نئی جہتیں عطا کیں۔ عبدالصمد کے یہاں تاریخ اور عصری زندگی کے مسائل باہم مربوط نظر آتے ہیں، جبکہ غضنفر نے سماجی نابرابری اور محروم طبقات کے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ مشرف عالم ذوقی نے جدید ٹیکنالوجی، ذرائع ابلاغ اور بدلتی ہوئی تہذیبی صورتِ حال سے پیدا ہونے والے مسائل کو اپنی تخلیقات میں جگہ دی۔ شمس الرحمن فاروقی نے تاریخی اور تہذیبی شعور کو ایک نئے فنی انداز کے ساتھ ناول میں پیش کیا۔ ان کے ہاں ماضی محض گزرے ہوئے زمانے کی یاد نہیں بلکہ ایک زندہ تہذیبی تجربہ بن کر سامنے آتا ہے۔ دوسری طرف پیغام آفاقی نے انسانی آزادی،

سماجی جبر اور اقتدار سے وابستہ مسائل کو اپنے ناولوں میں اہمیت دی۔ ان کے ناولوں میں فرد اور سماجی نظام کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ معاصر اردو ناول میں خواتین ناول نگاروں کی شرکت نے بھی اس صنف کو نئے تجربات اور نئے موضوعات سے مالا مال کیا۔ عورت کی شناخت، اس کی سماجی حیثیت، گھریلو زندگی، انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں اور معاشرتی دباؤ جیسے مسائل کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔ اسی طرح کشمیر اور دوسرے علاقوں کی مخصوص تہذیبی اور تاریخی صورتِ حال بھی اردو ناول کا حصہ بنی، جس سے اس صنف کے جغرافیائی اور تہذیبی دائرے میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔

اکیسویں صدی میں اردو ناول ایک ایسے دور میں داخل ہو چکا ہے جہاں انسانی زندگی کے مسائل پہلے کے مقابلے میں زیادہ پیچیدہ اور متنوع ہو گئے ہیں۔ گلوبلائزیشن، جدید ٹیکنالوجی، ذرائع ابلاغ، سیاسی تبدیلیوں اور معاشی نظام نے فرد اور معاشرے کے تعلق کو نئی صورت دی ہے۔ اس تبدیلی کا اثر اردو ناول پر بھی پڑا ہے اور ناول نگار نے نئے عہد کے مسائل کو اپنے مخصوص تجربات اور فنی شعور کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اردو ناول کا ارتقائی سفر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ صنف اپنے عہد کے ساتھ مسلسل تبدیلی اور ترقی کے عمل سے گزرتی رہی ہے۔ اصلاحی رجحان سے آغاز کرتے ہوئے یہ معاشرتی حقیقت نگاری، تاریخی شعور، ترقی پسند فکر، تقسیم کے انسانی المیے اور جدید انسان کے پیچیدہ مسائل تک پہنچا ہے۔ ہر عہد نے اردو ناول کو نئے موضوعات، نئے تجربات اور زندگی کو دیکھنے کے نئے زاویے عطا کیے ہیں۔ یوں اردو ناول کی تاریخ دراصل انسانی زندگی اور برصغیر کی بدلتی ہوئی تہذیبی، سماجی اور سیاسی صورتِ حال کی تاریخ بھی ہے۔ اس کا سفر داستانی روایت سے شروع ہو کر جدید اور معاصر زندگی کے پیچیدہ تجربات تک پہنچتا ہے۔ یہی مسلسل ارتقا اردو ناول کی قوت اور زندگی کی علامت ہے اور اسی صلاحیت کی وجہ سے یہ صنف آج بھی اپنے عہد کے انسان اور معاشرے کی ترجمانی میں ایک اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

2.3 سرگرمی (آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ناول کے فن اور آغاز و ارتقاء کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے حصہ 2.8 سے رجوع کریں۔

1۔ اردو کا پہلا ناول _____ ہے۔

2۔ تاریخی ناول نگار کے نام سے _____ جانا جاتا ہے۔

3۔ناول امراو جان ادا _____ نے خلق کیا ہے۔

4۔خوجی _____ ناول کا ہم کردار ہے۔

5۔ابن الوقت _____ کا ناول ہے۔

2.4 عمومی جائزہ

اردو ناول اردو ادب کی جدید نثری اصناف میں ایک اہم اور وسیع صنف کی حیثیت رکھتا ہے۔اس صنف نے انسانی زندگی کو اس کی مختلف جہتوں، معاشرتی حالات، تہذیبی اقدار، سیاسی تبدیلیوں، معاشی مسائل، جذباتی کیفیات اور نفسیاتی پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اردو ناول کی ابتدا انیسویں صدی میں ایسے دور میں ہوئی جب برصغیر کا معاشرہ سیاسی، سماجی، تعلیمی اور تہذیبی سطح پر بڑی تبدیلیوں سے گزر رہا تھا۔ جدید تعلیم کے فروغ، مغربی ادب کے اثرات، طباعت و اشاعت کی ترقی، اخبارات و رسائل کی مقبولیت اور اصلاحی تحریکوں نے اردو نثر کے مزاج کو تبدیل کیا اور ناول کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا۔

اردو ناول سے قبل اردو نثر میں داستان، قصہ اور حکایت کی روایت بہت مضبوط تھی۔ داستانوں میں مہم جوئی، طلسم، جادو، عجائبات، غیر معمولی واقعات اور خیالی کرداروں کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ تاہم جدید معاشرتی زندگی کے تقاضوں نے ایک ایسی ادبی صنف کی ضرورت پیدا کی جس میں حقیقی زندگی، عام انسان اور اس کے روزمرہ مسائل کو موضوع بنایا جا سکے۔ ناول نے اس ضرورت کو پورا کیا اور رفتہ رفتہ داستان سے مختلف اپنی مستقل شناخت قائم کی۔ ناول میں واقعات کے ساتھ ساتھ کرداروں کی داخلی کیفیات، معاشرتی تعلقات، ماحول اور زندگی کے حقیقی مسائل کو بھی اہمیت حاصل ہوئی۔اردو ناول کے ابتدائی دور میں **ڈپٹی نذیر احمد** کی خدمات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے ناول کو معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنایا۔ان کے ناول **مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانۂ مبتلا** اور **ابن الوقت** اردو ناول کی ابتدائی روایت کے اہم نمونے ہیں۔ان کی ناول نگاری میں گھریلو زندگی، عورتوں کی تعلیم، اخلاقی تربیت، تہذیبی اقدار اور معاشرتی برائیوں کی اصلاح کا جذبہ نمایاں ہے۔

اس کے بعد **رتن ناتھ سرشار** نے اردو ناول کو ایک نیا مزاج عطا کیا۔ان کے ناول **فسانۂ آزاد** میں لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، زبان، رہن سہن اور مختلف طبقوں کی زندگی کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ سرشار کی کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور مزاحیہ

اسلوب نے اردو ناول کے فنی امکانات کو وسیع کیا۔ **مرزا ہادی رسوا** نے امراؤ جان ادا کے ذریعے اردو ناول میں عورت کی زندگی، معاشرتی حقیقت، انسانی جذبات اور نفسیاتی پہلوؤں کو نمایاں کیا اور لکھنؤ کی تہذیبی زندگی کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا۔

بیسویں صدی میں اردو ناول نے مزید ترقی کی اور اس میں حقیقت نگاری کا رجحان مضبوط ہوا۔ **پریم چند** نے کسانوں، مزدوروں، غریبوں اور سماج کے محروم طبقات کی زندگی کو ناول اور افسانے کا موضوع بنایا۔ ان کی تحریروں میں سماجی ناہمواری، غربت، استحصال، طبقاتی فرق اور انسانی مسائل کی حقیقت پسندانہ عکاسی ملتی ہے۔ اس دور میں اردو ناول محض اخلاقی اصلاح یا تفریح تک محدود نہیں رہا بلکہ معاشرے کے بنیادی مسائل پر غور و فکر کرنے والی صنف بن گیا۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات کے تحت اردو ناول میں سماجی اور معاشی مسائل، طبقاتی کشمکش، استحصال، غربت اور سیاسی شعور کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ بعد کے دور میں ناول نگاروں نے تاریخی شعور، تقسیمِ ہند، ہجرت، تہذیبی زوال، سیاسی انتشار اور انسانی رشتوں کے بحران جیسے موضوعات کو بھی پیش کیا۔ **قرۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، شوکت صدیقی، خدیجہ مستور، بانو قدسیہ، قاضی عبدالستار** اور دیگر ناول نگاروں نے اردو ناول کے موضوعاتی اور فنی دائرے کو مزید وسیع کیا۔ جدید اور معاصر اردو ناول میں انسانی زندگی کے باطن، نفسیاتی کشمکش، وجودی مسائل، شہری زندگی، تنہائی، شناخت کے بحران، عورت کے مسائل، سیاسی حالات، حاشیائی طبقات اور تہذیبی تبدیلیوں کو اہمیت حاصل ہوئی۔ جدید ناول نگاروں نے بیانیہ تکنیک، علامت، استعارہ، شعور کی رو، فلیش بیک، داخلی خود کلامی اور مختلف تجرباتی اسالیب کو استعمال کر کے ناول کے فنی امکانات میں اضافہ کیا۔

مختصراً، اردو ناول کا ارتقائی سفر **داستانی روایت سے حقیقت نگاری، اصلاحی ادب سے سماجی شعور اور روایتی بیانیے سے جدید و تجرباتی اسلوب** تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سفر میں اردو ناول نے اپنے عہد کی زندگی، معاشرت، تہذیب، سیاست اور انسانی نفسیات کی عکاسی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ناول نہ صرف ایک اہم ادبی صنف ہے بلکہ برصغیر کی بدلتی ہوئی زندگی اور اجتماعی شعور کو سمجھنے کا ایک مؤثر وسیلہ بھی ہے۔

2.5 فرہنگ

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
ارتقائی سفر	ترقی اور تبدیلی کے مختلف مراحل سے گزرنے کا عمل

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
ظہور	ظاہر ہونا، وجود میں آنا
پس منظر	کسی واقعے یا موضوع کے پیچھے موجود حالات
قصہ گوئی	قصہ یا کہانی بیان کرنے کا فن
داستان	طویل قصہ جس میں حیرت انگیز اور خیالی واقعات بیان کیے جائیں
مافوق الفطرت	قدرتی قوانین سے بالاتر، غیر معمولی
غیر معمولی	عام حالات سے ہٹ کر، انوکھا
تخیل	ذہن میں نئی چیزوں یا تصورات کو پیدا کرنے کی صلاحیت
رنگا رنگ	مختلف اور متنوع
حقیقت پسندانہ	حقیقت پر مبنی، زندگی کو اصل صورت میں پیش کرنے والا
شناخت	پہچان، مخصوص حیثیت
سیاسی حالات	حکومت، اقتدار اور سیاست سے متعلق حالات
تہذیبی حالات	معاشرے کے رسم و رواج، اقدار اور طرزِ زندگی سے متعلق حالات
جدید علوم	نئے زمانے کے سائنسی اور علمی مضامین
اظہار	خیالات یا جذبات کو بیان کرنا
ابتدائی دور	کسی چیز کے آغاز کا زمانہ
بنیاد گزار	کسی کام یا روایت کی بنیاد رکھنے والا
متوسط طبقہ	معاشرے کا درمیانی معاشی طبقہ
معاشرتی اصلاح	معاشرے کی خرابیوں کو دور کر کے بہتری پیدا کرنا
اخلاقی تربیت	اچھے اخلاق اور کردار کی تعلیم دینا

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
معاشرتی ذمہ داریاں	معاشرے اور خاندان کے حوالے سے انسان کے فرائض
خدوخال	بنیادی خصوصیات یا ابتدائی شکل
تہذیب	معاشرے کا رہن سہن، اقدار، آداب اور طرزِ زندگی
رسم ورواج	معاشرے میں رائج روایتی طریقے اور عادات
داستانی روایت	داستانیں لکھنے اور سنانے کی قدیم روایت
تخلیقی اہمیت	کسی تخلیق کی ادبی اور فنکارانہ قدر و قیمت
تاریخی شعور	تاریخ اور ماضی کے واقعات کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت
تہذیبی شعور	اپنی تہذیب، اقدار اور ثقافتی ورثے کا احساس
قومی احساس	قوم اور قومی وابستگی کا جذبہ
ادبی تشکیل	کسی واقعے یا تجربے کو ادبی انداز میں پیش کرنا
سنگِ میل	ترقی کے سفر میں اہم مرحلہ
داخلی زندگی	انسان کی اندرونی دنیا، احساسات اور جذبات
انسانی تجربات	زندگی میں انسان کو پیش آنے والے حالات اور واقعات
حقیقت نگاری	زندگی اور معاشرے کو حقیقت کے قریب رہتے ہوئے پیش کرنا
محروم طبقات	معاشرے کے وہ طبقے جو بنیادی حقوق یا وسائل سے محروم ہوں
معاشی نابرابری	دولت اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم
سماجی استحصال	کسی فرد یا طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھانا
انسانی محرومی	بنیادی ضروریات، حقوق یا مواقع سے محروم ہونا
ترقی پسند تحریک	ایسا ادبی و فکری رجحان جو سماجی انصاف اور انسانی مساوات پر زور دیتا ہے

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
طبقاتی نابرابری	مختلف معاشرتی طبقات کے درمیان عدم مساوات
سیاسی شعور	سیاسی حالات اور حقوق و فرائض سے آگاہی
انسانی آزادی	انسان کو آزادی اور بنیادی حقوق حاصل ہونا
سماجی جبر	معاشرے یا طاقتور طبقے کی طرف سے کسی پر دباؤ ڈالنا
تقسیمِ ہند	1947ء میں برصغیر کی تقسیم کا تاریخی واقعہ
ہجرت	ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا
قتل و غارت	بڑے پیمانے پر قتل اور تباہی
تہذیبی انتشار	تہذیبی اقدار اور روایات کا بکھراؤ
بے وطنی	اپنے وطن سے دوری کی حالت
شناخت کا بحران	اپنی ذات، قوم یا تہذیبی پہچان کے بارے میں بے یقینی
فرد اور تاریخ	انسان اور تاریخی حالات کے باہمی تعلق کا تصور
تہذیبی شناخت	اپنی تہذیب اور ثقافتی وابستگی کی پہچان
داستان	روایتی طرز کی طویل قصہ گوئی
اساطیر	قدیم مذہبی، دیومالائی یا روایتی قصے
تاریخی حافظہ	ماضی کے واقعات اور تجربات کی اجتماعی یاد
وجودی مسائل	انسان کے وجود، زندگی کے مقصد اور معنی سے متعلق مسائل
داخلی دنیا	انسان کے احساسات، خیالات اور جذبات کی دنیا
نفسیاتی پیچیدگیاں	انسانی ذہن اور جذبات کی مشکل اور گہری کیفیات
فنی تجربات	ادب میں نئے اسلوب اور تکنیکوں کو آزمانا

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
بیانیہ	واقعات یا کہانی بیان کرنے کا طریقہ
شعور کی رو	ذہن میں آنے والے خیالات اور احساسات کو مسلسل بیان کرنے کی تکنیک
فلیش بیک	ماضی کے واقعات کو حال کے بیانیے میں واپس لا کر پیش کرنا
داخلی خود کلامی	کردار کے اندرونی خیالات اور جذبات کو براہِ راست بیان کرنا
علامت	کسی خیال یا کیفیت کو کسی نشان یا کردار کے ذریعے ظاہر کرنا
استعارہ	کسی چیز کو دوسری چیز کے مشابہ قرار دے کر مجازی معنی میں استعمال کرنا
موضوعاتی دائرہ	کسی صنف میں زیرِ بحث آنے والے موضوعات کی وسعت
معاشی عدم مساوات	دولت اور معاشی وسائل کی غیر مساوی تقسیم
مذہبی کشمکش	مذہبی نظریات یا عقائد کے درمیان اختلاف اور ٹکراؤ
انسانی حقوق	انسان کے بنیادی اور فطری حقوق
ذات پات	معاشرے میں پیدائش کی بنیاد پر قائم سماجی تقسیم
علاقائی زندگی	کسی مخصوص علاقے کے لوگوں کی معاشرتی زندگی
جغرافیائی دائرہ	کسی علاقے یا مقام سے متعلق حدود اور وسعت
گلوبلائزیشن	دنیا کے مختلف معاشروں اور ممالک کا باہمی طور پر زیادہ مربوط ہونا
ذرائع ابلاغ	معلومات اور خبریں پہنچانے کے ذرائع، مثلاً اخبارات، ٹی وی اور انٹرنیٹ
تہذیبی صورتِ حال	کسی معاشرے کی موجودہ ثقافتی اور تہذیبی کیفیت
عصری زندگی	موجودہ زمانے کی زندگی
معاصر	موجودہ یا موجودہ زمانے سے تعلق رکھنے والا

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
جدید ٹیکنالوجی	نئے دور کی سائنسی اور تکنیکی سہولیات
اقتدار	حکومت یا حکمرانی کی طاقت
حاشیائی طبقات	معاشرے کے وہ گروہ جو مرکزی سماجی دھارے سے باہر یا کمزور حیثیت میں ہوں

2.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1۔ناول کے فن پر اظہار خیال کیجئے؟

2۔اردو ناول کے ارتقائی سفر میں مولوی نذیر احمد کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

3۔رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

2.7 مشقی سوالات

1۔اردو ناول کے آغاز کے لیے داستانی روایت کو اہم کیوں سمجھا جاتا ہے؟

2۔ مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ ''فسانۂ آزاد'' کی اردو ناول کی تاریخ میں کیا اہمیت ہے؟

2.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ مراۃ العروس

2۔ عبدالحلیم شرر

3۔ مرزا ہادی رسوا

4۔ فسانۂ آزاد

5۔ ڈپٹی نذیر احمد

۱۔ اردو ناول کے آغاز کے لیے داستانی روایت کو اہم کیوں سمجھا جاتا ہے؟

اردو ناول کے ظہور سے پہلے اردو میں داستان اور قصہ گوئی کی ایک مضبوط روایت موجود تھی۔ داستان نے اردو نثر کو قصہ بیان کرنے، کرداروں کی تشکیل اور واقعات کو مربوط انداز میں پیش کرنے کی روایت فراہم کی۔ اگرچہ جدید ناول نے داستانی ادب سے مختلف راستہ اختیار کیا، تاہم اس کے ارتقائی پس منظر میں داستانی روایت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

مولوی نذیر احمد نے اردو ناول کو معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت سے وابستہ کیا۔ ان کے ناولوں میں تعلیم، عورتوں کی تربیت، گھریلو زندگی، اخلاقی اقدار اور مسلم متوسط طبقے کے مسائل نمایاں ہیں۔ انہوں نے اردو نثر کو معاشرتی زندگی کے قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

۳۔ ''فسانۂ آزاد'' کی اردو ناول کی تاریخ میں کیا اہمیت ہے؟

''فسانۂ آزاد'' رتن ناتھ سرشار کا اہم ناول ہے جس میں لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، زبان، محاورے، رسوم و رواج اور رہن سہن کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اس کی اہمیت خاص طور پر اس کی جاندار کردار نگاری، منظر نگاری اور جزئیات نگاری میں ہے۔

2.9 امدادی کتب

۱۔ اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی

۲۔ اُردو فکشن، آل احمد سرور

۳۔ ناول کا فن۔ ای ایم فارسٹر۔ ترجمہ ابوالکلام قاسمی

۴۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول۔ ڈاکٹر یوسف سرمست

۵۔ داستان سے افسانے تک۔ وقار اعظیم

۶۔ اُردو ناول کی تاریخ و تنقید۔ علی عباس حسینی

۷۔ ادبی تخلیق اور ناول۔ احسن فاروقی

۸۔ اُردو ناول بیسویں صدی میں۔ عبدالسلام

۹۔ ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۰۔ تفہیم و تعبیر۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

M.A Urdu **UNIT-I** **Lesson No. 3**

Course Code: URD-301 **Semester-III**

سبق نمبر ۳۔اُردو ناول کے ارتقاء میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا کی خدمات

ساخت

3.0 اغراض و مقاصد

3.1 تعارف

3.2 اُردو ناول کے ارتقاء میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا کی خدمات

3.3 سرگرمی (آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

3.4 عمومی جائزہ

3.5 فرہنگ

3.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

3.7 مشقی سوالات

3.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

3.9 امدادی کتب

3.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ناول کے ابتدائی دور اور اس دور کے اہم ناول نگاروں کی ادبی خدمات سے واقف ہوں گے۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ انیسویں صدی میں اردو ناول نے داستان کی روایت سے الگ ہو کر کس طرح جدید نثری صنف کی حیثیت اختیار کی۔ آپ مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا کی ناول نگاری کے نمایاں پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے اور اردو ناول کے فروغ میں ان کے انفرادی کردار کو سمجھ سکیں گے۔

آپ مولوی نذیر احمد کی اصلاحی، اخلاقی اور معاشرتی ناول نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے اہم ناولوں، خصوصاً **مراۃ العروس، توبۃ النصوح اور ابن الوقت** کے موضوعات اور فنی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ نذیر احمد نے عورتوں کی تعلیم، خاندانی تربیت، اخلاقی اقدار اور معاشرتی اصلاح جیسے موضوعات کو ناول کا حصہ بنا کر اردو فکشن کو روزمرہ زندگی کے قریب لانے میں کس طرح اہم کردار ادا کیا۔ آپ رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری کے ذریعے لکھنوی تہذیب و معاشرت، زبان و بیان، کردار نگاری، طنز و مزاح اور قصہ گوئی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔ آپ **فسانۂ آزاد** کی ادبی اہمیت کو سمجھتے ہوئے یہ جان سکیں گے کہ سرشار نے داستانی رنگ اور جدید معاشرتی مشاہدے کو کس طرح یکجا کیا اور اردو ناول کو اپنے عہد کی تہذیبی و معاشرتی زندگی کا آئینہ بنایا۔ آپ عبدالحلیم شرر کی تاریخی ناول نگاری کا مطالعہ کرتے ہوئے تاریخی شعور، تہذیبی احساس اور قومی جذبے کی اہمیت کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ شرر نے تاریخی واقعات اور ماضی کی تہذیبی زندگی کو فنی انداز میں پیش کر کے اردو ناول کے موضوعاتی دائرے کو کس طرح وسعت دی اور تاریخی ناول نگاری کو اردو ادب میں ایک مستحکم روایت بنانے میں کیا کردار ادا کیا۔ آپ مرزا ہادی رسوا کی ناول نگاری کے مطالعے کے ذریعے **امراؤ جان ادا، شریف زادہ، ذات شریف، اختری بیگم اور افشائے راز** جیسی تخلیقات سے واقف ہوں گے اور ان کے فنی و فکری پہلوؤں کا جائزہ لے سکیں گے۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ رسوا نے کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، معاشرتی حقیقت نگاری اور انسانی نفسیات کو ناول میں کس طرح پیش کیا۔ اس کے ساتھ آپ رسوا کی ناول نگاری کی فنی خوبیوں اور بعض کمزوریوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے قابل بھی ہوں گے۔

اس سبق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ ان چاروں اہم ناول نگاروں کے ادبی کارناموں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے اردو ناول کے ابتدائی ارتقائی مراحل کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور یہ جان سکیں کہ کس طرح **اصلاحی ناول، معاشرتی ناول، تاریخی ناول اور حقیقت پسندانہ ناول** کی مختلف صورتوں نے اردو ناول کی ترقی کی بنیاد مضبوط کی۔

3.1 تعارف

اردو ناول کی تاریخ میں انیسویں صدی ایک نہایت اہم دور ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اردو نثر داستان اور قصہ گوئی کی قدیم روایت سے آگے بڑھ کر جدید ادبی اصناف کی طرف متوجہ ہوئی اور ناول نے بتدریج ایک مستقل اور مؤثر صنف کی صورت اختیار کی۔ اردو ناول کے اس ابتدائی ارتقائی دور میں **مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا** نے اپنی منفرد تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے اس صنف کو مختلف فکری اور فنی جہتوں سے روشناس کرایا۔ ان چاروں ناول نگاروں کے یہاں موضوع، اسلوب، مقصد اور فنی طریقۂ اظہار میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے، لیکن سب نے اردو ناول کی تشکیل اور ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔

مولوی نذیر احمد نے اردو ناول کو **اصلاح، اخلاق اور معاشرتی شعور** سے وابستہ کیا۔ انہوں نے داستانی دنیا کے غیر معمولی اور مافوق الفطرت کرداروں کے بجائے عام انسانی زندگی، گھر، خاندان، عورت، بچوں اور روزمرہ معاشرت کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ ان کے ناولوں میں تعلیم و تربیت، عورتوں کی اصلاح، خاندانی نظام، مذہبی شعور اور اخلاقی اقدار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ **مراۃ العروس** میں عورت کی تعلیم اور گھریلو تربیت، **توبۃ النصوح** میں اصلاحِ خاندان اور **ابن الوقت** میں مشرقی و مغربی تہذیب کے باہمی تعلق جیسے موضوعات کے ذریعے نذیر احمد نے اردو ناول کو اپنے عہد کی حقیقی زندگی سے جوڑ دیا۔ ان کی سادہ، رواں اور عام فہم زبان نے بھی اردو نثر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

رتن ناتھ سرشار نے اردو ناول کو **معاشرتی اور تہذیبی رنگ** عطا کیا۔ ان کی سب سے اہم تصنیف **فسانۂ آزاد** ہے، جس میں انیسویں صدی کے لکھنؤ کی زندگی، تہذیب، زبان، رسم و رواج، محفلوں، بازاروں اور مختلف طبقوں کی زندگی کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ سرشار کے یہاں داستانی قصہ گوئی کی رنگینی کے ساتھ ساتھ معاشرتی مشاہدہ بھی موجود ہے۔ ان کے کردار جاندار اور متحرک ہیں اور ان کی زبان میں لکھنوی محاورے، برجستگی، طنز و مزاح اور روزمرہ زندگی کی جھلک نمایاں ہے۔ اس طرح سرشار نے اردو ناول کو ایک زندہ معاشرتی اور تہذیبی دستاویز کی صورت دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

عبدالحلیم شرر نے اردو ناول کو **تاریخی اور تہذیبی شعور** سے وابستہ کیا۔ انہوں نے تاریخ کے مختلف ادوار، خصوصاً اسلامی تاریخ اور تہذیب کے اہم واقعات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ ان کے تاریخی ناولوں میں ماضی کی عظمت، بہادری، تہذیبی اقدار اور قومی احساس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ **ملک العزیز ورجینا** اور دیگر تاریخی تصانیف کے ذریعے شرر نے اردو ناول میں تاریخی موضوعات کے امکانات کو وسیع کیا۔ ان کی تحریروں میں تاریخ محض ماضی کے واقعات کا بیان نہیں بلکہ تہذیبی شعور اور قومی خود اعتمادی پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔ **گذشتہ لکھنؤ** میں انہوں نے لکھنؤ کی تاریخ، تہذیب اور معاشرت کو بھی نہایت مؤثر انداز میں محفوظ کیا۔

مرزا ہادی رسوا نے اردو ناول کو **فنی پختگی، حقیقت نگاری، کردار نگاری اور نفسیاتی شعور** عطا کیا۔ ان کا شاہکار **امراؤ جان ادا** اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ اس ناول میں لکھنؤ کی زوال پذیر تہذیب، طوائفوں کی زندگی، انسانی جذبات، معاشرتی تضادات اور فرد کے تجربات کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ رسوا نے کرداروں کو محض اچھائی یا برائی کی علامت بنانے کے بجائے حقیقی انسانی کرداروں کے طور پر پیش کیا، جن میں خوبیاں بھی ہیں اور کمزوریاں بھی۔ ان کی کردار نگاری اور مکالمہ نگاری نے اردو ناول کو فنی اعتبار سے ایک نئی بلندی عطا کی۔

ان چاروں ناول نگاروں کے فن کا جائزہ لینے سے اردو ناول کے ابتدائی ارتقائی مراحل کی مختلف جہتیں واضح ہوتی ہیں۔ **نذیر احمد نے اصلاح اور اخلاق، سرشار نے معاشرت اور تہذیب، شرر نے تاریخ اور قومی شعور، جبکہ رسوا نے حقیقت نگاری، کردار نگاری اور انسانی نفسیات** کو اردو ناول کے دائرۂ اظہار میں نمایاں مقام عطا کیا۔ ان کی انفرادی کاوشوں نے مل کر اردو ناول کی ابتدائی بنیادوں کو مضبوط کیا اور آنے والے ناول نگاروں کے لیے نئے راستے ہموار کیے۔

اس طرح یہ سبق آپ کو اردو ناول کی تشکیل کے ایک ایسے اہم مرحلے سے روشناس کراتا ہے جس میں یہ صنف مختلف تجربات سے گزرتے ہوئے اپنی شناخت قائم کر رہی تھی۔ ان چاروں ناول نگاروں کی خدمات کا مطالعہ کرنے سے آپ نہ صرف اردو ناول کی ابتدائی تاریخ کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے بلکہ یہ بھی جان سکیں گے کہ مختلف ادیبوں نے اپنے اپنے فکری اور فنی رجحانات کے ذریعے اردو ناول کو کس طرح ایک وسیع، مؤثر اور ہمہ گیر ادبی صنف بنانے میں حصہ لیا۔

3.2 اُردو ناول کے ارتقاء میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا کی خدمات

اردو ادب کی تاریخ میں انیسویں صدی کا دور نثر اور خصوصاً ناول نگاری کے ارتقا کے اعتبار سے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں اردو ادب داستان کی قدیم روایت سے نکل کر جدید ناول کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار اور مرزا

ہادی رسوا جیسے ادیبوں نے اردو ناول کو نئی سمت عطا کی۔ اردو ناول کی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ڈپٹی نذیر احمد کا نام نہایت اہمیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ وہ اردو کے ابتدائی ناول نگاروں میں شمار ہونے کے ساتھ ساتھ ان نثر نگاروں میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں جنہوں نے اردو نثر کو سادگی، شائستگی، استدلال، اخلاقی فکر اور معاشرتی شعور سے آشنا کیا۔ ان کی ادبی شخصیت صرف ایک افسانہ نگار یا ناول نگار کی نہیں بلکہ ایک معلم، مصلح اور صاحبِ فکر ادیب کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ ان کی بیشتر تحریروں میں اصلاحِ معاشرہ، تعلیم و تربیت، اخلاقی اقدار، مذہبی شعور، خاندانی زندگی اور تہذیبی روایات جیسے موضوعات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ادب محض تفریح یا قصہ گوئی کا وسیلہ نہیں بلکہ انسانی کردار کی تعمیر اور معاشرتی برائیوں کی اصلاح کا مؤثر ذریعہ بھی تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد 1836ء میں بجنور، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی سعد اللہ ایک مذہبی اور علمی شخصیت تھے، اس لیے نذیر احمد کی ابتدائی تربیت ایک دینی اور روایتی ماحول میں ہوئی۔ بعد میں انہوں نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی جہاں انہیں مشرقی علوم کے ساتھ جدید علوم سے بھی واقفیت حاصل ہوئی۔ عربی، فارسی، انگریزی، ریاضی اور منطق جیسے مضامین نے ان کی علمی اور فکری شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ عملی زندگی میں انہوں نے محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہو کر خدمات انجام دیں اور بعد ازاں ڈپٹی کلکٹر کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔ اسی عہدے کی نسبت سے ان کے نام کے ساتھ ''ڈپٹی'' کا لفظ مشہور ہوا۔ ان کی شخصیت کی تشکیل میں ایک طرف دینی اور مشرقی علمی روایت کا اثر تھا تو دوسری طرف جدید انگریزی تعلیم اور مغربی افکار سے پیدا ہونے والی آگاہی بھی موجود تھی۔ یہی دونوں رجحانات بعد میں ان کی نثر اور ناول نگاری میں بھی نمایاں ہوئے۔

اردو میں ناول کی ابتدائی روایت کا ذکر کرتے ہوئے نذیر احمد کو مرکزی حیثیت دینا ضروری ہے۔ ان سے قبل اردو ادب میں داستان گوئی کی ایک طویل اور مضبوط روایت موجود تھی۔ داستانِ امیر حمزہ اور طلسمِ ہوش رُبا جیسی داستانوں میں تخیل، مافوق الفطرت واقعات، جادو، دیو، پریاں اور حیرت انگیز کردار بنیادی عناصر تھے۔ نذیر احمد نے اردو نثر کو اس تخیلاتی اور داستانوی فضا سے نکال کر روزمرہ زندگی اور حقیقی معاشرتی مسائل سے قریب کیا۔ ان کے یہاں غیر معمولی شہزادوں اور طلسماتی دنیا کے بجائے عام انسان، گھر، خاندان، عورتیں، بچے، والدین، شوہر اور بیوی جیسے کردار اور رشتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اردو ادب میں حقیقت پسندانہ اور اصلاحی نثر کی ایک نئی روایت کو فروغ دیا۔

نذیر احمد کی معروف تصانیف میں مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ایامِ ماضی، فسانۂ مبتلا، رویائے صادقہ اور ابن الوقت شامل ہیں۔ ان تمام ناولوں میں موضوعات کا فرق ضرور ہے، لیکن اصلاحی فکر ان سب کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے۔ ان کے نزدیک معاشرے کی بہتری کا آغاز فرد اور خاندان کی اصلاح سے ہوتا ہے، اسی لیے ان کے ناولوں میں اخلاق، تعلیم، تربیت اور مذہبی شعور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تحریریں اپنے عہد کے معاشرتی حالات اور متوسط مسلم گھرانوں کی زندگی کی بھی عکاسی کرتی ہیں۔

ان کا سب سے معروف ناول مراۃ العروس 1869ء میں شائع ہوا اور اردو ناول کی تاریخ میں اسے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ تصنیف بنیادی طور پر گھریلو اور تعلیمی مقصد کے تحت وجود میں آئی، لیکن بعد میں اردو کے اولین باقاعدہ ناولوں میں شمار ہونے لگی۔ اس میں اکبری اور اصغری نامی دو بہنوں کے کرداروں کے ذریعے عورت کی تعلیم، تربیت، گھریلو ذمہ داری، سمجھ داری اور اخلاقی کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اکبری کی شخصیت میں کم فہمی، غیر ذمہ داری اور نامناسب عادات کے نتائج دکھائی دیتے ہیں، جبکہ اصغری عقل، تدبر، محنت اور گھریلو نظم و ضبط کی نمائندگی کرتی ہے۔ ان دونوں کرداروں کے تقابل سے نذیر احمد نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ مناسب تعلیم اور اچھی تربیت انسان کی شخصیت اور گھریلو زندگی کو کس طرح بہتر بنا سکتی ہے۔

مراۃ العروس میں عورت کی تعلیم کی حمایت ضرور کی گئی ہے، لیکن نذیر احمد کا تصورِ تعلیمِ نسواں جدید معنوں میں عورت کی مکمل آزادی یا مساوی سماجی حیثیت کا تصور نہیں پیش کرتا۔ ان کے نزدیک تعلیم یافتہ عورت بنیادی طور پر ایک بہتر بیوی، ماں اور گھر کی منتظم بن سکتی ہے۔ چنانچہ اصغری اگرچہ ذہین، باشعور اور باصلاحیت دکھائی دیتی ہے، لیکن اس کی کامیابی کا دائرہ زیادہ تر خاندان اور گھر تک محدود رہتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو نذیر احمد کی فکر میں اصلاح اور روایت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ عورت کی جہالت کو ختم کرنا چاہتے ہیں، مگر عورت کے سماجی کردار کے بارے میں ان کا تصور اپنے عہد کی روایتی حدود سے پوری طرح باہر نہیں نکلتا۔

توبۃ النصوح میں نذیر احمد نے اصلاحِ خاندان اور اخلاقی تربیت کے مسئلے کو زیادہ گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس ناول میں ایک خاندان کے ذریعے یہ دکھایا گیا ہے کہ اگر گھر کے افراد اپنے اخلاق اور کردار کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں تو اس کے اثرات پوری خاندانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ خصوصاً والدین کی ذمہ داری اور اولاد کی تربیت کو بہت اہم قرار دیا گیا ہے۔ نذیر احمد کے نزدیک معاشرے کی خرابیوں کا بنیادی علاج فرد کے کردار کی اصلاح میں موجود ہے۔ اسی لیے ان کے ناولوں میں مذہبی تعلیم، اخلاقی نصیحت اور عملی زندگی میں اچھی عادات اختیار کرنے پر بار بار زور دیا جاتا ہے۔

ابن الوقت میں نذیر احمد کا موضوع قدرے مختلف نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس ناول میں انہوں نے مشرقی اور مغربی تہذیب کے باہمی تعلق اور انگریزی تہذیب سے مرعوبیت کے مسئلے کو موضوع بنایا ہے۔ ابن الوقت ایسا کردار ہے جو مغربی طرزِ زندگی اختیار کر کے اپنے آپ کو ترقی یافتہ سمجھتا ہے، لیکن اس عمل میں اپنی تہذیبی شناخت سے دور ہوتا جاتا ہے۔ نذیر احمد اندھی تقلید کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور یہ احساس دلاتے ہیں کہ جدید علوم اور ترقی کے حصول کے ساتھ اپنی تہذیبی بنیادوں کو مکمل طور پر فراموش کرنا انسان کو اپنی شناخت سے محروم کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے ابن الوقت اس دور کی تہذیبی کشمکش کی ایک اہم ادبی نمائندگی کرتا ہے جس میں ہندوستانی معاشرہ جدید مغربی اثرات سے تیزی سے متاثر ہو رہا تھا۔

نذیر احمد کی نثر کا سب سے نمایاں وصف اس کی سادگی اور روانی ہے۔ انہوں نے ایسی زبان اختیار کی جو عام قاری کے لیے آسانی سے قابلِ فہم تھی۔ ان کی تحریروں میں روزمرہ الفاظ، محاورات، برجستہ جملوں اور مکالماتی انداز کا استعمال ملتا ہے۔ ان کے مکالمے اکثر گھریلو گفتگو سے قریب محسوس ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے کردار مصنوعی ہونے کے بجائے عام زندگی سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم ان کے اسلوب میں خطیبانہ اور نصیحت آمیز رنگ بھی نمایاں ہے۔ بعض مقامات پر مصنف خود ایک ناصح کی حیثیت سے سامنے آتا ہے اور قاری کو اخلاقی نتیجے تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی خصوصیت ایک طرف ان کی تحریر کی اثر انگیزی کا سبب بنتی ہے اور دوسری طرف بعض ناقدین کے نزدیک ان کی فنی کمزوری بھی شمار ہوتی ہے۔

نذیر احمد کی ناول نگاری کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے کردار اپنے عہد کے معاشرتی ماحول سے جڑے ہوئے ہیں۔ خصوصاً ان کے نسوانی کرداروں کے ذریعے اس زمانے کی گھریلو زندگی، عورتوں کی تعلیم، خاندان کے اندر تعلقات اور معاشرتی اقدار کی عکاسی ہوتی ہے۔ تاہم ان کرداروں میں جدید معنوں کی مکمل خود مختاری تلاش کرنا درست نہیں ہوگا۔ نذیر احمد کا ذہنی اور تہذیبی پس منظر مذہبی اور روایتی تھا، اس لیے ان کے اصلاحی تصورات بھی اسی ماحول سے تشکیل پاتے ہیں۔ وہ عورت کو تعلیم، عقل اور شعور سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن اس کی بنیادی ذمہ داری گھر اور خاندان ہی کے دائرے میں متعین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ناول نگاری میں اصلاحِ نسواں اور روایت پسندی ایک ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔

ان کی تحریروں پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ ان میں اصلاحی مقصد بعض اوقات فنی تقاضوں پر غالب آ جاتا ہے۔ کہانی کے واقعات اور کردار کئی مقامات پر مصنف کے اخلاقی پیغام کی ترسیل کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ بعض ناقدین نے ان کے اسلوب کو زیادہ وعظ آمیز، یک طرفہ اور مقصدیت سے بوجھل قرار دیا ہے۔ لیکن ان اعتراضات کے باوجود ان کی ادبی اہمیت کم نہیں ہوتی، کیونکہ انہوں نے اردو نثر اور ناول کو ایک ایسے وقت میں نئی سمت فراہم کی جب یہ صنف ابھی ابتدائی مراحل میں تھی۔ ان کی

اصل اہمیت اس بات میں ہے کہ انہوں نے اردو ناول کو حقیقی معاشرتی زندگی سے جوڑا اور اسے سماجی و اخلاقی شعور پیدا کرنے کا وسیلہ بنایا۔

نذیر احمد کی خدمات کا اثر بعد میں آنے والی اردو ناول نگاری پر بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے نثر کو سادہ، رواں اور زندگی کے قریب کیا اور یہ ثابت کیا کہ ادبی تحریر کے ذریعے معاشرتی مسائل پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ بعد کے ناول نگاروں نے اردو ناول کو مزید فنی وسعت دی اور اس میں حقیقت نگاری، کردار نگاری اور سماجی شعور کے نئے پہلو پیدا کیے، لیکن اس ارتقائی سفر کی ابتدائی بنیادوں کو سمجھنے کے لیے نذیر احمد کی خدمات بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ڈپٹی نذیر احمد اردو ناول کی تاریخ میں ایک ایسے ادیب کی حیثیت رکھتے ہیں جس نے ادب کو معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے ساتھ وابستہ کیا۔ ان کی تحریروں میں ان کے عہد کی مذہبی سوچ، تہذیبی اقدار، معاشرتی مسائل اور تعلیمی ضرورتیں ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان کے فکری تصورات میں روایت پسندی موجود ہے اور ان کی ناول نگاری بعض مقامات پر براہِ راست نصیحت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے، تاہم اردو نثر کی تشکیل اور اردو ناول کی ابتدائی بنیاد رکھنے میں ان کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے داستانی اور تخیلاتی روایت سے ہٹ کر حقیقی زندگی کو ادب کا موضوع بنایا، کرداروں کو روزمرہ معاشرے سے اخذ کیا اور نثر کو اصلاح، تعلیم اور سماجی شعور کا ذریعہ بنایا۔ اسی لیے ڈپٹی نذیر احمد کو اردو ناول کا محض ایک ابتدائی مصنف کہنا کافی نہیں؛ وہ اردو نثر اور ناول کی اس روایت کے اہم معمار ہیں جس نے بعد میں اردو ادب کو زیادہ وسیع، حقیقت پسند اور سماجی شعور سے بھرپور سمت عطا کی۔

ڈپٹی نذیر احمد کے بعد اردو ناول نگاری کو پروان چڑھانے میں پنڈت رتن ناتھ سرشار کا نام قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے اپنی ناول نگاری کے ذریعے اپنے عہد کی معاشرت، تہذیب، رسوم و رواج، رہن سہن اور مختلف طبقوں کی زندگی کو نہایت جاندار اور رنگین انداز میں پیش کیا۔ سرشار 1846ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ان کی ادبی شخصیت پر لکھنؤ کے تہذیبی ماحول کا گہرا اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں لکھنؤ کی مخصوص تہذیب، زبان، محاورہ، معاشرتی اقدار اور طرزِ زندگی نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ اردو ناول نگاری میں ان کا سب سے اہم اور مشہور کارنامہ ''فسانۂ آزاد'' ہے، جس نے انہیں اردو کے اہم ترین ابتدائی ناول نگاروں کی صف میں شامل کر دیا۔

رتن ناتھ سرشار ایسے زمانے میں ادبی میدان میں آئے جب اردو ادب میں داستان گوئی کی روایت بہت مضبوط تھی۔ داستانوں میں حیرت انگیز واقعات، مہمات، طلسم اور قصہ در قصہ کی روایت کو بڑی اہمیت حاصل تھی، جب کہ مغربی ادب کے

اثرات کے نتیجے میں حقیقت پسندانہ اور معاشرتی ناول کا تصور بھی ہندوستانی ادیبوں میں مقبول ہو رہا تھا۔ سرشار نے ان دونوں روایتوں سے استفادہ کیا۔ ان کے ہاں داستان کا قصہ پن، رنگینی، طوالت اور واقعہ آفرینی بھی موجود ہے اور جدید ناول کی طرح معاشرتی زندگی، انسانی کردار اور روزمرہ کے حالات کا مشاہدہ بھی ملتا ہے۔ اس طرح سرشار کی ناول نگاری داستان اور جدید ناول کے درمیان ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔

''فسانۂ آزاد'' ان کی سب سے اہم اور مقبول تصنیف ہے۔ یہ ناول ابتدا میں ''اودھ اخبار'' میں قسط وار شائع ہوا۔ اس میں آزاد اور خوجی جیسے یادگار کرداروں کے ذریعے لکھنؤ کی زندگی کی مختلف تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ خوجی اپنے مخصوص مزاحیہ انداز، حرکات و سکنات اور گفتگو کی وجہ سے اردو ادب کا ایک یادگار کردار بن گیا ہے۔ خوجی کے ساتھ ساتھ ناول میں مختلف طبقات اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے بے شمار کردار نظر آتے ہیں۔ امیر، غریب، علماء، پنڈت، شاعر، گویے، فن کار، فقیر، نجومی، داروغہ، بہروپیے اور بازار کے عام لوگ سب اس ناول کا حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''فسانۂ آزاد'' محض ایک فرد کی داستان نہیں رہتا بلکہ اپنے عہد کی ایک وسیع معاشرتی اور تہذیبی تصویر بن جاتا ہے۔

سرشار کی ناول نگاری کی سب سے نمایاں خصوصیت معاشرتی زندگی کی عکاسی ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور اس کے مختلف پہلوؤں کو اپنی تحریروں میں محفوظ کر دیا۔ ان کے ہاں امیروں کی زندگی کے ساتھ غریبوں اور متوسط طبقے کی زندگی بھی نظر آتی ہے۔ بازاروں کی رونق، گلیوں کی چہل پہل، محفلیں، مشاعرے، تہوار، شادی بیاہ کی تقریبات، کھانے پینے کے انداز، لباس، رسم و رواج اور روزمرہ زندگی کے بے شمار واقعات ان کے ناول میں اس طرح شامل ہیں کہ قاری کو پورا معاشرہ اپنی آنکھوں کے سامنے حرکت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ''فسانۂ آزاد'' انیسویں صدی کے لکھنؤ کی معاشرتی زندگی کا ایک اہم ادبی دستاویز بھی بن جاتا ہے۔

سرشار کے یہاں لکھنوی تہذیب کی عکاسی خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے لکھنؤ کو محض کہانی کا پس منظر نہیں بنایا بلکہ اسے اپنی تخلیق کا ایک زندہ اور متحرک حصہ بنا دیا۔ لکھنؤ کی گلیاں، بازار، محفلیں، تہوار، میلوں کی رونق، مشاعرے، موسیقی کی محفلیں، کھانے پینے کے انداز اور لوگوں کے باہمی تعلقات ان کے ہاں بڑی تفصیل سے ملتے ہیں۔ ان کی تحریر پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ قاری خود اس دور کے لکھنؤ میں موجود ہے اور وہاں کے لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ سرشار نے لکھنوی معاشرے کی خوبیوں کے ساتھ اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو بھی نمایاں کیا ہے۔

سرشار کی ناول نگاری میں بعض فنی کمزوریاں بھی موجود ہیں۔ خصوصاً ''فسانۂ آزاد'' میں قصہ در قصہ کی تکنیک اور ضمنی واقعات کی کثرت کے باعث بعض مقامات پر مرکزی کہانی منتشر محسوس ہوتی ہے۔ ناول کی طوالت بھی بعض اوقات قاری کے لیے دشواری پیدا کرتی ہے۔ چونکہ یہ ناول قسط وار شائع ہوا تھا، اس لیے اس میں ایسے بہت سے واقعات اور کردار شامل ہو گئے جو مرکزی کہانی سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن یہی تفصیل اور طوالت دوسری طرف اس ناول کی تہذیبی اور معاشرتی اہمیت میں اضافہ بھی کرتی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے سرشار نے اپنے زمانے کی زندگی کے بے شمار پہلوؤں کو محفوظ کر دیا ہے۔

اگرچہ ''فسانۂ آزاد'' سرشار کی سب سے معروف تصنیف ہے، لیکن ان کی ادبی خدمات صرف اسی ناول تک محدود نہیں۔ انہوں نے ''جامِ سرشار''، ''سیرِ کوہسار''، ''کامنی''، ''خدائی فوجدار''، ''گورِ غریباں''، ''چنچل نار'' اور دیگر تصانیف بھی لکھیں۔ ان تخلیقات میں بھی ان کی زبان، طنز و مزاح، معاشرتی مشاہدے اور قصہ گوئی کی صلاحیت نمایاں ہوتی ہے۔

اردو ناول کی تاریخ میں رتن ناتھ سرشار کا مقام اس لیے بھی اہم ہے کہ انہوں نے اردو فکشن کو زندگی کے قریب لانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے داستان کی رنگینی اور قصہ گوئی کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرتی زندگی کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ ان کے ناول میں اپنے عہد کی تہذیب، معاشرت، زبان اور انسانی کردار اس طرح محفوظ ہو گئے ہیں کہ آج بھی ان کے ذریعے انیسویں صدی کے لکھنؤ کی زندگی کے متعدد پہلوؤں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کی زبان کی شیرینی، محاورے کی برجستگی، کرداروں کی رنگارنگی، مکالموں کی فطری کیفیت، طنز و مزاح کی دل کشی اور معاشرتی مشاہدے کی گہرائی ان کے فن کو منفرد بناتی ہے۔

مختصر یہ کہ رتن ناتھ سرشار اردو ناول نگاری کے ابتدائی اور اہم معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اردو ناول کو محض قصہ گوئی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرتی زندگی، تہذیب اور انسانی تجربات سے وابستہ کیا۔ ''فسانۂ آزاد'' ان کے فن کا ایسا شاہکار ہے جس میں لکھنوی تہذیب اپنی تمام تر رنگینیوں، خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے فن میں طوالت، قصہ در قصہ اور بعض فنی بے اعتدالیوں کے نقائص موجود ہیں، لیکن ان کی ادبی خدمات اور اردو ناول کی ترقی میں ان کے کردار سے انکار ممکن نہیں۔ سرشار نے اردو ناول کو ایک زندہ معاشرے کا آئینہ بنایا اور اپنی جاندار نثر، دلچسپ کرداروں، برجستہ مکالموں اور طنزیہ و مزاحیہ انداز کے ذریعے اردو فکشن میں ایک ایسا مقام حاصل کیا جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

عبدالحلیم شرر 1860ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے اہم ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شرر نے مختلف ادبی اصناف میں طبع آزمائی کی اور تاریخی ناول، انشائیہ، ڈراما، شاعری، سوانح اور تاریخ

کے موضوعات پر قلم اٹھایا، لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت تاریخی ناول نگاری کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اردو میں تاریخی ناول نگاری کے آغاز کا سہرا بھی بڑی حد تک عبدالحلیم شرر کے سر جاتا ہے۔ ان کا پہلا تاریخی ناول ''ملک العزیز ورجینا'' ہے۔ اس ناول کے ذریعے انہوں نے اردو ناول کو تاریخی واقعات اور ماضی کی تہذیبی زندگی سے جوڑنے کی ایک نئی راہ دکھائی۔

شرر کو تاریخ، خصوصاً اسلامی تاریخ سے گہری دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیشتر تاریخی ناولوں کے لیے تاریخ ہی سے مواد حاصل کیا۔ ان کے ناولوں میں مسلمانوں کے تہذیبی اور سیاسی عروج کے مختلف ادوار کی داستانیں ملتی ہیں۔ انہوں نے ماضی کے ان واقعات کو نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا جن میں مسلمانوں کی بہادری، شجاعت، جانبازی، سیاسی بصیرت اور تہذیبی عظمت نمایاں ہوتی ہے۔ ان کے تاریخی ناولوں میں ماضی کے شاندار کارناموں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنی عظمت رفتہ کی یاد دلانے اور ان میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنے کا مقصد بھی نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے شرر کی تاریخی ناول نگاری میں تاریخی واقعات کے ساتھ اصلاحی اور قومی جذبہ بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔

شرر کی ایک اہم تخلیق ''گذشتہ لکھنؤ'' ہے جس میں انہوں نے لکھنؤ کے تاریخی حالات و واقعات اور وہاں کی تہذیب و معاشرت کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ اس میں پرانے لکھنؤ کی زندگی کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ لکھنؤ کی تہذیب، رہن سہن، رسم و رواج، معاشرتی زندگی، لوگوں کے طور طریقے اور اس دور کے حالات کا ایسا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ قاری کو گزرا ہوا لکھنؤ اپنی پوری فضا کے ساتھ سامنے نظر آنے لگتا ہے۔ شرر نے اس کتاب میں تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کی تہذیبی زندگی کو بھی خاص اہمیت دی ہے، اس لیے ''گذشتہ لکھنؤ'' محض تاریخی واقعات کا بیان نہیں بلکہ ایک پورے عہد کی تہذیبی اور معاشرتی تصویر بھی پیش کرتا ہے۔

شرر کی منظر نگاری بھی قابلِ تعریف ہے۔ انہوں نے لکھنؤ کے حالات و واقعات، محفلوں، تہذیبی سرگرمیوں اور معاشرتی ماحول کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کے بیان میں تصویری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی تحریر پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود اس دور کے لکھنؤ میں موجود ہے اور اس کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ شرر نے واقعات کو محض خشک تاریخی انداز میں بیان کرنے کے بجائے ان میں دلچسپی اور زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

شرر کے اندازِ بیان میں روانی اور تسلسل بھی نمایاں خصوصیات ہیں۔ وہ واقعات کو اس طرح ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں کہ کہانی کا سلسلہ برقرار رہتا ہے اور قاری کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔ ان کی زبان عام طور پر سادہ، رواں اور دلکش ہے، جس کی

وجہ سے تاریخی موضوعات بھی خشک اور بوجھل محسوس نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول اور تاریخی تحریریں پڑھتے ہوئے قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ واقعات کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ عبدالحلیم شرر اردو ادب کے اہم تاریخی ناول نگار ہیں۔ انہوں نے اردو میں تاریخی ناول نگاری کو فروغ دیا اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار، مسلمانوں کی تہذیبی عظمت، سیاسی عروج اور بہادری کے واقعات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ ''ملک العزیز ورجینا'' سے تاریخی ناول نگاری کا آغاز کرنے والے شرر نے ''گذشتہ لکھنؤ'' جیسی اہم تخلیق کے ذریعے لکھنؤ کی تاریخ، تہذیب اور معاشرت کو بھی محفوظ کیا۔ ان کی منظر نگاری، روانیِ بیان، واقعات میں تسلسل اور ماضی کے شاندار کارناموں کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت ان کے فن کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اسی وجہ سے عبدالحلیم شرر کا نام اردو تاریخی ناول نگاری کی تاریخ میں ہمیشہ اہم اور نمایاں رہے گا۔

مرزا ہادی رسوا نے ''امراؤ جان ادا''، ''شریف زادہ''، ''ذات شریف''، ''اختری بیگم'' اور ''افشائے راز'' جیسے معاشرتی ناول لکھے۔ ان کے بیشتر ناول لکھنوی معاشرت کے مختلف طبقوں اور پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ چونکہ رسوا لکھنوی تہذیب و معاشرت سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے انہوں نے اسی ماحول کے پس منظر میں لکھنؤ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت دل کش، حقیقی اور فنکارانہ انداز میں پیش کیا۔ ان کا سب سے اہم اور کامیاب ناول ''امراؤ جان ادا'' ہے، جسے اردو ناول کا شاہکار قرار دیا جاتا ہے۔ اس ناول میں رسوا نے طوائف کی زندگی اور اس طبقے سے وابستہ لوگوں کی معاشرت کو بڑی فنکاری سے پیش کیا ہے۔ اس کے پس منظر میں زوال پذیر لکھنوی معاشرت کی ایسی تصویر ملتی ہے جس میں طوائفوں کو ایک خاص مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس دور میں طوائفوں کے کوٹھے صرف تفریح کے مراکز نہیں تھے بلکہ انہیں تہذیب، موسیقی، آدابِ مجلس اور معاشرتی تربیت کے مراکز بھی سمجھا جاتا تھا۔ رسوا نے اس پورے ماحول اور اس سے وابستہ معاشرتی تضادات کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

''امراؤ جان ادا'' کی کامیابی کا ایک بڑا سبب اس کی فطری کردار نگاری اور ماحول کی سچی عکاسی ہے۔ رسوا نے اس ناول میں پلاٹ اور واقعات کے مقابلے میں کردار کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کے تمام کردار حقیقی زندگی کے انسانوں کی طرح خوبیوں اور خامیوں کے حامل ہیں۔ رسوا نے کسی کردار کو مکمل طور پر مثالی نہیں بنایا بلکہ انہیں حالات اور ماحول کے اثرات سے متاثر ہونے والے انسانوں کے طور پر پیش کیا۔ ناول کے نسوانی کردار بھی ایک دوسرے سے مختلف مزاج رکھتے ہیں اور حالات کے مطابق ان

میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسوا کا مقصد محض کرداروں کو نمایاں کرنا نہیں بلکہ ان کے ذریعے زندگی کی حقیقی ترجمانی کرنا تھا۔یہی چیز ''امراؤ جان ادا'' کو اردو ناول کی تاریخ میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

مرزا رسوا کا دوسرا اہم ناول ''شریف زادہ'' ہے۔اس میں انہوں نے 1857ء کے بعد کی اس معاشرت کی تصویر پیش کی ہے جو سیاسی، سماجی اور معاشی زبوں حالی کا شکار ہو گئی تھی۔شاہی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی، رقص و سرود کی محفلیں اجڑ چکی تھیں اور عوام کے حوصلے پست ہو چکے تھے، لیکن ماضی کی عظمت کا نشہ ابھی تک ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔محنت اور جدوجہد کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔رسوا نے اس ناول میں بالواسطہ طور پر اس زوال پذیر تہذیب کی فرسودہ قدروں کو پیش کرنے کے ساتھ نئی زندگی کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔انہوں نے ایک ایسے کردار کی زندگی پیش کی جو نامساعد حالات کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنی محنت سے اپنی زندگی کو بہتر بناتا ہے۔اگرچہ اس مقصدیت کے باعث ناول کے پلاٹ میں کچھ ڈھیلا پن اور بعض کرداروں میں مثالی پن پیدا ہو گیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ناول بدلتے ہوئے معاشرے میں نوجوانوں کو اپنی دنیا خود بنانے کا درس دیتا ہے۔

اپنے تیسرے ناول ''ذات شریف'' میں رسوا نے لکھنؤ کے بیمار اور انتشار پذیر معاشرے کی تصویر پیش کی اور ان کمزوریوں کی نشاندہی کی جو اس عظیم تہذیب کے زوال کا سبب بن رہی تھیں۔اس ناول میں لکھنؤ کی مٹتی ہوئی سماجی قدریں اور نوابین کے زوال پذیر طبقے کی ذہنی، معاشی، اخلاقی اور سماجی پستی کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس ناول میں رسوا کی کردار نگاری ''شریف زادہ'' کے مقابلے میں زیادہ بہتر نظر آتی ہے۔انہوں نے کرداروں کو مثالی بنانے کے بجائے انہیں اپنے طبقے کی نمائندگی کرنے والے حقیقی انسانوں کے طور پر پیش کیا ہے۔کلثوم بیگم، امامن، چھٹی نویس اور مہری وغیرہ اپنے اپنے طبقوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔خاص طور پر کلثوم بیگم کے کردار میں اودھ کی بیگموں کی سچی تصویر نظر آتی ہے۔اس ناول میں رسوا نے دو مختلف قصوں کو اس طرح مربوط کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بے ربط محسوس نہیں ہوتے اور دونوں کے کردار ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

''اختری بیگم'' میں مرزا رسوا نے 1857ء کے بعد کی انحطاط پذیر لکھنوی معاشرت اور چند شریف و معزز خاندانوں کی خانگی الجھنوں کو پیش کیا ہے۔انہوں نے اس ناول میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح ایک بیمار تہذیب کے پروردہ لوگ وقت کے تقاضوں کے مطابق خود کو تبدیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ناول کا مرکزی کردار اختری بیگم ہے، اس کے علاوہ جعفری، نادری، ہرمزی، بوٹن، نواب خورشید مرزا، مراد علی اور دوسرے کردار بھی موجود ہیں۔تاہم ان کرداروں میں وہ فعالیت اور ارتقائی کیفیت نہیں ملتی جو رسوا کی بہترین کردار نگاری کا خاصہ ہے۔اختری بیگم کا بنیادی کردار بھی پوری طرح فعال نہیں بن

سکااور اس کی زندگی ادھوری محسوس ہوتی ہے۔اسی طرح بعض کرداروں کی خوبیوں اور خامیوں کو مبالغے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ پلاٹ کے لحاظ سے بھی یہ ناول زیادہ کامیاب نہیں، کیونکہ واقعات اور کرداروں کی کثرت نے اسے غیر متوازن بنادیا ہے۔ اس وجہ سے ''اختری بیگم''میں رسوا کی وہ فنی مہارت نظر نہیں آتی جو ''امراؤ جان ادا''، ''شریف زادہ''اور ''ذات شریف''میں نمایاں ہے۔

''افشائے راز''مرزا رسوا کا نامکمل ناول ہے۔اس میں ذکی کی سیرت کو دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے، لیکن ناول کے نامکمل ہونے کا اثر اس کے پلاٹ اور کرداروں دونوں پر پڑا ہے۔اس کا پلاٹ نسبتاً سپاٹ اور ڈھیلا ڈھالا ہے اور کرداروں میں بھی وہ ارتقائی کیفیت نہیں ملتی جو رسوا کے مکمل اور پختہ ناولوں میں نظر آتی ہے۔اس ناول میں رسوا بحیثیت ناول نگار اپنی اس فنی پختگی تک نہیں پہنچے تھے جو ان کے بعد کے ناولوں میں نمایاں ہوتی ہے۔

ان تمام ناولوں کے جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا رسوا اردو کے ان اولین ناول نگاروں میں ہیں جنھوں نے ناول کو فن آراستہ کیا۔ پلاٹ، کہانی، کردار نگاری، منظر نگاری، فلسفۂ حیات، مکالمے اور زبان و بیان کو انھوں نے اس طرح ہم آہنگ کیا کہ ان کے بہترین ناول فنی تکمیل کے اعتبار سے ایک روایت کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اگرچہ بعض مقامات پر ان کے فلسفیانہ مزاج اور ریاضیاتی اندازِ فکر کی خشکیت محسوس ہوتی ہے، جس سے کچھ بے کیفی پیدا ہو جاتی ہے اور بعض ناولوں کے پلاٹ اور کردار بھی کمزور نظر آتے ہیں، لیکن یہ ان کے فن کا عمومی انداز نہیں ہے۔ان کی بیشتر تخلیقات میں اعلیٰ درجے کی فنکاری کا ثبوت ملتا ہے۔ بحیثیت مجموعی مرزا رسوا نے اردو ناول کو نہ صرف معاشرتی زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان بنایا بلکہ اس میں فکر و فن کی ایسی روشنی بھی پیدا کی جس نے اردو ناول نگاری کو ایک مضبوط فنی بنیاد فراہم کی۔

3.3 سرگرمی (آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ناول ڈپٹی نذیر احمد، عبدالحلیم شرر، رتن ناتھ سرشار اور مرزا ہادی رسوا کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے حصہ 3.8 سے رجوع کریں۔

1۔اردو کا پہلا ناول _____ ہے۔

2۔تاریخی ناول نگار کے نام سے _____ جانا جاتا ہے۔

3۔ناول امراو جان ادا _____ نے خلق کیا ہے۔

4۔خوجی _____ ناول کا ہم کردار ہے۔

5۔ابن الوقت _____ کا ناول ہے۔

3.4 عمومی جائزہ

اردو ناول کی تاریخ میں انیسویں صدی کا زمانہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔اس دور میں اردو نثر داستانی روایت سے آگے بڑھ کر جدید ادبی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو رہی تھی اور ناول ایک نئی اور مؤثر صنف کے طور پر اپنی شناخت قائم کر رہا تھا۔اردو ناول کے اس ابتدائی ارتقائی مرحلے میں **مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا** نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اگرچہ چاروں ناول نگاروں کے موضوعات، فکری رجحانات اور فنی اسالیب ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن ان سب کی مشترکہ کوششوں نے اردو ناول کی بنیاد کو مضبوط کیا اور اس کے آئندہ ارتقا کے لیے راہ ہموار کی۔

مولوی نذیر احمد اردو کے ابتدائی اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔انہوں نے اردو ناول کو **اصلاحی، اخلاقی اور معاشرتی شعور** سے وابستہ کیا۔ان کے نزدیک ادب محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کی اصلاح کا مؤثر وسیلہ بھی تھا۔ان کے ناولوں میں گھریلو زندگی، عورتوں کی تعلیم، بچوں کی تربیت، اخلاقی اقدار، مذہبی شعور اور خاندانی ذمہ داریوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ **مراۃ العروس** میں اکبری اور اصغری کے کرداروں کے ذریعے عورت کی تعلیم اور گھریلو تربیت کے اثرات کو نمایاں کیا گیا، جب کہ **توبۃ النصوح** میں اصلاحِ خاندان اور اخلاقی تربیت کو موضوع بنایا گیا۔ **ابن الوقت** میں مشرقی اور مغربی تہذیب کے باہمی تعلق اور اندھی تقلید کے مسئلے کو پیش کیا گیا۔نذیر احمد کی سادہ، رواں، عام فہم اور مکالماتی زبان نے بھی اردو ناول کو قارئین کے قریب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

رتن ناتھ سرشار نے اردو ناول کو **معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی بھرپور عکاسی** سے مالا مال کیا۔ان کا مشہور ناول **فسانۂ آزاد** اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ سرشار نے لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، رسم و رواج، محفلوں، بازاروں، رہن سہن اور مختلف طبقوں کی زندگی کو نہایت جاندار انداز میں پیش کیا۔ان کے یہاں داستانی روایت کی رنگینی، قصہ گوئی اور واقعہ آفرینی کے ساتھ ساتھ حقیقی معاشرتی زندگی کا مشاہدہ بھی موجود ہے۔آزاد اور خوجی جیسے کرداروں نے ان کے ناول کو خاص شہرت عطا کی۔ بالخصوص خوجی کا کردار اردو فکشن کے یادگار مزاحیہ کرداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سرشار کی زبان میں لکھنوی محاورہ،

بر جستگی، طنز و مزاح اور روز مرہ زندگی کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اس طرح انہوں نے اردو ناول کو اپنے عہد کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا آئینہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

عبدالحلیم شرر نے اردو ناول کو **تاریخی اور تہذیبی شعور** سے وابستہ کیا۔ ان کی ناول نگاری میں اسلامی تاریخ، مسلمانوں کی تہذیبی عظمت، سیاسی عروج، شجاعت اور ماضی کے اہم واقعات کو نمایاں جگہ حاصل ہے۔ انہوں نے تاریخ کو محض واقعات کے بیان تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ذریعے قومی احساس اور تہذیبی شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ان کے تاریخی ناولوں میں ماضی کی عظمت اور شاندار تہذیبی روایات کی عکاسی ملتی ہے۔ **ملک العزیز ورجینا** اور **گذشتہ لکھنؤ** جیسی تصانیف کے ذریعے شرر نے اردو میں تاریخی اور تہذیبی ناول نگاری کی روایت کو مضبوط کیا۔ ان کی منظر نگاری، روانیِ بیان اور واقعات کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت ان کے فن کی اہم خصوصیات ہیں۔

مرزا ہادی رسوا نے اردو ناول کو **فنی پختگی، حقیقت نگاری، کردار نگاری اور نفسیاتی شعور** سے آشنا کیا۔ ان کا شاہکار **امراؤ جان ادا** اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ناول میں لکھنؤ کی زوال پذیر تہذیب، طوائفوں کی زندگی، معاشرتی تضادات اور انسانی جذبات کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ رسوا نے اپنے کرداروں کو حقیقی انسانوں کے طور پر پیش کیا جن میں خوبیاں، خامیاں، جذبات اور نفسیاتی پیچیدگیاں موجود ہیں۔ **شریف زادہ، ذات شریف، اختری بیگم** اور **افشائے راز** بھی ان کی اہم تصانیف میں شامل ہیں۔ اگرچہ ان کی بعض تخلیقات میں پلاٹ کی کمزوری، کرداروں کی غیر فعالیت یا طوالت جیسی فنی خامیاں نظر آتی ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی رسوا نے اردو ناول کو فنی اعتبار سے مضبوط بنیاد فراہم کی۔

ان چاروں ناول نگاروں کے فن کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو اردو ناول کے ارتقائی مراحل کی ایک واضح تصویر سامنے آتی ہے۔ **نذیر احمد نے اصلاح اور اخلاق کو، سرشار نے معاشرت اور تہذیب کو، شرر نے تاریخ اور قومی شعور کو، جبکہ رسوا نے حقیقت نگاری، کردار نگاری اور انسانی نفسیات کو** اپنی ناول نگاری کا اہم حصہ بنایا۔ اس طرح اردو ناول کے موضوعاتی اور فنی دائرے میں مسلسل وسعت پیدا ہوئی۔ اس دور کے ناول نگاروں نے اردو ادب کو صرف نئی صنف ہی نہیں دی بلکہ اسے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے جوڑنے کا کام بھی انجام دیا۔ نذیر احمد کے یہاں گھر اور خاندان، سرشار کے یہاں لکھنوی معاشرت، شرر کے یہاں تاریخ و تہذیب اور رسوا کے یہاں فرد، معاشرہ اور انسانی باطن نمایاں ہوتا ہے۔ یہی تنوع اردو ناول کے ارتقائی سفر کی بنیادی خصوصیت ہے۔

مختصراً، اردو ناول کے ابتدائی دور میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا نے اپنی اپنی فکری اور فنی صلاحیتوں کے ذریعے اس صنف کو مستحکم کیا۔ نذیر احمد نے اسے **اصلاحی و اخلاقی بنیاد** فراہم کی، سرشار نے **معاشرتی و تہذیبی رنگ** عطا کیا، شرر نے **تاریخی شعور** پیدا کیا اور رسوا نے اسے **حقیقت نگاری اور فنی پختگی** سے ہم کنار کیا۔ ان ادیبوں کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں اردو ناول داستانی روایت سے نکل کر ایک باقاعدہ، وسیع اور مؤثر ادبی صنف کی حیثیت اختیار کرنے میں کامیاب ہوا۔

3.5 فرہنگ

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
ارتقا	بتدریج ترقی اور تبدیلی کا عمل
داستانی روایت	داستان لکھنے اور سنانے کی قدیم ادبی روایت
معلم	استاد، تعلیم دینے والا
مصلح	اصلاح کرنے والا، معاشرتی برائیوں کو دور کرنے والا
صاحبِ فکر	گہری سوچ اور فکر رکھنے والا شخص
اصلاحِ معاشرہ	معاشرتی برائیوں کو دور کر کے معاشرے کو بہتر بنانا
اخلاقی اقدار	اچھے کردار اور اخلاق سے متعلق اصول
تہذیبی روایات	کسی معاشرے کے رسم و رواج اور ثقافتی اقدار
معاشرتی شعور	معاشرے کے حالات اور مسائل سے آگاہی
مشرقی علوم	مشرقی زبانوں، مذاہب اور علوم سے متعلق علم
مغربی افکار	مغربی معاشروں سے وابستہ جدید نظریات اور خیالات
استدلال	دلیل کے ذریعے کسی بات کو ثابت کرنا
تربیت	کردار اور صلاحیتوں کو بہتر بنانے کا عمل

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
مرعوبیت	کسی کے اثر یا رعب سے بہت زیادہ متاثر ہونا
تہذیبی شناخت	اپنی تہذیب اور ثقافت سے وابستہ پہچان
اندھی تقلید	بغیر سوچے سمجھے کسی کی پیروی کرنا
فکری رجحان	سوچنے اور غور کرنے کا مخصوص انداز
داستان گوئی	داستان یا قصہ بیان کرنے کا فن
قصہ پن	کہانی بیان کرنے کی خصوصیت
واقعہ آفرینی	دلچسپ اور مؤثر واقعات پیدا کرنے یا پیش کرنے کا ہنر
معاشرتی عکاسی	معاشرے کی زندگی اور حالات کو ادب میں پیش کرنا
تہذیبی عکاسی	کسی تہذیب کے رہن سہن، اقدار اور روایات کی تصویر پیش کرنا
رنگارنگی	مختلف اور متنوع صورتوں کا مجموعہ
برجستگی	بے ساختگی، موقع کے مطابق فوراً اور فطری انداز میں بات کہنا
عظمتِ رفتہ	ماضی کی گزری ہوئی شان و شوکت
منظر نگاری	کسی منظر یا ماحول کو الفاظ کے ذریعے تصویری انداز میں پیش کرنا
نفسیاتی شعور	انسانی ذہن، جذبات اور باطنی کیفیات کی سمجھ
فلسفۂ حیات	زندگی اور اس کے مقصد سے متعلق نظریۂ فکر
زوال پذیر	جو بتدریج زوال یا پستی کی طرف جا رہا ہو
انحطاط	زوال، پستی یا کمزوری کی حالت
فرسودہ اقدار	پرانی اور غیر مؤثر معاشرتی قدریں
زبوں حالی	خراب اور پست حالت

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
معاشرتی تضاد	معاشرے میں موجود باہمی اختلاف یا ناہمواری
مقصدیت	کسی ادبی تخلیق میں واضح مقصد یا پیغام کا موجود ہونا
وعظ آمیز	نصیحت اور وعظ سے بھرپور
خطیبانہ انداز	تقریر یا خطاب جیسا پُرجوش اور پراثر اندازِ بیان
یک طرفہ	صرف ایک پہلو یا نقطۂ نظر کو پیش کرنے والا
ترجمانی	کسی کے خیالات، جذبات یا حالات کی نمائندگی کرنا
فکری و فنی جہت	ادب کے نظریاتی اور فنکارانہ پہلو
ہم آہنگ	باہم موافق اور متوازن
فن آراستہ	فنی خوبیوں سے مزین
ادبی دستاویز	ایسی ادبی تحریر جو کسی عہد یا معاشرے کے حالات کو محفوظ کرے
معاشرتی مشاہدہ	معاشرے کے حالات کا گہرا اور باریک مطالعہ
تہذیبی ورثہ	کسی قوم کی ثقافتی اور تہذیبی میراث
زوال پذیر تہذیب	ایسی تہذیب جو اپنی سابقہ ترقی اور شان کھوتی جا رہی ہو
خانگی الجھنیں	گھریلو مسائل اور پیچیدگیاں
موزوں	مناسب، موقع کے مطابق
نامساعد حالات	ناموافق اور مشکل حالات
ترسیل	کسی خیال، پیغام یا مقصد کو دوسروں تک پہنچانا
فنی کمزوری	فن کے اعتبار سے موجود نقص یا خامی
بے کیفی	دلچسپی یا تازگی کا فقدان

لفظ/اصطلاح	معنی/وضاحت
خشکیت	اندازِ بیان میں بے رنگی یا غیر جذباتی کیفیت
فکری گہرائی	کسی موضوع پر عمیق اور سنجیدہ سوچ
معاشرتی زندگی	افراد کے باہمی تعلقات اور اجتماعی طرزِ زندگی
ادبی مقام	ادب میں کسی ادیب یا تخلیق کی اہم حیثیت
مستحکم	مضبوط اور پائیدار
ہمہ گیر	مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹنے والا

3.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1. مولوی نذیر احمد کی اردو ناول نگاری کی خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
2. رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری میں **فسانۂ آزاد** کی اہمیت بیان کیجیے۔
3. عبدالحلیم شرر کی تاریخی ناول نگاری کی خصوصیات پر تفصیلی بحث کیجیے۔
4. مرزا ہادی رسوا کی ناول نگاری کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
5. اردو ناول کے ارتقاء میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا کی خدمات کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

3.7 مشقی سوالات

1. نذیر احمد کی ناول نگاری میں اصلاحی پہلو کی وضاحت کیجیے۔

2. **ابن الوقت** میں کس تہذیبی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے؟

3. رتن ناتھ سرشار کی مشہور تصنیف کا نام لکھیے۔

4. عبدالحلیم شرر کو اردو ادب میں کس نوعیت کی ناول نگاری کے حوالے سے اہم مقام حاصل ہے؟

5. مرزا ہادی رسوا کا سب سے مشہور ناول کون سا ہے؟

6. مرزا ہادی رسوا کی کردار نگاری کی دو خصوصیات بیان کیجیے۔

3.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ مراۃ العروس

2۔ عبدالحلیم شرر

3۔ مرزا ہادی رسوا

4۔ فسانہ آزاد

5۔ ڈپٹی نذیر احمد

1۔ نذیر احمد کی ناول نگاری میں اصلاحی پہلو کی وضاحت کیجیے۔

نذیر احمد کی ناول نگاری کا بنیادی مقصد معاشرتی اور اخلاقی اصلاح تھا۔ انہوں نے تعلیم، اخلاق، خاندانی تربیت، عورتوں کی تعلیم اور مذہبی شعور کو اپنی تحریروں کا اہم موضوع بنایا۔ مراۃ العروس میں عورت کی تعلیم اور گھریلو تربیت، جبکہ توبۃ النصوح میں خاندان اور اولاد کی اخلاقی تربیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک معاشرے کی اصلاح کا آغاز فرد اور خاندان کی اصلاح سے ہوتا ہے۔

2۔ ابن الوقت میں کس تہذیبی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے؟

ابن الوقت میں مشرقی اور مغربی تہذیب کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نذیر احمد نے یہ دکھایا ہے کہ مغربی علوم اور ترقی سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے، لیکن اپنی تہذیبی شناخت کو فراموش کر کے مغرب کی اندھی تقلید مناسب نہیں۔ ابن الوقت کا کردار اسی تہذیبی کشمکش کی نمائندگی کرتا ہے۔

3۔ رتن ناتھ سرشار کی مشہور تصنیف کا نام لکھیے۔

رتن ناتھ سرشار کی مشہور تصنیف فسانۂ آزاد ہے۔ یہ اردو ناول کی اہم ابتدائی تخلیقات میں شمار ہوتی ہے اور اس میں لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، زبان، رسم و رواج اور روزمرہ زندگی کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

4۔ عبدالحلیم شرر کو اردو ادب میں کس نوعیت کی ناول نگاری کے حوالے سے اہم مقام حاصل ہے؟

عبدالحلیم شرر کو اردو ادب میں تاریخی ناول نگاری کے حوالے سے اہم مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اسلامی تاریخ، مسلمانوں کی تہذیبی عظمت، سیاسی عروج، شجاعت اور ماضی کے اہم واقعات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ ان کی تاریخی ناول نگاری میں تاریخی شعور کے ساتھ قومی اور تہذیبی احساس بھی نمایاں ہے۔

5۔ مرزا ہادی رسوا کا سب سے مشہور ناول کون سا ہے؟

مرزا ہادی رسوا کا سب سے مشہور اور اہم ناول امراؤ جان ادا ہے۔ اسے اردو ناول کے اہم شاہکاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں لکھنؤ کی زوال پذیر تہذیب، طوائفوں کی زندگی، معاشرتی ماحول اور انسانی جذبات کی حقیقت پسندانہ عکاسی کی گئی ہے۔

6۔ مرزا ہادی رسوا کی کردار نگاری کی دو خصوصیات بیان کیجیے۔

مرزا ہادی رسوا کی کردار نگاری کی دو اہم خصوصیات حقیقت پسندی اور نفسیاتی گہرائی ہیں۔ انہوں نے اپنے کرداروں کو محض اچھائی یا برائی کی علامت نہیں بنایا بلکہ انہیں حقیقی انسانوں کے طور پر پیش کیا، جن میں خوبیاں، خامیاں، جذبات اور نفسیاتی پیچیدگیاں موجود ہیں۔ ان کے کردار اپنے معاشرتی ماحول سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے فطری اور جاندار محسوس ہوتے ہیں۔

3.9 امدادی کتب

۱۔ اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی
۲۔ اُردو فکشن، آل احمد سرور
۳۔ ناول کا فن۔ ای ایم فارسٹر۔ ترجمہ ابوالکلام قاسمی
۴۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول۔ ڈاکٹر یوسف سرمست
۵۔ داستان سے افسانے تک۔ وقار اعظیم
۶۔ اُردو ناول کی تاریخ و تنقید۔ علی عباس حسینی
۷۔ ادبی تخلیق اور ناول۔ احسن فاروقی
۸۔ اُردو ناول بیسویں صدی میں۔ عبدالسلام
۹۔ ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۰۔ تفہیم و تعبیر۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

سبق نمبر ۴۔ حقیقت نگاری اور پریم چند، پریم چند کی ناول نگاری، میدانِ عمل کا تنقیدی جائزہ

ساخت

4.0 اغراض و مقاصد
4.1 تعارف
4.2 حقیقت نگاری اور پریم چند
4.2.0 پریم چند کی ناول نگاری
4.2.1 میدانِ عمل کا تنقیدی مطالعہ
4.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں
4.4 عمومی جائزہ
4.5 فرہنگ
4.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
4.7 مشقی سوالات
4.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
4.9 امدادی کتب

4.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ کو اردو ناول میں **حقیقت نگاری اور ترقی پسند فکر** کے فروغ اور اس کے اہم نمائندہ ناول نگاروں سے واقف کرانا ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ اردو ناول نے کس طرح معاشرتی زندگی، انسانی مسائل اور اپنے عہد کے بدلتے ہوئے حالات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرنے کی روایت کو فروغ دیا۔

اس سبق میں حقیقت نگاری کے حوالے سے **پریم چند** کی ناول نگاری کا مطالعہ کیا جائے گا اور یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی کہ انہوں نے عام انسان، خصوصاً غریب، کسان اور محروم طبقے کی زندگی کو کس طرح اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ اس کے ساتھ ''میدانِ عمل'' کے تنقیدی مطالعے کے ذریعے پریم چند کے فکری اور سماجی شعور کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔

4.1 تعارف

اردو ناول کی تاریخ میں حقیقت نگاری اور ترقی پسند فکر کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ناول جب فرد کی ذاتی زندگی سے آگے بڑھ کر معاشرے کے مختلف طبقات، ان کے مسائل اور اپنے عہد کی سماجی صورتِ حال کی عکاسی کرنے لگا تو حقیقت نگاری کا رجحان زیادہ نمایاں ہوا۔ اس رجحان نے اردو ناول کو زندگی کے قریب لانے اور عام انسان کے مسائل کو ادبی اظہار کا حصہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اردو ناول میں **پریم چند** حقیقت نگاری کے ایک اہم نمائندہ کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں ہندوستانی معاشرے کی حقیقی صورتِ حال، غربت، معاشی ناہمواری، کسانوں کی مشکلات، طبقاتی فرق اور انسانی محرومی کو موضوع بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں عام انسان مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور معاشرتی زندگی کے مسائل کو محض بیان نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے اسباب اور اثرات کو بھی نمایاں کیا جاتا ہے۔ ''میدانِ عمل'' اسی حقیقت پسندانہ اور سماجی شعور کی ایک اہم مثال ہے۔ بیسویں صدی میں **ترقی پسند تحریک** کے ظہور نے اردو ادب کے فکری منظر نامے میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی۔ ادب کو زندگی اور معاشرے سے قریب کرنے، سماجی نابرابری اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے اور محروم طبقات کے مسائل کو اجاگر کرنے پر زور دیا گیا۔ **سجاد ظہیر** اس تحریک کے اہم فکری رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی کوششوں اور ترقی پسند تحریک کے اثرات نے اردو ناول سمیت نثر کی مختلف اصناف کے موضوعات اور رجحانات کو متاثر کیا۔

4.2 حقیقت نگاری اور پریم چند

اردو اور ہندی ادب کی تاریخ میں پریم چند کو حقیقت نگاری کے ایسے نمائندہ فن کار کی حیثیت حاصل ہے جنھوں نے افسانہ اور ناول کو محض تفریح یا تخیل کی دنیا تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ اسے زندگی کے حقیقی مسائل، سماجی ناہمواریوں اور انسانی دکھوں سے وابستہ کر دیا۔ حقیقت نگاری کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ فن کار اپنے عہد کی زندگی کو اس کی اصل صورت، اس کے مسائل اور اس کے مختلف تضادات کے ساتھ پیش کرے۔ یورپی ادب میں Honore de Balzac، امریکہ کے William dean Howells اور روس کے Nikolai Gogol جیسے ادیبوں نے حقیقت پسندانہ ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ روسی ادب میں لیو ٹالسٹائی نے بھی دیہی زندگی اور عام انسان کے مسائل کو ادبی اظہار کا موضوع بنا کر حقیقت نگاری کی روایت کو مضبوط کیا۔ برصغیر میں پریم چند نے اسی حقیقت پسندانہ رویے کو ہندوستانی سماج، خصوصاً دیہات، کسان اور محروم طبقات کی زندگی سے جوڑ کر اسے ایک منفرد شناخت عطا کی۔

پریم چند کی شخصیت اور فن کو سمجھنے کے لیے ان کے سماجی اور تہذیبی پس منظر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کا تعلق اتر پردیش کے ایک گاؤں سے تھا اور انہوں نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی۔ زندگی کے ابتدائی تجربات اور اپنے گرد و پیش کے معاشرتی حالات نے ان کی تخلیقی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں ہندوستانی معاشرے کی وہ تصویریں سامنے آتی ہیں جن میں عام آدمی کی زندگی، اس کی محرومیاں، معاشی مشکلات، سماجی پابندیاں اور طبقاتی استحصال نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ زندگی کو باہر سے دیکھنے والے محض تماشائی نہیں بلکہ اس کے دکھ درد میں شریک ایک حساس فن کار تھے۔

پریم چند کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے ادب کو زندگی سے جوڑ کے رکھا۔ ان کی تخلیقات میں زندگی کا کوئی مصنوعی یا بناوٹی تصور نہیں ملتا۔ وہ جن کرداروں کو اپنی کہانیوں میں پیش کرتے ہیں، وہ اسی ہندوستانی معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جس میں وہ خود زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسان، مزدور، غریب، عورت، محروم اور سماج کے دبے ہوئے افراد ان کے فن کی دنیا میں پوری انسانی شناخت کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں غربت صرف ایک معاشی مسئلہ نہیں بلکہ ایک ایسی سماجی حقیقت ہے جو انسان کے رویوں، تعلقات، خواہشات اور نفسیات کو بھی متاثر کرتی ہے۔

پریم چند کی حقیقت نگاری کا ایک نمایاں پہلو **دیہی زندگی کی عکاسی** ہے۔ انہوں نے ہندوستانی ادب کو محض شہروں کی محدود فضا سے نکال کر گاؤں کی وسیع اور پیچیدہ دنیا سے آشنا کیا۔ ہندوستانی معاشرے میں کسان اور دیہی آبادی کی بڑی اہمیت تھی،

لیکن ادبی تخلیقات میں ان کی زندگی ہمیشہ پوری شدت اور حقیقت کے ساتھ سامنے نہیں آتی تھی۔ پریم چند نے اس خلا کو پُر کیا۔ انہوں نے کھیت، فصل، موسم، غربت، قرض، زمینداری، مہاجنی نظام اور کسان کی معاشی بے بسی کو اپنی کہانیوں کا حصہ بنایا۔ ان کے دیہی کردار کسی رومانوی تصور کے نمائندے نہیں بلکہ حقیقی زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما انسان ہیں۔ پریم چند کی حقیقت نگاری محض ظاہری منظر کشی نہیں رہتی بلکہ سماجی نظام کی ان قوتوں کو بھی بے نقاب کرتی ہے جو انسان کو غربت اور محرومی میں مبتلا رکھتی ہیں۔ ان کے کسان کی بدحالی کے پیچھے صرف اس کی ذاتی کمزوری نہیں بلکہ ایک ایسا معاشی اور سماجی ڈھانچا موجود ہے جس میں طاقت ور طبقہ کمزور طبقے کا استحصال کرتا ہے۔ اس اعتبار سے پریم چند کی حقیقت نگاری میں سماجی شعور بھی شامل ہے۔ وہ زندگی کی تصویر پیش کرتے ہوئے اس کے پس پردہ موجود مسائل کی طرف بھی قاری کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔

پریم چند کی ابتدائی ادبی زندگی میں **حب الوطنی اور قومی شعور** کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' 1908ء میں شائع ہوا۔ اس دور میں ہندوستان برطانوی اقتدار کے زیرِ اثر تھا اور آزادی کی تحریک بتدریج زور پکڑ رہی تھی۔ پریم چند نے اپنے ابتدائی افسانوں میں وطن سے محبت، آزادی کی خواہش اور قومی جذبات کو افسانوی پیرائے میں پیش کیا۔ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' سمیت بعض ابتدائی کہانیوں میں داستانی اور رومانی عناصر بھی دکھائی دیتے ہیں، تاہم ان کے اندر قومی احساس اور انسانی ہمدردی کا جذبہ نمایاں رہتا ہے۔ پریم چند کے ابتدائی افسانوں کا یہ مرحلہ ان کی تخلیقی شخصیت کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی تحریروں میں ایک طرف رومانی فضا اور جذباتی رنگ موجود ہے تو دوسری طرف وطن کی محبت اور غلامی کے خلاف شعور بھی اپنی جگہ بناتا ہے۔ ''سَتیّا گرہ''، ''جیل'' اور ''بھاڑے کا ٹٹو'' جیسی کہانیوں میں اپنے عہد کے سیاسی حالات اور ہندوستانی عوام کے جذبات کی جھلک ملتی ہے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ پریم چند کی توجہ محض قومی جذبے کے اظہار سے آگے بڑھ کر معاشرتی حقیقتوں اور انسانی مسائل کی گہری عکاسی کی طرف منتقل ہوئی۔

پریم چند کی حقیقت نگاری کا سب سے مضبوط پہلو **انسان دوستی** ہے۔ ان کے یہاں انسان کسی خاص طبقے، مذہب یا گروہ کی نمائندگی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنی بنیادی انسانی ضرورتوں، محرومیوں اور جذبات کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ وہ معاشرے میں موجود بے حسی، بے تعلقی اور باہمی ناانصافی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے افسانوں میں ایسے کردار بار بار سامنے آتے ہیں جنہیں معاشرتی نظام نے کمزور اور بے بس بنا دیا ہے۔ پریم چند ان کرداروں کی زندگی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری ان کے دکھ کو محض ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک انسانی المیے کے طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسی انسان دوستی نے پریم چند کو سماج کے ان طبقوں تک پہنچایا جن کی آواز عام طور پر طاقت ور طبقے کے شور میں دب جاتی ہے۔ کسان، مزدور، بھکاری، غریب عورتیں، بے سہارا افراد

اور معاشرتی طور پر محروم انسان ان کی کہانیوں کے اہم کردار ہیں۔ پریم چند ان کے مسائل کو محض ہمدردی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے دکھوں کے سماجی اسباب کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ اس طرح ان کا افسانہ ایک طرف انسانی ہمدردی پیدا کرتا ہے اور دوسری طرف قاری کو معاشرتی ناانصافی پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

پریم چند کی حقیقت نگاری کا ایک اہم وصف **کردار نگاری** ہے۔ ان کے کردار زندگی سے لیے گئے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ مکمل طور پر اچھے یا برے کردار تخلیق کرنے کے بجائے انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے کردار حالات کے زیرِ اثر فیصلے کرتے، غلطیاں کرتے، سمجھوتے کرتے اور کبھی مزاحمت بھی کرتے ہیں۔ یہی انسانی پیچیدگی ان کے کرداروں کو جاندار بناتی ہے۔ ان کے کرداروں کے ذریعے ایک پورا معاشرتی منظر نامہ تشکیل پاتا ہے۔ ان کی کردار نگاری میں **نفسیاتی بصیرت** بھی نمایاں ہے۔ وہ کردار کے ظاہری عمل کے ساتھ اس کے باطن میں پیدا ہونے والی کشمکش کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بعض مختصر کہانیاں اپنے اختصار کے باوجود انسانی نفسیات کے گہرے پہلو سامنے لے آتی ہیں۔ ''کفن''، ''پوس کی رات''، ''راہِ نجات'' اور ''سوا سیر گیہوں'' جیسی کہانیاں اس حوالے سے خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں غربت، بھوک، بے بسی، استحصال، انسانی عادات اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

''پوس کی رات'' پریم چند کی حقیقت نگاری کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ہلکو کا کردار محض ایک فرد کی کہانی نہیں بلکہ اس ہندوستانی کسان کی علامت بن جاتا ہے جو سخت محنت کے باوجود بنیادی ضروریات سے محروم رہتا ہے۔ سردی کی ایک رات، کھیت کی حفاظت، غربت اور مجبوری کے درمیان ہلکو کی کیفیت اس پورے معاشرتی طبقے کی بے بسی کو نمایاں کرتی ہے۔ پریم چند نے اس کردار کو اس قدر فطری انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری ہلکو کے دکھ کو اپنے قریب محسوس کرتا ہے۔ یہاں موسم بھی محض قدرتی منظر نہیں رہتا بلکہ کسان کی معاشی محرومی کا استعارہ بن جاتا ہے۔

''سوا سیر گیہوں'' میں بھی معاشی استحصال اور دیہی زندگی کی پیچیدگیوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ایک معمولی مقدار میں لیے گئے اناج کا قرض کس طرح ایک غریب انسان کی زندگی پر طویل سایہ ڈال دیتا ہے، پریم چند اس واقعے کے ذریعے استحصالی معاشی نظام کی سنگینی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کہانی میں فرد کی کمزوری اور سماجی نظام کی طاقت کا تضاد نمایاں ہوتا ہے۔

''راہِ نجات'' میں بھی دیہی معاشرت اور انسانی تعلقات کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ پریم چند کا کمال یہ ہے کہ وہ کسی بڑے نظریے کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے اسے کرداروں اور واقعات کے ذریعے محسوس کراتے ہیں۔ یہی فنی طریقہ ان کی حقیقت نگاری کو مؤثر بناتا ہے۔

''کفن''، پریم چند کی حقیقت نگاری کی سب سے پیچیدہ مثالوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ گھیسو اور مادھو جیسے کردار پہلی نظر میں بے حس اور غیر ذمہ دار دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کے رویوں کے پیچھے موجود شدید غربت، مسلسل محرومی اور سماجی بے بسی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پریم چند یہاں قاری کے سامنے ایک ایسا سوال رکھتے ہیں کہ کیا مسلسل محرومی انسان کے اخلاقی احساس کو بھی تبدیل کر سکتی ہے؟ اس طرح کہانی صرف دو افراد کی بد حالی نہیں رہتی بلکہ غربت، سماجی ناانصافی اور انسانی اقدار کے بحران کا مسئلہ بن جاتی ہے۔

پریم چند کی حقیقت نگاری میں **سماجی تنقید** بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ معاشرے کے تضادات کو نمایاں کرتے ہیں اور ان قوتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کمزور انسان کو مزید کمزور بناتی ہیں۔ ان کے یہاں زمیندار، مہاجن، افسر، متوسط طبقہ اور عام کسان سب اپنے اپنے سماجی کردار کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ تاہم پریم چند کی تنقید محض الزام تراشی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے پورے نظام کو سمجھنے کی کوشش ہے۔

ان کی حقیقت نگاری کا ایک اور اہم پہلو **سادہ اور رواں زبان** ہے۔ پریم چند نے پیچیدہ اور مصنوعی اسلوب کے بجائے ایسی زبان اختیار کی جو عام قاری تک آسانی سے پہنچ سکے۔ ان کے مکالمے کرداروں کی سماجی حیثیت اور ذہنی سطح سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ دیہی ماحول کے کرداروں کی گفتگو میں مقامی رنگ اور روزمرہ زبان کی سادگی محسوس ہوتی ہے۔ یہی سادگی ان کے افسانوں کے تاثر کو مزید مضبوط کرتی ہے۔

پریم چند کے فن میں حقیقت نگاری اور مقصدیت کا باہمی تعلق بھی قابلِ توجہ ہے۔ ان کے یہاں ادب کا مقصد صرف اصلاحی نصیحت کرنا نہیں بلکہ زندگی کی حقیقتوں کو اس انداز میں سامنے لانا ہے کہ قاری خود ان پر غور کرنے پر مجبور ہو۔ وہ اپنے کرداروں پر فیصلے مسلط نہیں کرتے بلکہ حالات اور واقعات کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ سماجی حقیقت خود نمایاں ہونے لگتی ہے۔ یہی فنی رویہ ان کی تحریروں کو محض اصلاحی ادب سے بلند کر کے اعلیٰ فن پارے کی سطح تک پہنچاتا ہے۔ پریم چند نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی تحریروں نے افسانے اور ناول کو ہندوستانی سماج کے قریب کیا اور ادب کے موضوعات میں غیر معمولی وسعت پیدا کی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ گاؤں، کسان، مزدور، عورت اور عام آدمی بھی ادب کے مرکزی کردار بن سکتے ہیں اور ان کی زندگی میں بھی بڑے انسانی اور فنی امکانات پوشیدہ ہیں۔

ان کی حقیقت نگاری کی اصل قوت یہ ہے کہ وہ زندگی کو صرف اس کے دکھ بھرے پہلو سے نہیں دیکھتے بلکہ انسانی وجود کی مختلف سطحوں کو ایک ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں محرومی کے ساتھ امید، بے بسی کے ساتھ مزاحمت، غربت کے ساتھ

انسانی رشتے اور سماجی جبر کے ساتھ اخلاقی سوالات بھی موجود رہتے ہیں۔ یہی جامع انسانی दृष्टि ان کے فن کو محض سماجی دستاویز بننے سے بچاتی ہے اور اسے ادبی قدر عطا کرتی ہے۔ پریم چند کی اہمیت صرف اس بات میں نہیں کہ انہوں نے غربت اور کسانوں کے مسائل کو موضوع بنایا، بلکہ اس بات میں ہے کہ انہوں نے ان مسائل کو **انسانی تجربے اور فنی شعور** میں تبدیل کیا۔ انہوں نے اپنے عہد کی زندگی کو اس کی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ دیکھا اور اسے ایسی زبان میں پیش کیا جو عام قاری کے لیے قابلِ فہم بھی تھی اور ادبی اعتبار سے مؤثر بھی۔

مختصراً، پریم چند اردو اور ہندی ادب میں حقیقت نگاری کے ایک اہم اور بااثر نمائندے ہیں۔ انہوں نے ادب کو زندگی سے قریب کیا، دیہی ہندوستان کو ادبی منظر نامے میں نمایاں مقام دیا، مظلوم اور محروم طبقوں کو آواز دی، سماجی استحصال اور معاشی نابرابری کو بے نقاب کیا اور انسانی ہمدردی کو اپنے فن کی بنیادی قدر بنایا۔ ان کے افسانوں میں پیش ہونے والے کردار آج بھی اس لیے زندہ محسوس ہوتے ہیں کہ ان کے مسائل اور جذبات انسانی زندگی کی بنیادی حقیقتوں سے وابستہ ہیں۔ اسی بنا پر پریم چند کا فن اپنے عہد کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ آج بھی سماجی اور انسانی معنویت رکھتا ہے۔

4.2.0 پریم چند کی ناول نگاری

منشی پریم چند اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ج۔ انہوں نے اردو ناول کو محض قصہ گوئی، وعظ اور تفریح کی حدود سے نکال کر زندگی کے وسیع تر مسائل، سماجی ناہمواریوں، معاشی استحصال، سیاسی کشمکش، طبقاتی تفاوت، مذہبی تعصب، عورت کی مظلومیت، کسان کی بے بسی اور عام انسان کی جدوجہد سے جوڑ دیا۔ ان کی ناول نگاری دراصل ہندوستانی معاشرے کے ایک ایسے دور کی ادبی دستاویز ہے جس میں ایک طرف نوآبادیاتی اقتدار اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا اور دوسری طرف ہندوستانی سماج جدید تعلیم، مغربی تہذیب، قومی بیداری اور آزادی کی تحریک کے زیرِ اثر تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔ پریم چند نے اس بدلتی ہوئی زندگی کو محض باہر سے نہیں دیکھا بلکہ اس کے دکھ، محرومی، اضطراب اور کشمکش کو اپنے شعور کا حصہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں ہندوستانی زندگی اپنی پوری سماجی، تہذیبی، اقتصادی اور نفسیاتی پیچیدگی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

پریم چند کا ذہنی اور فکری سفر انیسویں صدی کی آخری دہائی سے شروع ہو کر بیسویں صدی کی تیسری دہائی اور پھر چوتھی دہائی کے وسط تک پہنچتا ہے۔ یہ تقریباً نصف صدی پر محیط ایسا عہد تھا جس میں ہندوستان کی سیاسی، قومی، معاشی اور سماجی زندگی میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ 1857ء کی بغاوت نے ہندوستانی ذہن کو گہرا صدمہ پہنچایا، لیکن اس کے بعد آزادی اور خود اختیاری کا احساس ختم نہیں ہوا بلکہ مختلف صورتوں میں پروان چڑھتا رہا۔ مغرب سے آنے والی جدید تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی،

طباعت، پریس اور نئے سیاسی و سماجی افکار نے ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا۔ ایک زمانے میں مغربی تہذیب کو ترقی اور مشرقی روایات کو فرسودگی کی علامت سمجھا جانے لگا، لیکن جلد ہی یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ مغرب کی اندھی تقلید ذہنی غلامی کی ایک نئی صورت ہو سکتی ہے۔ اسی فکری کشمکش نے اصلاحی اور قومی تحریکوں کو جنم دیا۔

انڈین نیشنل کانگریس کے قیام اور اس کے بعد آزادی کی مختلف تحریکوں نے ہندوستانی سیاسی شعور کو نئی سمت دی۔ ایک طرف اعتدال پسند طبقہ اصلاح اور آئینی طریقوں سے تبدیلی کا خواہاں تھا، دوسری طرف شدت پسند اور انقلابی عناصر آزادی کے لیے زیادہ جارحانہ راستوں کے حامی تھے۔ بعد میں مہاتما گاندھی کی آمد نے اس سیاسی منظر نامے کو ایک نئی جہت عطا کی۔ گاندھی نے عدم تشدد، سچائی، قومی خدمت، دیہی زندگی، خود انحصاری اور اخلاقیات کو آزادی کی جدوجہد سے وابستہ کیا۔ ان کی تحریک نے آزادی کی آواز کو شہروں سے نکال کر ہندوستان کے دیہات تک پہنچایا۔ پریم چند اسی تاریخی اور فکری ماحول میں اپنے ادبی سفر کو آگے بڑھا رہے تھے۔ اس لیے ان کے ناولوں میں محض فرد کی کہانی نہیں ملتی بلکہ پورے ہندوستانی معاشرے کی بدلتی ہوئی صورتِ حال دکھائی دیتی ہے۔

پریم چند نے اپنے ناولوں کے ذریعے ہمیشہ مظلوم کے حق میں آواز بلند کی۔ وہ ظالم کے بجائے مظلوم، استحصال کرنے والے کے بجائے استحصال کا شکار انسان اور حاکم کے بجائے محکوم کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر زمیندار اور کسان کے تعلقات، ساہوکار اور غریب کے رشتے، سرکاری نظام اور عام آدمی کی کشمکش ان کے ناولوں کے بنیادی موضوعات میں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں کسان محض ایک ضمنی کردار نہیں بلکہ ہندوستانی معاشرے کی بنیادی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ پریم چند نے کسان کی غربت، قرض، محنت، بھوک، مذہبی پابندیوں، سماجی دباؤ اور اس کی خاموش مزاحمت کو اتنی گہرائی سے پیش کیا ہے کہ ان کے ناول ہندوستانی دیہی زندگی کا جیتا جاگتا مرقع بن جاتے ہیں۔

پریم چند کے ناولوں کی تعداد کے سلسلے میں مختلف ماخذوں میں اختلاف ملتا ہے، تاہم ان کی ناول نگاری کا سفر ''اسرارِ معابد'' سے شروع ہو کر ''گئودان'' تک پہنچتا ہے اور ''منگل سوتر'' ان کا آخری نامکمل ناول ہے۔ ان کے ناولوں میں ''اسرارِ معابد''، ''ہم خرما و ہم ثواب''، ''کشنہ''، ''جلوۂ ایثار''، ''بازارِ حسن''، ''گوشۂ عافیت''، ''نرملا''، ''چوگانِ ہستی''، ''پردۂ مجاز''، ''بیوہ''، ''غبن''، ''میدانِ عمل'' اور ''گئودان'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان ناولوں کو ایک ساتھ دیکھنے سے پریم چند کے فکری اور فنی ارتقا کی پوری تصویر سامنے آتی ہے۔

پریم چند کا پہلا ناول ''اسرارِ معابد'' ہے جو 8 اکتوبر 1903ء سے بنارس کے ہفتہ وار اخبار ''آوازِ خلق'' میں قسط وار شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ ناول مکمل نہ ہو سکا، تاہم اس میں پریم چند کے ابتدائی اصلاحی رجحانات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ ناول میں مذہبی مقامات اور مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھا کر عوام کا استحصال کرنے والے عناصر کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ عورتوں کے مسائل، چھوت چھات، قرض، سود اور مذہبی استحصال جیسے مسائل بھی اس میں جگہ پاتے ہیں۔ پریم چند یہاں مذہب کے خلاف نہیں بلکہ مذہب کے نام پر ہونے والی بدعنوانی اور استحصال کے خلاف نظر آتے ہیں۔ اس ناول سے ان کی اصلاحی فکر کے ابتدائی نقوش سامنے آتے ہیں۔

''ہم خرما و ہم ثواب'' میں بھی اصلاحی فکر نمایاں ہے۔ خاص طور پر بیوہ عورت کے مسئلے کو اہمیت حاصل ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں بیوہ ایک بڑا سماجی مسئلہ تھی اور پریم چند اس کے خلاف شعور پیدا کرنا چاہتے تھے۔ پریما اور امرت رائے کے کرداروں کے ذریعے بیوہ سے شادی کو ایک مثبت اور ضروری سماجی اقدام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح پریم چند نے ناول کو معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔

''کشنہ'' اور ''جلوۂ ایثار'' کے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے پریم چند کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ''جلوۂ ایثار'' میں قومی خدمت، دیہی زندگی، جہالت، فرسودہ رسم و رواج اور قومی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس دور میں ہندوستانی سماج سیاسی بیداری کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہا تھا اور پریم چند کا قلم بھی ان تبدیلیوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ ان کی اصلاحی فکر رفتہ رفتہ قومی اور سماجی شعور میں تبدیل ہونے لگی۔

''بازارِ حسن'' پریم چند کا ایک اہم اور ضخیم ناول ہے۔ اس کا بنیادی موضوع طوائف کی زندگی، حسن فروشی اور متوسط طبقے کے سماجی مسائل ہیں۔ پریم چند سے پہلے بھی اردو میں طوائف کی زندگی کو موضوع بنایا جا چکا تھا، لیکن پریم چند نے اس مسئلے کو معاشرتی اصلاح کے وسیع تر تناظر میں دیکھا۔ ان کے یہاں طوائف محض رومان یا جنسی کشش کا کردار نہیں بلکہ ایسے سماجی نظام کی پیداوار ہے جس میں عورت کی زندگی معاشی اور معاشرتی جبر سے متاثر ہوتی ہے۔ اگرچہ اس ناول میں بعض مقامات پر اصلاحی جذبہ حقیقت نگاری پر غالب آ جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود ''بازارِ حسن'' پریم چند کی ناول نگاری کا ایک اہم حصہ ہے۔

''گوشۂ عافیت'' میں پریم چند کی توجہ زیادہ واضح طور پر دیہی زندگی کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس ناول میں کسان، زمیندار، سرکاری نظام اور دیہی معاشرت کے باہمی تعلقات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں گاندھیائی فکر کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ کسان کے اندر ظلم کے خلاف مزاحمت کا جذبہ، قومی بیداری، تعلیم کی اہمیت اور دیہی اصلاح جیسے موضوعات اس ناول کو محض

ایک قصہ نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے اپنے عہد کی سماجی اور سیاسی زندگی کا آئینہ بنادیتے ہیں۔ گاؤں میں لائبریری کا قیام، اخباروں کا پہنچنا اور لوگوں کا اپنے گردو پیش کے مسائل سے باخبر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ پریم چند دیہی ہندوستان کو جدید شعور سے جوڑنا چاہتے تھے۔

''نرملا'' میں عورت کی زندگی کے ان مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے جو ہندوستانی معاشرت کی بعض فرسودہ روایات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہیز، بے جوڑ شادی، کم عمری کی شادی اور عورت کی مجبوری اس ناول کے بنیادی مسائل ہیں۔ نرملا کی شادی ایک ایسے شخص سے کردی جاتی ہے جو عمر میں اس سے بہت بڑا ہے۔ اس ناموزوں ازدواجی رشتے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفسیاتی پیچیدگیاں پورے خاندان کو تباہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ پریم چند نے یہاں محض ایک عورت کی داستان نہیں لکھی بلکہ اس سماجی نظام پر سوال اٹھایا ہے جو عورت کو اپنی زندگی کے فیصلوں سے محروم کردیتا ہے۔

''چوگانِ ہستی'' پریم چند کی فنی ترقی کا ایک اہم سنگِ میل ہے۔ اسے پریم چند نے ایک مرحلے پر اپنا بہترین ناول قرار دیا تھا۔ اس میں صنعتی تہذیب، سرمایہ، دیہی زندگی اور بدلتے ہوئے ہندوستانی معاشرے کے مسائل زیرِ بحث آتے ہیں۔ سورداس اس ناول کا یادگار کردار ہے جو گاندھیائی عدم تشدد اور سچائی کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ پریم چند کو صنعتی تہذیب کے اس پہلو سے تشویش تھی جو انسان کو مشینی زندگی اور سرمایہ دارانہ مفادات کا غلام بنادیتا ہے۔ سورداس کے کردار کے ذریعے وہ یہ دکھاتے ہیں کہ اخلاقی قوت اور سچائی بھی ظلم کے مقابلے میں ایک طاقت بن سکتی ہے۔

''پردۂ مجاز'' میں پریم چند نے سیاسی اور سماجی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ ہندو مسلم کشیدگی، کسان اور زمیندار کے تعلقات، جاگیردارانہ نظام اور انسانی استحصال جیسے مسائل اس ناول میں سامنے آتے ہیں۔ پریم چند فرقہ وارانہ کشمکش کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک ہندوستانی معاشرے کی ترقی باہمی نفرت میں نہیں بلکہ انسانی اتحاد اور اخلاقی اصلاح میں ممکن تھی۔

''غبن'' متوسط طبقے کی معاشی زندگی، زیورات کے شوق، نمود و نمائش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اخلاقی اور معاشی پیچیدگیوں کو پیش کرتا ہے۔ یہ ناول عورت کی نفسیات، خواہش، خودداری اور قربانی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔ رماناتھ کا کردار متوسط طبقے کے اس شخص کی نمائندگی کرتا ہے جو سماجی دکھاوے، خواہش اور مالی کمزوری کے درمیان پھنس جاتا ہے۔ یوں ''غبن'' محض زیورات کے شوق کی کہانی نہیں بلکہ متوسط طبقے کی نفسیاتی اور اقتصادی زندگی کا مطالعہ بن جاتا ہے۔

''میدانِ عمل'' میں پریم چند کا قومی اور سیاسی شعور پوری قوت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک، نوجوانوں کی سیاسی بیداری، کسانوں اور مزدوروں کی جدوجہد اور عام آدمی کی قومی زندگی میں شرکت اس ناول کے اہم پہلو ہیں۔

یہ ناول اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں پریم چند کی مثالیت پسندی رفتہ رفتہ حقیقت پسندی کی طرف بڑھتی دکھائی دیتی ہے۔ آزادی کی تحریک یہاں محض سیاسی واقعہ نہیں بلکہ ہندوستانی سماج کے مختلف طبقات کے شعور کی بیداری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

پریم چند کی ناول نگاری کا نقطۂ عروج ''گئودان'' ہے۔ یہ ان کا آخری مکمل اور سب سے زیادہ معروف ناول ہے۔ اسے 1932ء میں لکھنا شروع کیا گیا، 1935ء میں مکمل ہوا اور 1936ء میں شائع ہوا۔ ''گئودان'' ہندوستانی کسان کی زندگی، اس کے معاشی استحصال، مذہبی دباؤ، سماجی ناانصافی اور مسلسل محرومی کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جس نے اسے اردو اور ہندی ناول کی تاریخ میں ایک بلند مقام عطا کیا۔ یہ ناول محض ایک کسان کی داستان نہیں بلکہ پورے ہندوستانی دیہی معاشرے کا المیہ ہے۔

''گئودان'' کا مرکزی کردار ہوری ہے۔ ہوری ایک معمولی کسان ہے جس کے پاس چند بیگھہ زمین ہے اور جس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب یہ ہے کہ اس کے گھر کے دروازے پر ایک گائے بندھی ہو۔ یہ خواہش بظاہر معمولی ہے لیکن پریم چند نے اسی معمولی خواہش کو ہندوستانی کسان کی تہذیبی، مذہبی اور معاشی زندگی کی بڑی علامت بنا دیا ہے۔ ہوری اپنی غربت کے باوجود عزت، خاندان اور سماجی تعلقات کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی زندگی مسلسل قرض، جرمانے، سماجی دباؤ اور معاشی استحصال کی زد میں رہتی ہے۔

ہوری کی بیوی دھنیا اس کے کردار کا ایک مضبوط توازن پیش کرتی ہے۔ جہاں ہوری سماجی روایات، برادری اور مذہبی دباؤ کے سامنے جھک جاتا ہے، وہاں دھنیا میں مزاحمت اور خودداری کی قوت موجود ہے۔ اس طرح پریم چند نے ایک ہی خاندان کے اندر دو مختلف ذہنی رویوں کو پیش کیا ہے۔ ہوری کی خاموش برداشت اور دھنیا کی مزاحمت ہندوستانی دیہی معاشرے کی دو اہم نفسیاتی کیفیتوں کی علامت بن جاتی ہیں۔

ہوری کے بیٹے گوبر کا کردار نئی نسل کی نمائندگی کرتا ہے۔ گوبر اپنے باپ اور دوسرے کسانوں کی حالت دیکھ کر اس نظام سے بغاوت کا جذبہ رکھتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ زمیندار، ساہوکار، ٹھیکیدار اور سرکاری اہل کار سب مل کر کسان کا استحصال کر رہے ہیں۔ شہر جانے کے بعد اس کی سوچ میں مزید تبدیلی آتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہوری اور اس جیسے کسان صبر، قناعت اور روایتی سماجی بندھنوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ یوں گوبر اور ہوری کے درمیان صرف باپ بیٹے کا رشتہ نہیں بلکہ دو نسلوں اور دو مختلف ذہنی رویوں کی کشمکش بھی دکھائی دیتی ہے۔

ہوری کی گائے کی خواہش اس کے لیے خوشی کے بجائے نئی مصیبتوں کا آغاز کرتی ہے۔ وہ بھولا اہیر سے گائے حاصل کرتا ہے، مگر اس کا بھائی ہیرا حسد کے باعث گائے کو زہر دے دیتا ہے۔ اس واقعے کے بعد ہوری پر جرمانے اور قرض کا بوجھ بڑھ جاتا

ہے۔ دوسری طرف گوبر کا جھونیا سے تعلق بھی ہوری کے لیے سماجی مشکلات پیدا کرتا ہے۔ برادری اور مذہبی ٹھیکیدار اس معاملے کو جرم قرار دیتے ہیں اور ہوری کو مزید معاشی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اس طرح پریم چند نے دکھایا ہے کہ غریب انسان کی زندگی میں ذاتی مسئلہ بھی کس طرح سماجی اور معاشی استحصال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہوری کی زندگی میں قرض کا مسئلہ سب سے بنیادی مسئلہ ہے۔ وہ محنت کرتا ہے لیکن اس کی محنت کا پھل اس کے ہاتھ نہیں آتا۔ ساہوکار، زمیندار اور مذہبی ٹھیکیدار سب اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بیٹیوں کی شادی، خاندان کی ضروریات اور زمین بچانے کی کوشش اسے قرض کے ایسے چکر میں پھنسا دیتی ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ یہاں پریم چند نے کسان کی غربت کو محض ہمدردی کے جذبے سے نہیں بلکہ ایک پورے استحصالی نظام کے نتیجے کے طور پر پیش کیا ہے۔

ناول کے اختتام پر ہوری کی موت اس پورے المیے کو اپنی انتہا تک پہنچا دیتی ہے۔ زندگی بھر گائے رکھنے کی خواہش رکھنے والا ہوری مرتے وقت بھی گائے سے محروم ہے۔ اس کے مرنے کے بعد پنڈت داتادین گئودان کے لیے اصرار کرتا ہے، لیکن دھنیا کے پاس نہ گائے ہے، نہ بچھیا اور نہ پیسہ۔ وہ جو تھوڑے سے پیسے دستیاب ہیں وہی ہوری کے ہاتھ میں رکھ کر کہتی ہے کہ یہی اس کا گئودان ہے۔ اس منظر میں پریم چند نے مذہبی رسوم، غربت، استحصال اور انسانی المیے کو اس شدت سے یکجا کر دیا ہے کہ پورا ناول ایک گہری خاموشی پر ختم ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ علی سردار جعفری کے نزدیک پریم چند نے یہاں نہایت سچی اور بے رحم حقیقت نگاری سے کام لیا ہے اور ہوری کی موت پر ناول کا اختتام ایک گہرے سناٹے کو جنم دیتا ہے۔

''گئودان'' کی عظمت صرف اس کی کہانی میں نہیں بلکہ اس کے وسیع سماجی کینوس میں بھی ہے۔ ناول میں دیہی اور شہری دونوں زندگیوں کو جگہ دی گئی ہے۔ کسان، مزدور، زمیندار، ساہوکار، پنڈت، متوسط طبقہ، تعلیم یافتہ طبقہ اور شہری معاشرہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس طرح ''گئودان'' ہندوستانی معاشرے کی طبقاتی ساخت کا وسیع مطالعہ بن جاتا ہے۔ پریم چند نے دکھایا ہے کہ ایک کسان کا مسئلہ محض اس کے کھیت تک محدود نہیں رہتا بلکہ مذہب، سیاست، معیشت، خاندان اور سماج کے تمام ادارے اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

پریم چند کی سب سے نمایاں خصوصیت حقیقت نگاری ہے۔ ان کے سامنے زندگی کا کوئی خیالی یا مصنوعی تصور نہیں بلکہ جیتی جاگتی ہندوستانی زندگی تھی۔ انھوں نے غربت، بھوک، قرض، بیماری، بے روزگاری، عورت کی مظلومیت، کسان کی بدحالی اور سماجی استحصال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خود احتیاج اور معاشی مشکلات کا تجربہ رکھنے کے سبب وہ عام آدمی کے دکھ کو زیادہ گہرائی سے سمجھ سکے۔ یہی تجربہ ان کی حقیقت نگاری کو محض مشاہدہ نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے انسانی ہمدردی اور سماجی شعور سے

وابستہ کر دیتا ہے۔ پریم چند کی حقیقت نگاری صرف ظاہری زندگی کی عکاسی نہیں بلکہ انسانی نفسیات کی حقیقت نگاری بھی ہے۔ ہوری، دھنیا، گوبر، جالپا، رماناتھ، سورداس اور ان جیسے دوسرے کردار محض کہانی کو آگے بڑھانے والے کردار نہیں بلکہ اپنے اپنے طبقے، ذہن اور عہد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہوری کے اندر بیک وقت خودداری، کمزوری، خوف، خواہش، مذہبی عقیدہ، سماجی دباؤ اور خاندان کی محبت موجود ہے۔ اسی طرح دھنیا میں غصہ، خودداری، محبت اور مزاحمت ایک ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ اس نفسیاتی پیچیدگی نے پریم چند کے کرداروں کو جاندار اور یادگار بنادیا ہے۔

پریم چند کی دوسری بڑی خصوصیت مقصدیت ہے۔ ان کے ناول کسی نہ کسی سماجی یا اخلاقی مسئلے کو ضرور سامنے لاتے ہیں، لیکن ان کی مقصدیت محض وعظ یا نصیحت تک محدود نہیں۔ وہ زندگی کے اندر سے مسئلہ نکالتے ہیں اور پھر کرداروں اور واقعات کے ذریعے اس کی سنگینی ظاہر کرتے ہیں۔ بیوہ کی شادی، جہیز، طوائف کا مسئلہ، مذہبی استحصال، کسانوں کی بدحالی، طبقاتی ناانصافی، قومی آزادی اور فرقہ وارانہ کشیدگی جیسے موضوعات ان کے اسی وسیع مقصدی شعور کی علامت ہیں۔ نذیر احمد اور عبدالحلیم شرر کے یہاں بھی مقصدیت ملتی ہے، لیکن پریم چند کے یہاں مقصدیت کا دائرہ زیادہ وسیع اور زندگی سے زیادہ قریب ہے۔

پریم چند کو محض انقلابی ادیب قرار دینا بھی ان کی فکر کو محدود کرنا ہوگا۔ وہ بنیادی طور پر ایک حساس، اصلاح پسند اور باشعور انسان تھے۔ وہ توہم پرستی، چھوت چھات، مذہبی تعصب، سماجی تفرقہ، استحصال اور ناانصافی کے مخالف تھے۔ گاندھیائی فکر نے ان کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا، خصوصاً سچائی، عدم تشدد، قومی خدمت، دیہی زندگی اور اخلاقی اصلاح کے حوالے سے۔ تاہم ان کے فکری سفر میں تدریجی تبدیلی بھی نظر آتی ہے۔ ابتدائی دور کی اصلاح پسندی آگے چل کر وسیع سماجی شعور اور حقیقت نگاری میں تبدیل ہوتی ہے اور ''گئودان'' تک پہنچ کر زندگی کی پیچیدگیوں کو زیادہ گہری اور بے رحم حقیقت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔

پریم چند کی ناول نگاری کا ایک اہم پہلو ان کی دیہی مرقع کشی ہے۔ ہندوستان کے گاؤں، کھیت، کسان، مویشی، موسم، تہوار، رسم ورواج، غربت، باہمی تعلقات اور طبقاتی تقسیم ان کے یہاں محض پس منظر نہیں بلکہ کہانی کا فعال حصہ ہیں۔ ان کے ناولوں میں ہندوستان کی مٹی کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے عام کسان، مزدور اور غریب انسان کو ادب کا مرکزی کردار بنا کر اردو ناول کے دائرے کو غیر معمولی وسعت عطا کی۔ قمر رئیس کے مطابق پریم چند نے ہندوستانی گاؤں کے کسانوں، کھیت مزدوروں اور محروم طبقات کی عظمت اور وقار کو سمجھا اور انھیں ادب کے کشادہ دروازے کھول دیے۔ اس عمل سے اردو کا افسانوی ادب شہر کے اعلیٰ اور متوسط طبقے کی محدود ترجمانی سے نکل کر پورے ملک کی متحرک زندگی کا جاندار مرقع بن گیا۔

پریم چند کی زبان بھی ان کی عظمت کا ایک اہم سبب ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، رواں، فطری اور عام فہم ہے۔ انھوں نے تصنع اور غیر ضروری لفظی آرائش سے گریز کیا۔ کسانوں، مزدوروں، عورتوں، متوسط طبقے اور مختلف سماجی طبقات کے لیے ان کی زبان اور اندازِ گفتگو میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ ان کے مکالمے بعض اوقات طویل ضرور ہو جاتے ہیں، لیکن ان میں زندگی کی حرارت اور کرداروں کی فطری آواز سنائی دیتی ہے۔ خصوصاً ''گئودان'' میں دیہاتی زبان اور روزمرہ کے استعمال نے کرداروں کو حقیقت کے بہت قریب کر دیا ہے۔

جزئیات نگاری بھی پریم چند کے فن کا ایک نمایاں وصف ہے۔ وہ معمولی سے معمولی واقعے، ماحول یا حرکت کو بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ مجموعی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ ان کی مرقع کشی میں محض منظر نگاری نہیں بلکہ سماجی شعور بھی شامل ہے۔ جب وہ کسی گاؤں، کھیت یا گھر کی تصویر بناتے ہیں تو ساتھ ہی اس کے اندر موجود طبقاتی تعلقات اور معاشی ناہمواری بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی منظر نگاری محض خوب صورتی پیدا نہیں کرتی بلکہ معنی بھی پیدا کرتی ہے۔

پریم چند کی کہانی کہنے کا انداز بنیادی طور پر سیدھا اور روایتی ہے، مگر اس سادگی میں ایک خاص فنکارانہ قوت موجود ہے۔ وہ پیچیدہ واقعات کو بھی اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ ''گئودان'' میں مختلف کرداروں اور واقعات کو ایک وسیع سماجی تناظر میں جوڑنے کی ان کی صلاحیت ان کے فنی کمال کی دلیل ہے۔ ان کے ناولوں میں کہیں کہیں واقعات کی طوالت یا مثالی کرداروں کی تشکیل جیسی کمزوریاں ضرور ملتی ہیں، لیکن مجموعی طور پر ان کی فنی قوت ان خامیوں پر غالب آ جاتی ہے۔

پریم چند کی ظرافت بھی ان کے فن کا ایک خوش گوار پہلو ہے۔ وہ زندگی کے انتہائی سنجیدہ اور الم ناک حالات میں بھی انسانی رویوں کی ایسی تصویریں پیش کرتے ہیں جن میں ہلکی سی ظرافت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ظرافت الگ سے دکھائی نہیں دیتی بلکہ کردار، واقعے اور مکالمے کے اندر گھلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس سے ان کی تحریر میں زندگی کا توازن برقرار رہتا ہے اور مسلسل المیہ کیفیت بوجھل نہیں ہونے پاتی۔

پریم چند کے ناولوں کا مطالعہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ان کے فکری نظریات جامد نہیں تھے بلکہ مسلسل ارتقا پذیر تھے۔ ابتدائی ناولوں میں اصلاحی جذبہ زیادہ نمایاں ہے، بعد کے ناولوں میں قومی اور سیاسی شعور مضبوط ہوتا جاتا ہے اور آخر کار ''گئودان'' میں وہ حقیقت نگاری کی ایسی منزل تک پہنچتے ہیں جہاں زندگی کسی ایک نظریے یا اخلاقی فارمولے میں محدود نہیں رہتی۔ یہاں انسان اپنی تمام کمزوریوں، خواہشوں، مجبوریوں اور تضادات کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

''منگل سوتر'' پریم چند کا آخری نامکمل ناول ہے جسے انھوں نے اپنی علالت کے زمانے میں لکھنا شروع کیا، لیکن زندگی نے انھیں اسے مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ اس کے باوجود ان کے مکمل ناولوں کا سفر ''اسرارِ معابد'' سے ''گئودان'' تک ایک مکمل فنی اور فکری ارتقا کی داستان بن جاتا ہے۔ ابتدائی اصلاحی اور مثالی رجحانات رفتہ رفتہ حقیقت پسندانہ اور وسیع سماجی شعور میں تبدیل ہوتے ہیں اور ''گئودان'' میں اپنی بلند ترین شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

پریم چند کی اصل عظمت اس بات میں ہے کہ انھوں نے ادب کو زندگی سے الگ نہیں سمجھا۔ ان کے نزدیک ادیب کا کام صرف خوب صورت الفاظ میں کہانی سنانا نہیں بلکہ اپنے عہد کے انسان کو سمجھنا اور اس کے دکھ درد کو آواز دینا بھی ہے۔ انھوں نے ہندوستانی کسان، مزدور، عورت، غریب، محکوم اور محروم انسان کو ادب کے مرکز میں لا کر اردو ناول کو ایک نئی سمت عطا کی۔ ان کے ناولوں میں ہندوستان کی مٹی، موسم، گاؤں، کھیت، تہوار، رسم و رواج، غربت، بھوک، مذہبی عقائد، سیاسی تحریکیں اور سماجی کشمکش سب ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ اسی لیے پریم چند کو صرف ایک اصلاحی ناول نگار یا صرف ایک حقیقت پسند ادیب کہنا ان کے فن کی وسعت کو محدود کرنا ہوگا۔ وہ بیک وقت حقیقت پسند، اصلاح پسند، انسان دوست، سماجی شعور رکھنے والے اور قومی احساس سے سرشار فن کار تھے۔ ان کے یہاں ترقی پسند رجحانات بھی ملتے ہیں، گاندھیائی فکر بھی، اصلاحی جذبہ بھی اور انسانی نفسیات کی گہری بصیرت بھی۔ ان کا ذہنی ارتقا ہی ان کی ناول نگاری کے ارتقا کی بنیاد ہے۔

اردو ناول کی تاریخ میں پریم چند کا مقام اس لیے بھی منفرد ہے کہ انھوں نے اردو ناول کو اشرافیائی اور شہری زندگی کے محدود دائرے سے نکال کر ہندوستان کے عام انسان تک پہنچایا۔ انھوں نے کسان کو محض ایک پس منظر نہیں بلکہ ناول کا ہیرو بنایا، اس کی محرومی کو ادب کا موضوع بنایا اور اس کی زندگی کو فنی وقار عطا کیا۔ ''گئودان'' میں ہوری کی موت محض ایک فرد کی موت نہیں بلکہ اس پورے استحصالی نظام کی علامت ہے جس میں ایک محنت کش انسان ساری زندگی محنت کرنے کے باوجود اپنی بنیادی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا۔

الغرض پریم چند کی ناول نگاری اردو ادب میں ایک پورے عہد کی نمائندگی کرتی ہے۔ ''اسرارِ معابد'' سے شروع ہونے والا سفر ''بازارِ حسن''، ''گوشۂ عافیت''، ''نرملا''، ''چوگانِ ہستی''، ''میدانِ عمل'' اور دوسرے ناولوں سے گزرتا ہوا ''گئودان'' تک پہنچتا ہے اور یہاں ان کے فن، شعور، مشاہدے اور حقیقت نگاری کو نقطۂ عروج حاصل ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو ناول کو زندگی کی کھردری حقیقتوں، عام انسان کے دکھ، دیہی ہندوستان کی تہذیب اور سماجی ناانصافی سے جوڑ کر اسے ایک نئی معنویت عطا کی۔ ان کا قلم نہ صرف اپنے عہد کے ہندوستان کا ترجمان بنا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک ایسا ادبی سرمایہ چھوڑ

گیا جس میں ہندوستانی معاشرے کی ایک پوری تاریخ سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ پریم چند اردو کے عظیم ناول نگار ہی نہیں بلکہ جدید ہندوستانی ناول کے بنیادی معماروں میں شمار ہوتے ہیں،اور اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ان کا مقام ایسا ہے جسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔

4.2.1 میدانِ عمل کا تنقیدی مطالعہ

پریم چند کے ناول **"میدانِ عمل "** کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس ناول میں محض ایک کہانی بیان نہیں کی گئی بلکہ انیسویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں تک کے ہندوستان کے سیاسی، سماجی، تعلیمی، معاشی اور تہذیبی حالات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اگرچہ ناول کا زمانی پس منظر خاصا وسیع ہے، لیکن اس کے بنیادی فکری محرکات میں مغربی طرزِ تعلیم کی خامیاں، نوآبادیاتی نظام کی استحصالی صورت، ہندوستانی معاشرے میں پیدا ہونے والی طبقاتی و مذہبی کشمکش اور سب سے بڑھ کر سامراج کے خلاف عدمِ تشدد پر مبنی جدوجہد شامل ہیں۔پریم چند نے اپنے عہد کے سیاسی حالات کو محض تاریخی واقعات کی صورت میں پیش نہیں کیا بلکہ انھیں انسانی کرداروں، ان کے ذہنی ارتقا اور عملی جدوجہد کے ذریعے افسانوی شکل عطا کی ہے۔اسی لیے "میدانِ عمل" ایک سیاسی ناول ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی، تاریخی اور اقتصادی ناول بھی بن جاتا ہے۔

ناول کے پس منظر میں جس سیاسی فکر نے بنیادی کردار ادا کیا، اس کا تعلق ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور مہاتما گاندھی کی قیادت میں چلنے والی عدمِ تشدد کی تحریک سے ہے۔۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو یومِ آزادی کا ملک گیر اہتمام، پنڈت جواہر لال نہرو کی گرفتاری، ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی تحریک اور انگریزی حکومت کے مظالم اس عہد کی سیاسی فضا کی واضح عکاسی کرتے ہیں۔ یوسف سرمست اس پس منظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو یوم آزادی سارے ہندوستان میں انتہائی جوش و خروش سے منایا گیا۔اب پھر گاندھی جی کی قیادت میں جنگ آزادی لڑی جائے گی۔۔۔۔۔اسی زمانے میں صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو گرفتار ہو گئے اور یوم آزادی کی یہ جنگ تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ حکومت نے ناقابل بیان ظلم و ستم ڈھائے لیکن ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی یہ جنگ حیرت ناک عدم تشدد کے ساتھ برابر شدت اختیار کرتی گئی۔ "

یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، سپر پرنٹرز ساؤتھ انارکلی، دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۱-۲۲۰

اس سیاسی ماحول نے ''میدانِ عمل'' کی فکری تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ پریم چند نے اس ناول میں سیاسی واقعات کو براہِ راست تاریخ کے انداز میں بیان کرنے کے بجائے کرداروں اور واقعات کے ذریعے اس عہد کے ہندوستان کی اجتماعی نفسیات کو پیش کیا ہے۔ سامراجی حکومت کے ہتھکنڈے، عوام پر ہونے والے مظالم، ہندوستانیوں کی مزاحمت، آزادی کی خواہش اور عدمِ تشدد کے ذریعے استعماری قوت کا مقابلہ ناول کے بنیادی موضوعات میں شامل ہیں۔ اسی لیے ڈاکٹر حامد حسین نے بجا طور پر ''میدانِ عمل'' کو ہندوستان کی سیاسی زندگی کا آئینہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''میدان عمل محض ایک ناول ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے سیاسی تمدن کی تصویر اور ملک کی سیاسی تاریخ ہے۔''

حامد حسین، سید، ڈاکٹر، پریم چند کی ناول نگاری کا ارتقاء مشمولہ سہ ماہی 'جہانِ اردو، پریم چند نمبر، مرتبہ ڈاکٹر مشتاق احمد

''میدانِ عمل'' پریم چند کے عہدِ عروج کی تخلیق ہے اور اس میں ان کی فکری پختگی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ یہ ناول ایک ہی وقت میں سیاسی، سماجی، تاریخی اور اقتصادی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ پریم چند کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہ صرف خارجی حالات کی تصویر کشی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان حالات کے نتیجے میں کرداروں کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ ناول کے کردار ابتدا میں مختلف ذہنی، تہذیبی اور سیاسی تصورات کے حامل نظر آتے ہیں، لیکن بدلتے ہوئے حالات انھیں ایک نئی فکری منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک طرف مغربی تہذیب اور نوآبادیاتی نظام کے اثرات سے متاثر کردار ہیں تو دوسری طرف ان اثرات کے خلاف مزاحمت کرنے والے کردار بھی موجود ہیں۔ اس کشمکش کے نتیجے میں کرداروں کے اندر شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ قومی آزادی کی جدوجہد سے وابستہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ناول کا مرکزی کردار **امر کانت** اسی فکری کشمکش کی سب سے نمایاں مثال ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے، لیکن مغربی طرزِ تعلیم، مادہ پرستی اور نوآبادیاتی نظام سے سخت اختلاف رکھتا ہے۔ اس کی نظر میں ہندوستان کی حقیقی روح اس کی مشرقی تہذیب، روحانی اقدار اور انسانی ہمدردی میں پوشیدہ ہے۔ وہ اس نظامِ تعلیم کو بھی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جو غریب عوام کے لیے تعلیم کے دروازے بند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم انسان کو آزاد اور باشعور بنانے کا ذریعہ ہونی چاہیے، نہ کہ دولت مند طبقے کی اجارہ داری۔ پریم چند نے امر کانت کے ذریعے نوآبادیاتی تعلیمی نظام پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

'ہماری تعلیم گاہوں میں جتنی سختی سے فیس وصول کی جاتی ہے اتنی سختی سے شاید کاشتکاروں سے مالگزاری بھی وصول نہیں کی جاتی۔ ''

پریم چند، میدانِ عمل، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰، ص ۱۰

امر کانت کی یہ سوچ صرف تعلیمی نظام تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ مغربی تہذیب کے ان اثرات کو بھی رد کرتا ہے جو ہندوستانی معاشرے میں مادہ پرستی، خود غرضی اور استحصال کو فروغ دے رہے تھے۔ پریم چند کے نزدیک مغربی تعلیم کا ایک بڑا المیہ یہ تھا کہ اس نے ایسے افراد پیدا کیے جو ذہنی طور پر اپنے ہی معاشرے سے کٹ گئے تھے اور حکمران طبقے کی تہذیب و اقدار کو ترقی کی علامت سمجھنے لگے تھے۔ امر کانت اسی صورتِ حال کے خلاف آواز اٹھاتا ہے:

''یہی ہماری مغربی تعلیم کا معیار ہے، جس کی تعریفوں کے پل باندھے جاتے ہیں۔ اگر ایسی تعلیم گاہوں سے پیسے پر جان دینے والے، پیسے کے لیے فریالیوں کا گلا کاٹنے والے اپنے ضمیر تک کا خون کرنے والے طلبہ نکلتے ہیں، تو تعجب ہی کیا ہے۔ ''

یہاں پریم چند کی تنقید صرف انگریزی تعلیم پر نہیں بلکہ اس ذہنی غلامی پر ہے جو نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ہندوستانی معاشرے میں پیدا کی جا رہی تھی۔ سلیم اور امر کانت کے مکالمے میں بھی مغربی تہذیب اور اس کے اثرات پر یہی تنقیدی رویہ سامنے آتا ہے:

سلیم: ''آج چلے میں آؤ گے؟''

امر کانت: ''مضمون کیا ہے مجھے یاد نہیں؟''

سلیم: ''اجی وہی مغربی تہذیب ہے''!

امر کانت: ''تو دو چار پوائنٹ بتا دو میں کہوں گا کیا''

سلیم: ''بتاتا کیا ہے۔ مغربی تہذیب کی برائیاں ہم سب جانتے ہیں''

امر کانت: ''تم جانتے ہو گے مجھے تو ایک بھی نہیں معلوم''

سلیم: ''ایک تو مغربی تعلیم ہی ہے، جہاں دیکھو وہیں دکان داری، عدالت میں دکان، علم کی دکان، صحت کی دکان۔ اس ایک پوائنٹ پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔''

اس مکالمے میں پریم چند نے نہایت سادہ اور طنزیہ انداز میں مغربی تہذیب کے اس پہلو کو نمایاں کیا ہے جس میں انسانی ضرورتیں بھی تجارت کا سامان بن جاتی ہیں۔ تعلیم، قانون اور صحت جیسے بنیادی شعبے بھی عوامی خدمت کے بجائے منافع کے ذرائع بن جاتے ہیں۔ یہی مادہ پرستی پریم چند کے نزدیک نوآبادیاتی تہذیب کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

مغربی تہذیب کا اثر صرف تعلیم یافتہ طبقے تک محدود نہیں تھا بلکہ ہندوستان کے جاگیردار، سرمایہ دار اور مراعات یافتہ طبقے بھی اس تہذیب کے نمائندہ بننے لگے تھے۔ انگریزی لباس، زبان، رہن سہن اور طرزِ معاشرت کو ترقی اور شائستگی کی علامت سمجھا جانے لگا تھا۔ سکھدا اپنی نند نینا سے اس صورتِ حال پر گفتگو کرتے ہوئے نوآبادیاتی ذہنیت پر یوں تنقید کرتی ہے:

''آپ انگریزی تہذیب کے علم بردار بنتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ انگریزی لباس اور شعار ہی اس تہذیب کی خاص صفت ہے؟ نہیں۔ بلکہ عورتوں کی عزت کرنا اب تک آپ نہیں سیکھ سکے۔ کوئی شریف عورت نفع کے لیے اتنی بے غیرت بننا قبول نہ کرے گی۔ ''

اس طرح ''میدانِ عمل'' میں مغربی تہذیب کی مخالفت محض ظاہری لباس یا رہن سہن تک محدود نہیں بلکہ اس کے تہذیبی اور اخلاقی اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ پریم چند کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ محض انگریزی طرزِ زندگی اختیار کر لینے سے انسان مہذب نہیں ہو جاتا۔ حقیقی تہذیب انسان کے رویے، اخلاق اور دوسروں کے ساتھ اس کے برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے۔

امر کانت کے کردار میں پریم چند نے ایک ایسے نوجوان کی داخلی تبدیلی کو پیش کیا ہے جو ابتدا میں اپنے خیالات کی سطح پر نظام سے اختلاف کرتا ہے، لیکن حالات کے تجربات اسے عملی جدوجہد کی طرف لے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی نے امر کانت کے اسی فکری اور عملی ارتقا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان کا ایک ناول ''میدانِ عمل'' شائع ہوا۔ اس ناول کا ہیرو امر کانت ایک نادار اور حقیر نوجوان ہے لیکن حالات کا ایک ہی جھونکا اس کے نہاں خانہ دل میں چھپی ہوئی ازلی چنگاری کو ہوا دیتا ہے اور یہی چنگاری ایک قیامت خیز شعلہ بن کر فرسودہ نظام حیات کو خس و خاشاک کی طرح جلا دیتی ہے۔ ''

ڈاکٹر عطش درانی اصنافِ اردو کی مختصر تاریخ ۱۹۸۶ ص ۱۲۲

امر کانت کی جدوجہد دراصل پریم چند کے اس تصور کی ترجمان ہے کہ آزادی صرف خیالات کی دنیا میں حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کے لیے عملی میدان میں اترنا ضروری ہے۔ اسی لیے ناول کا عنوان بھی معنی خیز ہے۔ ''میدانِ عمل'' سے مراد محض زندگی کا میدان نہیں بلکہ وہ عملی میدان ہے جہاں انسان اپنے نظریات کو آزمانے اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔

پریم چند نے ناول میں نوآبادیاتی حکومت کے ظلم و جبر کو بھی مختلف واقعات کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ انگریز حکومت ہندوستانی عوام کو اپنے اقتدار کے تابع رکھنے کے لیے قانون، پولیس اور فوجی طاقت کا سہارا لیتی تھی۔ غریب عوام پر ظلم، بے گناہوں کی گرفتاری، معاشی استحصال اور قانون کے نام پر ناانصافی اس نظام کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ بھکارن کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اسی ظلم کی ایک انتہائی تکلیف دہ مثال ہے۔ تین انگریز سپاہیوں کے ہاتھوں اس کی عصمت دری اور پھر انصاف کے

حصول کے لیے اس کی جدوجہد پریم چند کے شدید ردِ استعماری رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ سرحدی پٹھان عجب خان آفریدی اور مسز ایلس کا واقعہ بھی نوآبادیاتی حکومت کی یک طرفہ پالیسی کو ظاہر کرتا ہے:

''ایک گوری عورت کو سرحد کا کوئی پٹھان لے گیا تھا۔ سرکار نے اس کا بدلہ لینے کے لیے سرحد پر حملے کی تیاری کر دی تھی۔ مجرم کون ہے کسی نے پوچھا تک نہیں۔ سرکار کی نظر میں سارے صوبہ پر الزام عائد ہوتا تھا۔ ''

یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نوآبادیاتی حکومت قانون اور انصاف کے نام پر اپنے سیاسی مفادات کو تحفظ دیتی تھی۔ مقامی لوگوں کے لیے قانون ایک جبر کا وسیلہ تھا، جب کہ حکمران طبقہ اسی قانون کو اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔

تاہم پریم چند نے ہندوستانی عوام کو محض مظلوم اور بے بس بنا کر پیش نہیں کیا۔ ان کے ناول میں مزاحمت کا ایک مضبوط جذبہ بھی موجود ہے۔ عدالت میں بھکارن کی پیشی کے موقع پر ہزاروں ہندوستانیوں کا اس کے حق میں جمع ہونا اس اجتماعی شعور کی علامت ہے جو آہستہ آہستہ نوآبادیاتی اقتدار کے خلاف بیدار ہو رہا تھا۔ یہاں پریم چند یہ دکھاتے ہیں کہ سامراجی طاقت بظاہر کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، جب عوام متحد ہو جائیں تو اس کی بنیادیں متزلزل ہو سکتی ہیں۔

ناول میں **ڈاکٹر شانتی کمار** کا کردار بھی اسی قومی اور ردِ استعماری شعور کا نمائندہ ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی ہندوستان کی قومی بیداری اور آزادی کے لیے وقف کر دی ہے۔ ان کی جدوجہد صرف انگریزوں کے خلاف نہیں بلکہ ہندوستانی معاشرے کے اندر موجود مذہبی، سماجی اور طبقاتی تفریق کے خلاف بھی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی عوام اپنے باہمی اختلافات کو ختم کر کے آزادی کی مشترکہ جدوجہد میں شامل ہوں۔ مذہبی اور سماجی مساوات کے حوالے سے وہ کہتے ہیں:

''کیا تم ایشور کے گھر سے ہمیشہ کے لیے غلامی کا پتہ لے کر آئے ہو؟ تم دل و جان سے دوسروں کی خدمت کرتے ہو، مگر تم غلام ہو، تمھاری کوئی جگہ نہیں۔ تم سماج کی بنیاد ہو، لیکن تمھاری کوئی قدر نہیں۔ تم مندروں میں نہیں جا سکتے۔ ایسی زبردستی اس بدنصیب ملک کے سوا اور کہاں ہو سکتی ہے۔ کیا تم اس طرح مظلوم اور پامال ہی رہنا چاہتے ہو۔ ''

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پریم چند کے نزدیک قومی آزادی کا تصور صرف انگریزوں سے سیاسی آزادی حاصل کرنے تک محدود نہیں تھا۔ وہ سماجی غلامی، چھوت چھات، مذہبی تعصب اور طبقاتی امتیاز سے آزادی کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لیے ''میدانِ عمل'' میں آزادی کی تحریک ایک وسیع انسانی اور سماجی آزادی کی تحریک بن جاتی ہے۔

پریم چند نے نوآبادیاتی نظام کے مقامی سہولت کاروں کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ نئے تعلیم یافتہ طبقے کے بعض افراد، زمیندار، مذہبی پیشوا، پولیس اہلکار اور دوسرے بااثر لوگ اپنے مفادات کے لیے انگریزی حکومت کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر ہندوستانی ہوتے ہیں لیکن ان کے مفادات نوآبادیاتی اقتدار سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اشرف اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نئے تعلیم یافتہ پروفیسر ڈاکٹر اور وکیل جن کے پس پشت کوئی بہت اعلیٰ روایت نہیں ہے لیکن حکمران طبقے کی زبان و تہذیب کے زیر اثر کمزور طبقے کو ایک بلند مقام سے دیکھتے ہیں۔ پنڈت اور مہنت جو مذہب کو اپنے مفاد عیش و آرام کے لیے استعمال کرتے ہیں اور غریب و کمزور عام کو اپنے جال میں پھنسائے رکھنے کے لیے مقامی زمینداروں اور پولیس افسروں کے ساتھ مل کر اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے مسائل پریم چند کے ناولوں میں پہلی بار پوری شدت اور تفصیل کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ''

ڈاکٹر خالد اشرف برصغیر میں اردو ناول ص ۱۹

یہاں پریم چند کی تنقید کی وسعت نمایاں ہوتی ہے۔ وہ صرف غیر ملکی حکمران کو ذمہ دار قرار نہیں دیتے بلکہ ان مقامی عناصر کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو اپنی قوم کے استحصال میں سامراجی نظام کا ساتھ دیتے ہیں۔ امر کانت جب لگان دینے سے انکار کرتا ہے اور عملی مزاحمت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو سلیم اسے حالات کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتا ہے:

''اس کا نتیجہ کیا ہے، جانتے ہو، گاؤں کے گاؤں برباد ہو جائیں گے۔ فوجی قانون نافذ کر دیا جائے گا۔ پولیس تعینات کر دی جائے گی۔ فصلیں نیلام کر دی جائیں گی۔ زمینیں ضبط ہو جائیں گی۔ مذاق نہیں ہے۔ ''

اس گفتگو میں ایک طرف نوآبادیاتی جبر کا خوف ہے اور دوسری طرف مزاحمت کا جذبہ۔ یہی کشمکش پورے ناول میں مختلف شکلوں میں موجود رہتی ہے۔ ابتدا میں بہت سے کردار حالات سے سمجھوتا کرتے ہیں، لیکن رفتہ رفتہ ان کے اندر آزادی کا شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ مزاحمت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ امر کانت کے اندر پیدا ہونے والا یہ انقلابی شعور ناول کے فکری ارتقا کی بنیاد ہے۔ پریم چند لکھتے ہیں:

''امر کانت کے سینے میں انقلاب کا طوفان اٹھ رہا تھا، اس کا بس چلتا تو آج ہی مالداروں کا خاتمہ کر دیتا۔ جو دنیا کو جہنم بنائے ہوئے ہیں۔ ''

اس اقتباس میں امر کانت کے اندر موجود شدید اضطراب اور انقلابی جذبہ سامنے آتا ہے۔ تاہم پریم چند کا انقلاب محض تشدد پر مبنی انقلاب نہیں ہے۔ ان کے فکری نظام میں گاندھیائی عدمِ تشدد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ ظلم کے خلاف مزاحمت چاہتے ہیں، لیکن اس مزاحمت کا مقصد انسان کو تباہ کرنا نہیں بلکہ ظلم کے نظام کو ختم کرنا ہے۔ اسی لیے ''میدانِ عمل'' میں انقلاب اور عدمِ تشدد ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون دکھائی دیتے ہیں۔

ناول کی ایک اہم خصوصیت کرداروں کا ذہنی ارتقا ہے۔ امر کانت کے علاوہ سلیم، سکھدا، امادیوی، سکینہ، پٹھانی، ڈاکٹر شانتی کمار اور دوسرے کردار بھی بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اپنے خیالات تبدیل کرتے ہیں۔ ابتدا میں بعض کردار نوآبادیاتی نظام سے متاثر یا خوف زدہ نظر آتے ہیں، لیکن جب انھیں ظلم کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے تو وہ مزاحمت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سلیم بھی اسی ذہنی تبدیلی کی مثال ہے۔ ابتدا میں وہ سامراجی نظام کے قریب نظر آتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ قومی شعور اسے آزادی کی تحریک سے وابستہ کر دیتا ہے۔

یہاں پریم چند نے مرد کرداروں کے مقابلے میں نسوانی کرداروں کو بھی خاصی فعال اور متحرک حیثیت دی ہے۔ سکھدا، امادیوی، سکینہ اور پٹھانی جیسے کردار صرف گھریلو زندگی تک محدود نہیں رہتے بلکہ قومی اور سماجی جدوجہد میں عملی طور پر حصہ لیتے ہیں۔ وہ گرفتاری، ظلم اور موت تک کا سامنا کرنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔ نینا کا کردار بھی اسی المیے کی نمائندگی کرتا ہے جہاں ایک عورت اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی تضادات کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ اس طرح پریم چند نے عورت کو محض مظلوم کردار کے طور پر نہیں بلکہ تاریخ کے فعال کردار کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔

''میدانِ عمل'' میں ہندو مسلم اتحاد بھی نہایت اہم فکری پہلو ہے۔ پریم چند نے آزادی کی جدوجہد کو کسی ایک مذہب یا طبقے کی تحریک نہیں بنایا بلکہ اسے پورے ہندوستان کی مشترکہ جدوجہد کے طور پر پیش کیا ہے۔ ہندو اور مسلمان کردار مختلف مقامات پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس سے پریم چند کا یہ یقین ظاہر ہوتا ہے کہ سامراجی قوت کا مقابلہ مذہبی تفریق کے ذریعے نہیں بلکہ قومی اتحاد کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے ناول اپنے عہد کے سیاسی حالات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ آج بھی ایک اہم سماجی پیغام رکھتا ہے۔

ناول کا فکری دائرہ صرف سیاسی آزادی تک محدود نہیں بلکہ اس میں ہندوستانی معاشرے کے طبقاتی مسائل بھی پوری شدت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ غریب کسان، مزدور، بھکارن، نچلے طبقے کے افراد اور محروم انسان پریم چند کے خصوصی موضوع ہیں۔ ان کے ہاں آزادی کا مطلب صرف اقتدار کی منتقلی نہیں بلکہ عام انسان کی زندگی میں عزت، انصاف اور معاشی

آسودگی کی فراہمی بھی ہے۔ اسی لیے نوآبادیاتی نظام کے ساتھ ساتھ وہ مقامی زمینداروں، سرمایہ داروں، مذہبی ٹھیکیداروں اور استحصالی طبقات کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

اس پورے تناظر میں دیکھا جائے تو ''میدانِ عمل'' میں نوآبادیاتی نظام کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف پیدا ہونے والا ردِ عمل بھی مسلسل موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ناول محض نوآبادیاتی حالات کا بیان نہیں رہتا بلکہ **ردِ نوآبادیاتی شعور** کی ایک مؤثر ادبی دستاویز بن جاتا ہے۔ امر کانت، سکھدا، امادیوی، گوڈر، منی، پٹھانی، سکینہ، سلیم اور ڈاکٹر شانتی کمار جیسے کردار مختلف سطحوں پر اسی مزاحمتی شعور کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پریم چند ان کرداروں کے ذریعے یہ ثابت کرتے ہیں کہ غلامی کے خلاف سب سے بڑی طاقت عوام کا بیدار شعور ہے۔

ناول کے اختتام کی طرف بڑھتے ہوئے مزاحمت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ کئی کردار آزادی اور قومی حقوق کے لیے آواز بلند کرتے ہوئے گرفتار ہوتے ہیں۔ نینا اپنے شوہر کے ہاتھوں اسٹیج پر قتل ہو جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود آزادی کی تحریک رکتی نہیں۔ فرد کو ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے ذریعے پیدا ہونے والے اجتماعی شعور کو ختم کرنا ممکن نہیں۔ یہی ''میدانِ عمل'' کا بنیادی پیغام ہے کہ قربانیاں وقتی طور پر تحریک کو کمزور کر سکتی ہیں، مگر بیدار عوامی شعور بالآخر ایک بڑی اجتماعی قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

فنی اعتبار سے بھی ''میدانِ عمل'' پریم چند کی ناول نگاری کے ارتقائی سفر میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ انھوں نے سیاسی حالات کو کرداروں کی زندگی سے اس طرح جوڑا ہے کہ ناول محض سیاسی منشور نہیں بننے پاتا۔ واقعات، کردار، مکالمے اور سماجی حالات ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہیں کہ قاری کو پورے عہد کی ایک زندہ تصویر دکھائی دیتی ہے۔ پریم چند کی حقیقت نگاری کا ایک بڑا کمال یہی ہے کہ وہ بڑے سیاسی واقعات کو عام انسان کی روزمرہ زندگی سے مربوط کر دیتے ہیں۔ ان کے یہاں تاریخ صرف حکمرانوں اور سیاسی رہنماؤں کی تاریخ نہیں بلکہ کسان، مزدور، عورت، طالب علم اور عام شہری بھی تاریخ کے فعال کردار ہیں۔

ناول کی زبان بھی پریم چند کے مخصوص سادہ، رواں اور عام فہم اسلوب کی نمائندگی کرتی ہے۔ مکالموں میں کرداروں کی ذہنی سطح، سماجی حیثیت اور فکری رجحان کا عکس ملتا ہے۔ اسی وجہ سے ''میدانِ عمل'' کے سیاسی مباحث خشک اور خطیبانہ محسوس نہیں ہوتے بلکہ کرداروں کی گفتگو اور عملی صورتِ حال کے ذریعے فطری انداز میں سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر مظفر عباس نے ''میدانِ عمل'' کی اسی سیاسی اور سماجی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میدان عمل تو ہندوستان کی آزادی کی تحریک اور جدید سیاسی رجحانات اور معاشرتی حالات کی عکاسی میں بہت بلند مقام کا مالک ہے۔ ''

ڈاکٹر مظفر عباس اردو ناول کا سفر ص ۵۳

مجموعی طور پر ''میدانِ عمل'' پریم چند کی ناول نگاری کا ایک ایسا اہم سنگِ میل ہے جس میں ان کے سیاسی شعور، سماجی بصیرت، حقیقت نگاری اور اصلاحی فکر کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اس ناول میں مغربی طرزِ تعلیم کی خامیوں، نوآبادیاتی تہذیب کے اثرات، سامراجی استحصال، معاشی ناہمواری، مذہبی تفریق، طبقاتی ظلم اور ہندوستانی معاشرے کے داخلی تضادات کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عدمِ تشدد، قومی اتحاد، انسانی مساوات اور آزادی کے جذبے کو ناول کی فکری بنیاد بنایا گیا ہے۔ امر کانت کا ذہنی اور عملی سفر دراصل غلامی سے آزادی، بے عملی سے عمل اور انفرادی اضطراب سے اجتماعی شعور تک کے سفر کی علامت بن جاتا ہے۔

یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ''میدانِ عمل'' میں پریم چند نے قلم کے ذریعے اپنے عہد کے ہندوستان کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے عوام کو یہ احساس دلایا کہ آزادی صرف خواہش سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے عملی جدوجہد، قربانی، اتحاد اور اخلاقی قوت ضروری ہے۔ اسی لیے یہ ناول محض تحریکِ آزادی کے ایک دور کی داستان نہیں بلکہ ہندوستانی سماج کے سیاسی اور تہذیبی شعور کی تشکیل کی ایک اہم ادبی کوشش ہے۔ اس میں پریم چند کا مصلح، حقیقت نگار اور انسان دوست تینوں روپ ایک ساتھ سامنے آتے ہیں۔ ناول کی اصل معنویت اسی ''میدانِ عمل'' میں پوشیدہ ہے جہاں انسان اپنے عہد کے ظلم، جبر اور استحصال کے مقابل کھڑا ہو کر اپنے اور اپنی قوم کے بہتر مستقبل کی بنیاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

4.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے حقیقت نگاری، پریم چند کی ناول نگاری اور میدانِ عمل کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے حصہ 4.8 سے رجوع کریں۔

الف) خالی جگہیں پُر کیجیے

1۔ ''میدانِ عمل'' پریم چند کا ایک اہم _____ ہے، جس میں ہندوستان کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کی عکاسی ملتی ہے۔

2۔ ''میدانِ عمل'' کا مرکزی کردار _____ ہے۔

ب) درست جواب پر دائرہ لگائیے

1۔ ''میدانِ عمل'' کس کا ناول ہے؟

(الف) کرشن چندر

(ب) پریم چند

(ج) عزیز احمد

(د) عصمت چغتائی

2۔ ''میدانِ عمل'' کا مرکزی کردار کون ہے؟

(الف) سلیم

(ب) ڈاکٹر شانتی کمار

(ج) امر کانت

(د) راگھوراو

ج) درست یا غلط لکھیے

1۔ ''میدانِ عمل'' پریم چند کا ناول ہے۔ _____

2۔ امر کانت ''جب کھیت جاگے'' کا مرکزی کردار ہے۔ _____

2.4 عمومی جائزہ

اس باب میں ہم نے اردو ناول میں **حقیقت نگاری کے رجحان، پریم چند کی ناول نگاری اور ان کے اہم ناول "میدانِ عمل "** کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ حقیقت نگاری اردو ناول کی ترقی میں ایک اہم ادبی رجحان کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے ذریعے ناول نگاروں نے زندگی کو اس کے حقیقی مسائل، معاشرتی حالات، انسانی جذبات اور طبقاتی تضادات کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس رجحان نے اردو ناول کو محض تفریح اور قصہ گوئی کی حدود سے نکال کر معاشرے اور انسانی زندگی کے سنجیدہ مسائل سے وابستہ کیا۔

اس باب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ **پریم چند** نے اردو ناول میں حقیقت نگاری کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے اپنی ناول نگاری کے ذریعے عام انسان، خصوصاً کسان، مزدور، غریب اور محروم طبقات کی زندگی کو موضوع بنایا۔ ان کے ناولوں میں غربت، معاشی ناہمواری، طبقاتی استحصال، سماجی ناانصافی، عورت کے مسائل، دیہی زندگی اور انسانی جدوجہد کی حقیقی تصویریں نظر آتی ہیں۔ پریم چند کے نزدیک ادب کا مقصد محض تفریح نہیں بلکہ انسانی زندگی کی ترجمانی اور معاشرتی شعور کی بیداری بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ناول نگاری میں حقیقت پسندی کے ساتھ اصلاحی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی نمایاں ہے۔

پریم چند کی ناول نگاری کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کرداروں کو زندگی کے حقیقی ماحول سے اخذ کیا۔ ان کے کردار کسی خیالی یا مثالی دنیا کے نمائندے نہیں بلکہ اپنے عہد کے معاشرتی حالات سے متاثر ہونے والے عام انسان ہیں۔ ان کے یہاں کسان کی معاشی مشکلات، مزدور کی بے بسی، عورت کی محرومی، غریب طبقے کی جدوجہد اور سماجی ناہمواری جیسے مسائل نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، رواں اور عام فہم ہے، جس کی وجہ سے ان کی تخلیقات وسیع حلقۂ قارئین تک پہنچنے میں کامیاب ہوئیں۔

اس باب میں **"میدانِ عمل "** کا بھی تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کے ذریعے پریم چند نے اپنے عہد کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کی عکاسی کی ہے۔ ناول میں فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق، سماجی ناانصافی، طبقاتی فرق، انسانی جدوجہد اور اصلاحِ معاشرہ جیسے مسائل کو اہمیت حاصل ہے۔ پریم چند نے اپنے کرداروں اور واقعات کے ذریعے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ معاشرتی تبدیلی کے لیے محض نظری گفتگو کافی نہیں بلکہ عملی جدوجہد، انسانی ہمدردی اور اجتماعی شعور بھی ضروری ہے۔

میدانِ عمل کی فنی خصوصیات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پریم چند نے حقیقت پسندانہ کردار نگاری، سادہ اور مؤثر زبان، فطری مکالموں اور معاشرتی ماحول کی عکاسی کے ذریعے ناول کو زندگی کے قریب رکھا ہے۔ ان کے کردار اپنے عہد

کے مختلف سماجی طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کے مسائل کے ذریعے پورے معاشرے کی تصویر سامنے آتی ہے۔ ناول میں مقصدیت ضرور موجود ہے، لیکن یہ مقصدیت انسانی زندگی اور معاشرتی حقیقتوں سے جڑی ہوئی ہے۔

مجموعی طور پر اس باب میں ہم نے یہ سمجھا کہ **حقیقت نگاری نے اردو ناول کو زندگی کے حقیقی مسائل سے وابستہ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور پریم چند نے اس رجحان کو اپنی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے عروج بخشا۔** ان کی ناول نگاری میں معاشرتی حقیقت، انسانی ہمدردی، اصلاحی فکر اور زندگی کا گہرا مشاہدہ ایک ساتھ نظر آتا ہے۔ میدانِ عمل اسی حقیقت پسندانہ اور اصلاحی فکر کی ایک اہم مثال ہے۔ اس طرح پریم چند اردو ناول کی تاریخ میں ایک ایسے اہم ناول نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں جنہوں نے ناول کو عام انسان کی زندگی، اس کے دکھ درد، مسائل اور جدوجہد کا مؤثر ترجمان بنایا۔

2.5 فرہنگ

۱۔ **ترقی پسندی** —— معاشرتی مساوات، انسانی آزادی اور تبدیلی کی فکر

۲۔ **حقیقت نگاری** —— زندگی کے حقیقی حالات اور مسائل کی عکاسی

۳۔ **ناول** —— نثری صنف جس میں زندگی اور معاشرے کے واقعات و مسائل کو تفصیل سے پیش کیا جائے

۴۔ **ناول نگاری** —— ناول لکھنے کا فن

۵۔ **کردار** —— کہانی یا ناول میں حصہ لینے والی شخصیت

۶۔ **کردار نگاری** —— کرداروں کی شخصیت، عادات، جذبات اور ذہنی کیفیات کی فنی پیش کش

۷۔ **افسانوی ادب** —— تخیلی اور قصہ نما نثری ادب

۸۔ **طبقاتی کشمکش** —— مختلف معاشرتی اور معاشی طبقات کے درمیان مفادات کا تصادم

۹۔ **سماجی ناہمواری** —— معاشرے میں پائی جانے والی غیر مساوی اور ناانصافی پر مبنی صورتِ حال

۱۰۔ **استحصال** —— کسی فرد یا طبقے کے حقوق اور وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانا

۱۱۔ **جاگیرداری** —— زمین اور زرعی وسائل پر بااثر طبقے کے تسلط کا نظام

۱۲۔ **مادیت** —— زندگی میں مادی آسائشوں اور دنیاوی مفادات کو بنیادی اہمیت دینا

۱۳۔ **انسان دوستی** —— انسان کی عزت، آزادی، مساوات اور فلاح کو اہمیت دینے کا نظریہ

۱۴۔ **رومانیت** —— جذبات، تخیل، حسن اور محبت کو مرکزی اہمیت دینے کا ادبی رجحان

۱۵۔ **طنز** ـــــ معاشرتی یا سیاسی خامیوں کو ظریفانہ اور تنقیدی انداز میں نمایاں کرنا

۱۶۔ **علامت** ـــــ کسی خیال یا کیفیت کو کسی شے، کردار یا واقعے کے ذریعے ظاہر کرنا

۱۷۔ **استعارہ** ـــــ کسی شے یا خیال کو مماثلت کی بنیاد پر کسی دوسری شے کے نام سے بیان کرنا

۱۸۔ **شعور کی رو** ـــــ کردار کے ذہن میں ابھرنے والے خیالات، یادوں اور احساسات کو مسلسل انداز میں پیش کرنے کی تکنیک

۱۹۔ **فلیش بیک** ـــــ ماضی کے واقعات کو حال کے بیان کے دوران دوبارہ پیش کرنے کی فنی تکنیک

۲۰۔ **رپورتاژ** ـــــ کسی واقعے یا صورتِ حال کو مشاہدے اور تاثرات کے ساتھ ادبی انداز میں پیش کرنا

۲۱۔ **تہذیبی فضا** ـــــ کسی علاقے یا معاشرے کے رسم و رواج، اقدار اور طرزِ زندگی کا مجموعی ماحول

۲۲۔ **تخلیقی وفور** ـــــ غیر معمولی تخلیقی جوش اور کثرتِ تخلیق

۲۳۔ **طبقاتی تضاد** ـــــ معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان معاشی، سماجی اور مراعاتی فرق

۲۴۔ **نوآبادیاتی نظام** ـــــ کسی طاقتور ملک کا دوسرے ملک یا خطے پر سیاسی، معاشی اور تہذیبی تسلط

۲۵۔ **مزاحمت** ـــــ ظلم، استحصال یا جبر کے خلاف جدوجہد

4.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ پریم چند کی ناول نگاری کے نمایاں موضوعات اور فنی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۲۔پریم چند کے ناول **"میدانِ عمل "**میں نوآبادیاتی نظام، سماجی ناہمواری اور آزادی کی جدوجہد کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۳۔ترقی پسند اردو ناول میں **حقیقت نگاری، انسان دوستی اور طبقاتی شعور** کے باہمی تعلق پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔

2.7 مشقی سوالات

۱۔ حقیقت نگاری اور پریم چند پر ایک نوٹ قلمبند کیجئے۔

۲۔پریم چند کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کرتے ہوئے **"میدانِ عمل "**کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۳۔ **"میدانِ عمل "**میں نوآبادیاتی نظام، مغربی طرزِ تعلیم اور آزادی کی جدوجہد کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

2.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

خالی جگہیں:

1۔ناول

2۔امرکانت

معروضی:

1۔ب

2۔ج

درست/غلط:

1۔درست

2۔غلط

مشقی سوالات کے جوابات

1۔ حقیقت نگاری اور پریم چند کی ناول نگاری پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجیے۔

حقیقت نگاری اردو ناول کی ترقی میں ایک اہم ادبی رجحان کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت نگاری سے مراد زندگی اور معاشرے کے حالات و مسائل کو مصنوعی رنگ آمیزی اور غیر ضروری تخیل سے گریز کرتے ہوئے ان کی حقیقی صورت میں پیش کرنا ہے۔اردو ناول کے ابتدائی دور میں اصلاحی، تاریخی اور داستانی رجحانات غالب تھے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ناول نگاروں نے اپنے عہد کی حقیقی زندگی، معاشرتی مسائل اور انسانی جذبات کو موضوع بنانا شروع کیا۔اسی عمل کے نتیجے میں اردو ناول میں حقیقت نگاری کا

رجحان مضبوط ہوا۔اس رجحان نے ناول کو محض تفریح اور قصہ گوئی کی صنف سے نکال کر زندگی اور معاشرے کی ترجمانی کرنے والی اہم ادبی صنف بنادیا۔

پریم چند اردو اور ہندی ادب کے ان اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے حقیقت نگاری کو ایک مضبوط فکری اور فنی بنیاد فراہم کی۔ان کی ناول نگاری کا بنیادی موضوع عام انسان کی زندگی ہے۔انہوں نے کسان، مزدور، غریب، متوسط طبقے، عورت اور معاشرے کے محروم طبقات کے مسائل کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔ان کے یہاں غربت، بھوک، معاشی ناہمواری، طبقاتی استحصال، سماجی ناانصافی، عورت کی محرومی، جاگیر دارانہ نظام اور انسانی جدوجہد جیسے مسائل نمایاں ہیں۔پریم چند نے زندگی کو اس کے تلخ اور پیچیدہ پہلوؤں سمیت پیش کیا اور اس طرح اردو ناول کو معاشرتی حقیقتوں سے گہرا تعلق عطا کیا۔

پریم چند کی حقیقت نگاری محض خارجی حالات کی عکاسی تک محدود نہیں بلکہ اس میں انسانی نفسیات اور جذبات کا بھی گہرا مطالعہ موجود ہے۔ان کے کردار اپنے ماحول، معاشی حالات اور سماجی نظام سے متاثر ہوتے ہیں۔وہ نہ مکمل طور پر فرشتے ہیں اور نہ مکمل طور پر بد کردار؛ان کے کرداروں میں انسانی کمزوریاں اور خوبیاں دونوں موجود ہیں۔یہی حقیقت پسندانہ کردار نگاری ان کے ناولوں کو زندگی کے قریب لاتی ہے۔

پریم چند کے یہاں انسان دوستی بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔وہ غریب اور مظلوم انسان کے دکھ کو محض ایک سماجی مسئلے کے طور پر نہیں بلکہ انسانی المیے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ان کی تحریروں میں محروم طبقات کے لیے ہمدردی اور معاشرتی ناانصافی کے خلاف احساس نمایاں ہے۔ان کی مقصدیت بھی اسی انسان دوستی سے وابستہ ہے۔وہ ادب کے ذریعے قاری میں سماجی شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کی خواہش رکھتے ہیں۔

پریم چند کی ناول نگاری میں دیہی زندگی کی عکاسی خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔انہوں نے ہندوستانی گاؤں، کسانوں کی مشکلات، زمینداروں کے استحصال، قرض، غربت اور معاشرتی رشتوں کو قریب سے دیکھا اور انہیں اپنے فکشن کا حصہ بنایا۔ان کے ناولوں میں ہندوستانی معاشرے کی ایسی تصویر سامنے آتی ہے جس میں اس دور کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

فنی اعتبار سے بھی پریم چند کی ناول نگاری نمایاں خصوصیات کی حامل ہے۔ان کی زبان سادہ، رواں، فطری اور عام فہم ہے۔مکالمے کرداروں کی شخصیت اور سماجی پس منظر کے مطابق ہوتے ہیں۔کردار نگاری میں حقیقت پسندی، منظر نگاری میں زندگی سے

قربت اور واقعات میں معاشرتی معنویت ان کے فن کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ان کے ناولوں میں مقصدیت ضرور ہے، لیکن یہ مقصدیت محض وعظ یا نصیحت کی صورت اختیار نہیں کرتی بلکہ کرداروں اور واقعات کے ذریعے فطری انداز میں سامنے آتی ہے۔ **"میدانِ عمل "** بھی پریم چند کی اسی حقیقت پسندانہ اور سماجی شعور سے بھرپور ناول نگاری کی نمائندگی کرتا ہے۔اس میں فرد، معاشرے، سیاست، تعلیم اور آزادی کے مسائل کو ایک دوسرے سے مربوط کیا گیا ہے۔پریم چند نے اس ناول کے ذریعے اپنے عہد کی سماجی اور سیاسی صورتِ حال کو پیش کیا اور یہ دکھایا کہ ہندوستانی معاشرہ کس طرح نوآبادیاتی نظام، معاشی ناہمواری اور سماجی تضادات سے متاثر تھا۔

مجموعی طور پر پریم چند نے اردو ناول کو زندگی کے حقیقی مسائل سے جوڑ کر اس کی فکری اور فنی حدود کو وسیع کیا۔ حقیقت نگاری، انسان دوستی، سماجی شعور، سادہ زبان، مؤثر کردار نگاری اور زندگی کا گہرا مشاہدہ ان کے فن کی بنیادی خصوصیات ہیں۔اسی بنا پر پریم چند اردو ناول کی تاریخ میں حقیقت نگاری کے ایک اہم اور مؤثر نمائندے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

2۔پریم چند کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کرتے ہوئے "میدانِ عمل" کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

پریم چند اردو ناول کی تاریخ کے ایک اہم اور بااثر ناول نگار ہیں۔انہوں نے ناول کو محض قصہ گوئی اور تفریح کا ذریعہ بنانے کے بجائے اسے انسانی زندگی اور معاشرتی مسائل کی ترجمانی کا وسیلہ بنایا۔ان کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری، انسان دوستی، اصلاحی فکر، سماجی شعور، طبقاتی ناہمواری اور انسانی جدوجہد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ اپنے عہد کے معاشرے کو گہری نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے مسائل کو فنکارانہ انداز میں اپنی تخلیقات کا موضوع بناتے تھے۔

پریم چند کی سب سے بڑی خصوصیت **حقیقت نگاری** ہے۔انہوں نے زندگی کو خیالی اور مثالی دنیا کے بجائے اس کی حقیقی صورت میں پیش کیا۔ان کے کردار عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے مسائل بھی حقیقی ہیں۔کسان، مزدور، عورت، غریب اور متوسط طبقہ ان کی توجہ کا مرکز بنتا ہے۔وہ معاشرتی ناانصافی، معاشی استحصال اور طبقاتی فرق کو نمایاں کرتے ہیں۔

ان کی دوسری اہم خصوصیت **انسان دوستی** ہے۔پریم چند انسان کو مذہب، ذات، طبقے اور معاشی حیثیت سے بالاتر ہو کر دیکھتے ہیں۔ مظلوم اور محروم انسان کے دکھ درد سے ان کی گہری وابستگی ہے۔اسی لیے ان کے ناولوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ نمایاں طور پر موجود ہے۔

ان کی ناول نگاری میں **سماجی اصلاح** کا رجحان بھی موجود ہے۔ وہ معاشرے کی برائیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک بہتر سماجی نظام کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم ان کی اصلاحی فکر زندگی کی حقیقی صورتِ حال سے جڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح ان کے یہاں عورت کے مسائل، تعلیم، معاشی ناہمواری، طبقاتی کشمکش اور سیاسی شعور بھی اہم موضوعات ہیں۔

''میدانِ عمل'' پریم چند کی اسی سماجی اور حقیقت پسندانہ فکر کا اہم نمونہ ہے۔ اس ناول میں فرد اور معاشرے کے تعلق، نوآبادیاتی نظام، سماجی ناہمواری، تعلیم، سیاسی بیداری اور آزادی کی جدوجہد جیسے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی فکری پس منظر اس عہد کی سیاسی اور سماجی تبدیلیوں سے وابستہ ہے۔

''میدانِ عمل'' میں پریم چند نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سیاسی آزادی کا مسئلہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی تک محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق معاشرتی انصاف اور عام انسان کی زندگی سے بھی ہے۔ جب تک معاشرے میں غربت، استحصال، طبقاتی فرق اور ناانصافی موجود رہیں، آزادی کا تصور مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح ناول میں سیاسی جدوجہد اور سماجی اصلاح ایک دوسرے سے مربوط نظر آتی ہیں۔

ناول میں تعلیم کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ پریم چند تعلیم کو فرد کی ذہنی بیداری اور معاشرتی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن وہ ایسی تعلیم پر سوال اٹھاتے ہیں جو انسان کو اپنی معاشرتی حقیقت سے دور کر دے۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض ملازمت یا ذاتی ترقی نہیں بلکہ انسان میں شعور، ذمہ داری اور اجتماعی احساس پیدا کرنا بھی ہے۔

فنی اعتبار سے ''میدانِ عمل'' میں پریم چند کی حقیقت پسندانہ کردار نگاری نمایاں ہے۔ کردار اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کے ذریعے مختلف سماجی مسائل سامنے آتے ہیں۔ مکالمے فطری اور زبان سادہ و رواں ہے۔ واقعات کے ذریعے مصنف اپنے فکری مقاصد کو آگے بڑھاتا ہے۔

البتہ تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو پریم چند کی بعض تحریروں میں مقصدیت کبھی کبھی فن پر غالب آتی محسوس ہوتی ہے۔ بعض کردار اور واقعات فکری پیغام کی ترسیل کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی حقیقت پسندانہ بصیرت، انسانی ہمدردی اور معاشرتی شعور ان کمزوریوں پر غالب رہتے ہیں۔

مجموعی طور پر ''میدانِ عمل'' پریم چند کی اس کوشش کی نمائندگی کرتا ہے جس میں انہوں نے سیاسی آزادی، سماجی انصاف، تعلیم اور انسانی زندگی کے مسائل کو ایک دوسرے سے مربوط کیا۔ یہ ناول ان کی حقیقت پسندانہ، انسان دوست اور اصلاحی فکر کو سمجھنے کے لیے اہم ہے۔

3۔ ''میدانِ عمل'' میں نوآبادیاتی نظام، مغربی طرزِ تعلیم اور آزادی کی جدوجہد کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

پریم چند کا ناول **''میدانِ عمل''** اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی مسائل کی عکاسی کرنے والی اہم تخلیق ہے۔ اس ناول میں نوآبادیاتی نظام کے اثرات، مغربی طرزِ تعلیم سے پیدا ہونے والی فکری کشمکش، ہندوستانی معاشرے کی سماجی ناہمواری اور آزادی کی جدوجہد کو باہم مربوط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ پریم چند نے ان مسائل کو محض سیاسی نعرے کے طور پر نہیں بلکہ عام انسان کی زندگی اور معاشرتی حالات کے حوالے سے دیکھا ہے۔

ناول میں **نوآبادیاتی نظام** ایک ایسے سیاسی و معاشی ڈھانچے کے طور پر سامنے آتا ہے جس کے اثرات معاشرے کے مختلف طبقات پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس نظام میں اقتدار اور وسائل پر ایک بیرونی طاقت کا غلبہ ہے، جس کے نتیجے میں ہندوستانی معاشرے میں معاشی اور سماجی ناہمواری پیدا ہوتی ہے۔ پریم چند نے یہ احساس پیدا کیا ہے کہ سیاسی غلامی کا اثر صرف حکومت اور سیاست تک محدود نہیں رہتا بلکہ تعلیم، معیشت، معاشرت اور انسانی ذہن تک پھیل جاتا ہے۔

مغربی طرزِ تعلیم ناول کا ایک اہم فکری مسئلہ ہے۔ پریم چند مغربی تعلیم کے مکمل مخالف نہیں ہیں۔ جدید علوم، عقلی فکر اور علمی ترقی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن وہ ایسی تعلیم پر تنقید کرتے ہیں جو انسان کو اپنی سماجی حقیقت، تہذیبی ماحول اور قومی ذمہ داریوں سے بے خبر کر دے۔ ان کے نزدیک تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو فرد میں شعور پیدا کرے اور اسے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل بنائے۔

ناول میں مغربی تعلیم کے ذریعے پیدا ہونے والی **تہذیبی اور فکری کشمکش** بھی نمایاں ہوتی ہے۔ ایک طرف جدید تعلیم اور مغربی افکار سے نئی دنیا کا شعور پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف نوآبادیاتی نظام کی وجہ سے یہی تعلیم اقتدار کے مفادات کے لیے بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ پریم چند اس تضاد کو گہرے سماجی شعور کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصل مسئلہ مغربی علم حاصل کرنا نہیں بلکہ اس علم کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

آزادی کی جدوجہد ''میدانِ عمل'' کا اہم موضوع ہے۔ پریم چند کے نزدیک آزادی صرف سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل بھی ہے جہاں انسان کو معاشی، سماجی اور اخلاقی آزادی حاصل ہو۔ اسی لیے ناول میں آزادی کی جدوجہد سماجی اصلاح کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ عام انسان کی بیداری، اجتماعی شعور اور ظلم و ناانصافی کے خلاف مزاحمت اس جدوجہد کے اہم پہلو ہیں۔

پریم چند نے آزادی کی تحریک کو عام لوگوں کی زندگی سے وابستہ کر کے پیش کیا ہے۔ان کے یہاں سیاست محض اشرافیہ یا سیاسی رہنماؤں کا مسئلہ نہیں بلکہ کسان، مزدور، غریب اور متوسط طبقہ بھی اس سیاسی عمل کا حصہ بنتا ہے۔اس طرح آزادی کی جدوجہد ایک وسیع عوامی اور سماجی مسئلے کی شکل اختیار کرتی ہے۔

ناول میں **سماجی ناہمواری** بھی نوآبادیاتی نظام اور آزادی کے مسئلے سے مربوط نظر آتی ہے۔پریم چند کے نزدیک اگر سیاسی آزادی کے بعد بھی معاشرے میں طبقاتی استحصال اور معاشی ناانصافی برقرار رہے تو آزادی کا مقصد مکمل طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔اس لیے وہ سیاسی آزادی کے ساتھ سماجی انصاف اور انسانی مساوات کی ضرورت پر بھی زور دیتے ہیں۔

فنی اعتبار سے ''میدانِ عمل'' کی اہمیت اس بات میں ہے کہ پریم چند نے بڑے سیاسی اور سماجی مسائل کو انسانی کرداروں اور روزمرہ زندگی کے واقعات کے ذریعے پیش کیا۔ان کی زبان سادہ اور رواں ہے، کردار معاشرتی حقیقتوں سے جڑے ہوئے ہیں اور واقعات میں اپنے عہد کی سیاسی فضا محسوس ہوتی ہے۔اس طرح ناول میں فکر اور فن کے درمیان ایک تعلق قائم ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر **''میدانِ عمل'' نوآبادیاتی غلامی، تعلیمی نظام، سماجی ناہمواری اور آزادی کی جدوجہد کو ایک وسیع انسانی اور معاشرتی تناظر میں پیش کرتا ہے۔**پریم چند یہ واضح کرتے ہیں کہ حقیقی آزادی کے لیے سیاسی بیداری کے ساتھ سماجی انصاف، انسانی مساوات، درست تعلیم اور اجتماعی شعور بھی ضروری ہے۔یہی جامع نقطۂ نظر ''میدانِ عمل'' کو پریم چند کی حقیقت پسندانہ اور سماجی شعور سے بھرپور ناول نگاری کی ایک اہم مثال بناتا ہے۔

4.9 امدادی کتب

۱۔**اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ** ——ڈاکٹر احسن فاروقی

۲۔**اُردو فکشن** ——آل احمد سرور

۳۔**پریم چند کا تنقیدی مطالعہ** ——ڈاکٹر قمر رئیس

۴۔**ناول کا فن** ——ای۔ایم۔فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

۵۔**بیسویں صدی میں اُردو ناول** ——ڈاکٹر یوسف سرمست

۶۔**داستان سے افسانے تک** ——وقار عظیم

۷۔**اُردو ناول کی تاریخ و تنقید** ——علی عباس حسینی

۸۔**ادبی تخلیق اور ناول** ——احسن فاروقی

۹۔ **قرۃ العین حیدر کا فن** ——عبدالمغنی

۱۰۔ **اُردو ناول بیسویں صدی میں** ——عبدالسلام

۱۱۔ **ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول** ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۲۔ **تفہیم و تعبیر** ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۳۔ **۱۹۷۰ کے بعد کے اہم فکشن نگار** ——ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

۱۴۔ **آزادی کے بعد اُردو ناول** ——ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۵۔ ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند ناول نگار۔ سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد

ساخت

5.0 اغراض و مقاصد
5.1 تعارف
5.2 ترقی پسند تحریک اور سجاد ظہیر
5.2.0 ترقی پسند ناول نگار۔ کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد
5.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں
5.4 عمومی جائزہ
5.5 فرہنگ
5.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
5.7 مشقی سوالات
5.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
5.9 امدادی کتب

5.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ کو اردو ناول میں **ترقی پسند فکر** کے فروغ اور اس کے اہم نمائندہ ناول نگاروں سے واقف کرانا ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ اردو ناول نے کس طرح معاشرتی زندگی، انسانی مسائل اور اپنے عہد کے بدلتے ہوئے حالات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرنے کی روایت کو فروغ دیا۔

سبق کا ایک اہم مقصد آپ کو **ترقی پسند تحریک** کے ادبی پس منظر اور اردو ناول پر اس کے اثرات سے آگاہ کرنا بھی ہے۔ اس ضمن میں **سجاد ظہیر** کی ادبی خدمات اور ترقی پسند تحریک کے بنیادی تصورات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ مزید برآں **کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد** کی ناول نگاری کے ذریعے ترقی پسند اردو ناول کے مختلف موضوعاتی اور فکری رجحانات سے آپ کو واقف کرایا جائے گا۔ مجموعی طور پر اس سبق کا مقصد آپ میں اردو ناول کے **ترقی پسند رجحانات** کو سمجھنے، اہم ناول نگاروں کی فکری وفنی خصوصیات کا جائزہ لینے اور منتخب ناولوں کے تنقیدی مطالعے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔

5.1 تعارف

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی تاریخ کی ایک اہم اور مؤثر ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو زندگی کے حقیقی مسائل اور معاشرتی حالات سے گہرا تعلق عطا کیا۔ بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں پیدا ہونے والے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات نے ہندوستانی ادیبوں کو اس بات پر غور کرنے پر مجبور کیا کہ ادب کا مقصد صرف حسن و جمال، تفریح اور جذبات کی ترجمانی تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے انسان اور معاشرے کے مسائل کی عکاسی بھی کرنی چاہیے۔ اسی فکری ماحول سے ترقی پسند ادبی تحریک نے جنم لیا۔ اس تحریک نے غربت، بھوک، استحصال، طبقاتی فرق، نوآبادیاتی غلامی، عورت کی محرومی، سماجی ناانصافی اور انسانی آزادی جیسے مسائل کو ادب کا اہم موضوع بنایا۔

ترقی پسند تحریک کے فکری پس منظر میں عالمی سطح پر رونما ہونے والی سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد بھی شامل تھی۔ ترقی پسند ادیبوں نے ادب کو عام انسان کی زندگی سے وابستہ کیا اور یہ تصور پیش کیا کہ ادیب کو اپنے عہد کے مسائل سے بے تعلق نہیں رہنا چاہیے۔ اس تحریک کے زیرِ اثر اردو شاعری، افسانے، ناول، ڈرامے اور تنقید میں نئے موضوعات اور نئے فکری رجحانات پیدا ہوئے۔ حقیقت نگاری، انسان دوستی، سماجی شعور اور طبقاتی استحصال کے خلاف احساس ترقی پسند ادب کی نمایاں خصوصیات بن گئے۔

اس تحریک کے قیام اور فروغ میں **سجاد ظہیر** کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ترقی پسند ادیبوں کو ایک فکری اور ادبی پلیٹ فارم فراہم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی فکری سرگرمیوں اور ادبی کوششوں نے اردو ادب میں ترقی پسند نظریات کو منظم شکل دینے میں مدد دی۔ ان کے ساتھ متعدد اہم ادیبوں اور شاعروں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور ادب کو سماجی تبدیلی اور انسانی بیداری کے ایک مؤثر وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی سمت اور مزاج پر گہرا اثر ڈالا۔ اس تحریک کے ادیبوں کا بنیادی مقصد ادب کو زندگی کے مسائل سے قریب کرنا اور سماج میں موجود ناانصافی، استحصال اور نابرابری کو نمایاں کرنا تھا۔ اس تحریک نے حقیقت نگاری کو خصوصی اہمیت دی اور عام انسان کو ادبی تخلیق کا مرکز بنایا۔ کسان، مزدور، عورت، غریب اور سماج کے محروم طبقات کی زندگی پہلی مرتبہ اس شدت کے ساتھ اردو ادب کے مرکزی موضوعات میں شامل ہوئی۔ **سجاد ظہیر** ترقی پسند تحریک کے اہم معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ ادیب، دانش ور اور نظریاتی رہنما کی حیثیت سے اس تحریک کی تشکیل اور تنظیم میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے ادب اور معاشرے کے باہمی تعلق پر زور دیا اور ادیب کو اپنے عہد کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کے بارے میں حساس رہنے کی ضرورت محسوس کرائی۔ ان کی کوششوں سے ترقی پسند ادیبوں کو ایک منظم فکری سمت حاصل ہوئی اور اردو ادب میں ایک نئے سماجی شعور کو فروغ ملا۔ سجاد ظہیر کی ادبی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ان کی تخلیقی اور تنقیدی فکر کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان کے نزدیک ادب انسانی زندگی سے جدا کوئی سرگرمی نہیں بلکہ معاشرے کے حالات اور انسان کے مسائل سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ ترقی پسند تحریک کے ذریعے انہوں نے ایسے ادب کی حمایت کی جس میں انسانی آزادی، مساوات، سماجی انصاف اور استحصال کے خلاف آواز موجود ہو۔ یہی فکر بعد میں ترقی پسند ناول اور افسانے کی اہم بنیاد بنی۔

ترقی پسند تحریک کے اثرات اردو ناول پر بھی نمایاں طور پر مرتب ہوئے۔ ترقی پسند ناول نگاروں نے ناول کو معاشرتی زندگی کے مختلف مسائل کی ترجمانی کا مؤثر ذریعہ بنایا۔ **کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد** نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں اردو ناول کو نئے موضوعات، فکری جہات اور فنی تجربات سے مالا مال کیا۔ کرشن چندر نے غربت، بھوک، طبقاتی استحصال، کسان اور مزدور کی زندگی اور انسانی محرومی کو اپنے فن کا موضوع بنایا۔ عصمت چغتائی نے عورت کی زندگی، گھریلو جبر، جنسی سیاست، متوسط طبقے کی معاشرت اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں کو بے باک انداز میں پیش کیا۔ عزیز احمد کے یہاں بھی معاشرتی اور نفسیاتی مسائل، انسانی جذبات اور بدلتی ہوئی تہذیبی صورتِ حال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان تینوں ناول نگاروں کے فن میں ترقی پسند تحریک کے بنیادی تصورات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں، لیکن ان کے اسلوب اور موضوعات میں انفرادی

خصوصیات بھی موجود ہیں۔ کرشن چندر کی تحریروں میں انسان دوستی اور معاشرتی حقیقت نگاری نمایاں ہے، عصمت چغتائی نے عورت کے مسائل اور معاشرتی پابندیوں کو جرأت مندانہ انداز میں پیش کیا، جبکہ عزیز احمد نے انسانی نفسیات اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے مخصوص فنی انداز میں اجاگر کیا۔ اس طرح ان تینوں ادیبوں نے ترقی پسند اردو ناول کو وسعت، تنوع اور فکری گہرائی عطا کی اور اردو ناول کی تاریخ میں اپنے لیے ایک نمایاں مقام پیدا کیا۔

5.2 ترقی پسند تحریک اور سجاد ظہیر

اردو ادب کی تاریخ میں سجاد ظہیر کا نام محض ایک ادیب یا افسانہ نگار کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے فعال فکری رہنما اور ادبی تنظیم کار کے طور پر سامنے آتا ہے جس نے ادب کو اپنے عہد کے سماجی، سیاسی اور انسانی مسائل سے جوڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کے عہد کو سمجھے بغیر ترقی پسند تحریک کے پس منظر اور اس کی فکری بنیادوں کو پوری طرح سمجھنا ممکن نہیں۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں دنیا سیاسی کشمکش، جنگوں، سامراجی تسلط، معاشی ناہمواری اور طبقاتی استحصال کے مسائل سے دوچار تھی۔ ہندوستان بھی برطانوی اقتدار کے زیرِ تسلط تھا اور یہاں آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشی ناانصافیوں کے خلاف آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایسے ماحول میں ادب کے تعلق سے یہ سوال اہم ہوتا گیا کہ کیا ادیب اپنے گردوپیش کے حالات سے بے نیاز رہ سکتا ہے؟ سجاد ظہیر کا جواب واضح تھا کہ ادب کو زندگی اور عوام سے اپنا رشتہ قائم رکھنا چاہیے۔

سجاد ظہیر 1905ء میں لکھنؤ کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سر وزیر حسن اعلیٰ عدالتی منصب پر فائز تھے۔ سجاد ظہیر نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آکسفورڈ میں قانون کی تعلیم کے دوران یورپ کے سیاسی اور فکری ماحول سے گہرا اثر قبول کیا۔ اسی زمانے میں ان کا تعارف سوشلزم اور مارکسی فکر سے ہوا۔ یورپ میں جاری سیاسی مباحث، سامراج مخالف تحریکوں اور مزدور طبقے کی جدوجہد نے ان کی فکری تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے مارکس اور لینن کے افکار کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے تک پہنچے کہ سماجی نابرابری اور استحصال محض انفرادی مسائل نہیں بلکہ ایک وسیع معاشی اور سیاسی نظام سے وابستہ ہیں۔ ان کے لیے مارکسی فکر صرف سیاسی نظریہ نہیں رہی بلکہ سماج اور ادب کو دیکھنے کا ایک نیا زاویہ بن گئی۔

یورپ میں قیام کے دوران سجاد ظہیر کی ملاقات متعدد ہم خیال دانش وروں اور سیاسی کارکنوں سے ہوئی۔ انھوں نے سامراج مخالف بین الاقوامی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔ ان تجربات نے ان کے اندر یہ احساس مزید مضبوط کیا کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کو عالمی سطح پر جاری سامراج مخالف تحریکوں سے الگ نہیں دیکھا جا سکتا۔ اسی فکری پس منظر نے بعد میں ان کی

ادبی اور تنظیمی سر گرمیوں کو ایک واضح سمت عطا کی۔ ان کے نزدیک ادیب کا کام صرف الفاظ کی خوب صورتی پیدا کرنا نہیں بلکہ اپنے عہد کی حقیقتوں کو سمجھنا اور انسانی زندگی میں بہتری کے امکانات پیدا کرنا بھی تھا۔

سجاد ظہیر کی ادبی زندگی میں **'انگارے'** کی اشاعت ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ 1932ء میں شائع ہونے والے اس مجموعے میں سجاد ظہیر کے علاوہ احمد علی، محمود الظفر اور رشید جہاں کی تحریریں شامل تھیں۔ اس کتاب نے اردو کے ادبی اور سماجی ماحول میں غیر معمولی ہلچل پیدا کی۔ اس میں ایسے موضوعات کو پیش کیا گیا تھا جن پر اس زمانے کے معاشرے میں کھل کر گفتگو کرنا آسان نہیں تھا۔ مذہبی جمود، جنسی مسائل، عورت کی حالت، طبقاتی تفریق اور سماجی منافقت جیسے موضوعات نے روایتی ادبی رویوں کو چیلنج کیا۔ اگرچہ کتاب کی بعض تحریروں کے فنی معیار پر گفتگو کی جاسکتی ہے، لیکن اس کی تاریخی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ 'انگارے' نے اردو ادب میں ایک نئے مزاج کی بنیاد رکھی اور یہ احساس پیدا کیا کہ ادب کو زندگی کے ان گوشوں کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے جنہیں معاشرہ نظر انداز کرتا رہا ہے۔

'انگارے' کے خلاف شدید ردِ عمل سامنے آیا اور بالآخر برطانوی حکومت نے 1933ء میں اس پر پابندی عائد کر دی۔ کتاب کی بیشتر جلدیں ضبط کر لی گئیں اور انہیں تلف کر دیا گیا۔ تاہم پابندی اس کتاب کی اہمیت کم کرنے کے بجائے اسے اردو ادب کی تاریخ میں ایک علامت بنا گئی۔ اس واقعے نے سجاد ظہیر اور ان کے ساتھیوں کو مزید واضح طور پر یہ احساس دلایا کہ نئے ادب کی تشکیل کے لیے محض انفرادی تخلیق کافی نہیں، بلکہ ایک منظم ادبی تحریک کی ضرورت ہے۔

اسی ضرورت کے پیشِ نظر ترقی پسند ادیبوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوششیں تیز ہوئیں۔ لندن میں سجاد ظہیر نے اپنے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ مل کر ترقی پسند ادیبوں کی تنظیم کے خدوخال مرتب کیے۔ اس تنظیم کا مقصد ایسے ادب کو فروغ دینا تھا جو سامراج، استحصال، طبقاتی ناانصافی، غربت، جبر اور سماجی پسماندگی کے خلاف انسانی شعور کو بیدار کر سکے۔ 1936ء میں لکھنؤ میں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کل ہند کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس نے ترقی پسند تحریک کو ایک باقاعدہ ادبی تحریک کی حیثیت دے دی۔ سجاد ظہیر اس تحریک کے اولین منتظمین میں شامل تھے اور انھوں نے اس کے فروغ کے لیے مسلسل جدوجہد کی۔

ترقی پسند تحریک کی مقبولیت میں اس حقیقت کا بھی اہم کردار تھا کہ اس دور کے بہت سے بڑے ادیب اور شاعر سماجی اور سیاسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ فراق، فیض، حسرت موہانی، رشید جہاں، محمود الظفر اور دیگر اہلِ قلم مختلف انداز میں اس نئے ادبی رجحان سے وابستہ ہوئے۔ اس تحریک نے ادیبوں کے درمیان رابطے اور باہمی گفتگو کو فروغ دیا۔ سجاد ظہیر کا خیال

تھا کہ ادیب ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کریں اور اجتماعی طور پر اپنے عہد کے مسائل پر غور کریں۔ یوں ترقی پسند تحریک صرف ایک نظریاتی تنظیم نہیں رہی بلکہ اس نے اردو سمیت ہندوستانی زبانوں کے ادب میں ایک وسیع فکری اور تخلیقی فضا پیدا کی۔

ترقی پسند تحریک کی فکری بنیاد میں انسان دوستی، مساوات، آزادی اور استحصال سے نجات کے تصورات بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ روسی انقلاب، مارکسی فلسفے اور دنیا بھر میں جاری سامراج مخالف تحریکوں نے اس فکر کو تقویت دی۔ ہندوستان میں برطانوی اقتدار، جاگیردارانہ نظام، معاشی ناہمواری اور طبقاتی تقسیم کے حالات نے بھی ترقی پسند فکر کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا۔ اس تحریک کے ادیبوں کا خیال تھا کہ ادب زندگی سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے انھوں نے کسان، مزدور، عورت، غریب اور سماج کے دوسرے محروم طبقات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔

سجاد ظہیر کی اپنی تخلیقی شخصیت بھی اسی فکری رجحان کی نمائندہ تھی۔ ان کے ناول **'لندن کی ایک رات'** میں جدید شہری زندگی، طبقاتی تضاد اور انسانی تنہائی جیسے مسائل کی جھلک ملتی ہے۔ اس ناول میں ان کے عہد کے سیاسی اور فکری اثرات بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی دوسری اہم تصانیف میں **'روشنائی'**، **'نقوشِ زنداں'**، **'ذکرِ حافظ'** اور شعری مجموعہ **'پگھلتا نیلم'** شامل ہیں۔ انھوں نے مختلف زبانوں کے اہم ادبی متون کے تراجم کے ذریعے بھی اردو ادب کے دائرے کو وسیع کیا۔ ان کی ادبی سرگرمیوں میں تخلیق کے ساتھ ترجمہ، تدوین، تنظیم اور نظریاتی تحریر سب شامل تھے۔

'روشنائی' سجاد ظہیر کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں انھوں نے ترقی پسند تحریک کی تشکیل، اس کے مختلف مراحل، اس سے وابستہ شخصیات اور اس کے فکری و ادبی سفر کو اپنی یادداشتوں اور مشاہدات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب محض ذاتی یادوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ترقی پسند ادب اور تحریک کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ایک اہم دستاویزی اور تاثراتی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سجاد ظہیر نے تحریک کے مختلف نشیب و فراز، اس پر ہونے والی تنقید اور اس کے مخالفین کے اعتراضات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس اعتبار سے 'روشنائی' سجاد ظہیر کی فکری وابستگی کے ساتھ ان کی تاریخی بصیرت کی بھی عکاس ہے۔

سجاد ظہیر کی ادبی سرگرمیاں صرف تخلیقی تحریروں تک محدود نہیں رہیں۔ انھوں نے تنظیم سازی کو بھی اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد بنایا۔ ان کی کوشش تھی کہ مختلف ہندوستانی زبانوں کے ادیب ایک دوسرے کے قریب آئیں اور ادب کو سماجی زندگی سے جوڑنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کریں۔ ان کی اہلیہ رضیہ سجاد ظہیر نے بھی ترقی پسند ادبی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ خود افسانہ نگار اور مترجم تھیں اور انھوں نے عالمی ادب کو اردو قارئین تک پہنچانے میں حصہ لیا۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے موضوعات اور اسلوب دونوں پر گہرا اثر ڈالا۔ اس تحریک سے پہلے ادب میں رومان، حسن، عشق اور فرد کی داخلی کیفیات کو خاص اہمیت حاصل تھی، لیکن ترقی پسند ادیبوں نے زندگی کے اجتماعی مسائل کو بھی ادبی اظہار کا حصہ بنایا۔ کسان کی محرومی، مزدور کی مشکلات، عورت کی سماجی حیثیت، غربت، بھوک، طبقاتی استحصال، سامراجی جبر اور آزادی کی خواہش جیسے موضوعات اردو ادب میں نمایاں ہوئے۔ یوں ادب میں مقصدیت، حقیقت پسندی اور سماجی شعور کی اہمیت بڑھ گئی۔ سجاد ظہیر کا تعلق ادب کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں سے بھی گہرا رہا۔ وہ کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہوئے اور عملی سیاسی جدوجہد میں حصہ لیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد انھیں پاکستان بھیجا گیا جہاں انھیں راول پنڈی سازش کیس میں گرفتار کیا گیا اور ایک طویل عرصہ جیل میں گزارنا پڑا۔ جیل کا یہ تجربہ ان کی زندگی اور فکر کا اہم حصہ بن گیا۔ بعد ازاں رہائی کے بعد وہ ہندوستان واپس آئے اور ترقی پسند تحریک اور بین الاقوامی ادبی روابط کے سلسلے میں دوبارہ سرگرم ہو گئے۔

سجاد ظہیر کے ادبی اور سیاسی سفر میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ کئی نئے مرحلے آئے، لیکن ادب اور زندگی کے باہمی تعلق پر ان کا یقین برقرار رہا۔ ان کے نزدیک ادیب کو اپنے عہد کی ناانصافیوں سے آنکھیں نہیں چرانی چاہییں۔ وہ ادب کو انسانی آزادی، مساوات اور بہتر معاشرے کی تشکیل کے لیے ایک مؤثر وسیلہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کی شخصیت کو صرف ایک تخلیق کار کے محدود دائرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ وہ ایک نظریہ ساز، منتظم، مترجم، ادیب اور تحریک کے سرگرم رہنما کی حیثیت سے اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

سجاد ظہیر کی سب سے بڑی ادبی میراث شاید ان کی اپنی تصانیف سے زیادہ وہ فکری اور تنظیمی روایت ہے جسے انھوں نے مضبوط کیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو عام انسان کی زندگی، اس کے دکھ، اس کی محرومی اور اس کی جدوجہد سے جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے ادیب کے سماجی کردار عصمت چغتائی کے بارے میں ایک نئی بحث کو جنم دیا اور یہ سوال سامنے رکھا کہ ادب محض جمالیاتی تجربہ ہے یا انسانی زندگی کو بہتر بنانے کا وسیلہ بھی۔ سجاد ظہیر کی پوری ادبی زندگی اسی سوال کے گرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔ سجاد ظہیر کو اردو کی ترقی پسند ادبی روایت کے ایک بنیادی معمار کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات کو گہرائی سے محسوس کیا اور ادب کو ان حالات کے اظہار اور انسانی شعور کی بیداری کا وسیلہ بنانے کی کوشش کی۔ 'انگارے' سے لے کر ترقی پسند مصنفین کی تنظیم سازی، 'لندن کی ایک رات' سے 'روشنائی' تک، ان کی ادبی زندگی ایک ایسے مسلسل فکری سفر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں انسان، آزادی، مساوات اور سماجی انصاف بنیادی قدریں بن

کر سامنے آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک کے تاریخی مطالعے میں سجاد ظہیر کی شخصیت مرکزی اہمیت رکھتی ہے اور ان کے افکار آج بھی ادب اور معاشرے کے تعلق پر غور کرنے والوں کے لیے اہم حوالہ فراہم کرتے ہیں۔

5.2.0 ترقی پسند ناول نگار۔ کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد

کرشن چندر اردو ادب کے ان ممتاز افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقی قوت کو انسانی زندگی کے مسائل، معاشرتی ناہمواریوں، طبقاتی کشمکش، غربت، استحصال اور انسان دوستی کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔ ان کی ادبی شخصیت کی تشکیل کسی ایک شہر یا ماحول میں نہیں ہوئی بلکہ مختلف علاقوں اور تہذیبی فضاؤں سے گزرنے کے نتیجے میں ان کے تجربات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ ان کی پیدائش راجستھان کے بھرت پور میں ہوئی، جہاں ان کے والد طبابت کے شعبے سے وابستہ تھے۔ بعد میں ان کے والد کی ملازمت کے باعث خاندان پونچھ، ریاست جموں و کشمیر منتقل ہوا اور کرشن چندر نے اپنے بچپن کا ایک اہم حصہ اسی خطے میں گزارا۔ کشمیر کے پہاڑ، وہاں کی فطری خوب صورتی، دیہی زندگی، عام لوگوں کے مسائل اور مقامی تہذیبی فضا نے ان کی تخلیقی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے، جن کی جھلک ان کی متعدد تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تعلیم کے زمانے ہی سے کرشن چندر کو ادب سے خاص دل چسپی پیدا ہو گئی تھی۔ فورمین کرسچن کالج کے زمانۂ طالب علمی میں وہ کالج کے ادبی مجلے سے وابستہ رہے اور ابتدا میں انگریزی ادب کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ تاہم اردو ادب سے ان کا تعلق بتدریج مضبوط ہوتا گیا۔ ان کی پہلی اردو کہانی ''سادھو'' 1932ء میں شائع ہوئی اور یہی ان کے طویل ادبی سفر کا ابتدائی نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ آگے چل کر انھوں نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں افسانے اور ناول لکھے اور نثر کے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کی تخلیقات کا دائرہ صرف ناول اور افسانے تک محدود نہیں تھا بلکہ ریڈیو ڈرامے، طنزیہ تحریریں، فلمی کہانیاں اور اسکرپٹ بھی ان کی ادبی سرگرمیوں کا حصہ رہے۔

کرشن چندر کی تخلیقی زندگی کو ان کے فکری ارتقا کے اعتبار سے مختلف مرحلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور میں ان کے ہاں رومان اور تخیل کا عنصر نمایاں تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان کی توجہ زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کی طرف بڑھتی گئی۔ انھوں نے اپنے گرد و پیش میں موجود غربت، بھوک، طبقاتی امتیاز، کسانوں اور مزدوروں کی مشکلات اور سماجی ناانصافیوں کو قریب سے دیکھا۔ یہی تجربات ان کی تخلیقی فکر کا بنیادی سرمایہ بن گئے۔ بعد کے زمانے میں ترقی پسند تحریک اور سوشلسٹ افکار سے ان کی وابستگی نے ان کے ادب میں سماجی شعور کو مزید گہرا کیا۔ ان کے نزدیک ادب محض تفریح یا حسنِ بیان کا وسیلہ نہیں تھا بلکہ اسے انسانی زندگی کی حقیقتوں کو آشکار کرنے اور مظلوم طبقوں کے مسائل کو نمایاں کرنے کا ذریعہ بھی ہونا چاہیے۔

کرشن چندر ترقی پسند ادبی تحریک کے ان تخلیق کاروں میں تھے جنھوں نے اس تحریک کے نظریات کو محض نعرے کی سطح پر قبول نہیں کیا بلکہ انہیں اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ وہ ایک ایسے معاشرے کے خواہش مند تھے جہاں طبقاتی تفاوت کم ہو، انسان کو بنیادی حقوق حاصل ہوں اور محروم طبقات کو عزت اور انصاف میسر آئے۔ کسان، مزدور، غریب، بے گھر، نچلے طبقے کے افراد اور معاشرے کے وہ لوگ جنہیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ان کی تخلیقات میں مرکزی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں اور ناولوں میں عام انسان صرف پس منظر کا کردار نہیں بلکہ کہانی کا بنیادی محور بن جاتا ہے۔

کرشن چندر کی ناول نگاری میں حقیقت پسندی کے ساتھ رومان، تخیل، طنز اور علامتی اظہار بھی ملتا ہے۔ وہ زندگی کے تلخ مسائل کو بیان کرتے ہوئے بھی زبان کو خشک اور بے لطف نہیں ہونے دیتے۔ ان کے اسلوب میں روانی، شگفتگی، طنز اور جذباتی تاثیر پائی جاتی ہے۔ وہ پیچیدہ سماجی مسائل کو عام فہم زبان میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں انسانی دکھ محض اعداد و شمار یا نظری مباحث نہیں بنتا بلکہ کرداروں کی زندگی کے ذریعے محسوس ہونے والی حقیقت بن جاتا ہے۔

ان کے ناولوں میں کشمیر سے متعلق تجربات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ **"شکست "** میں کشمیر کی تقسیم اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کی طرف توجہ ملتی ہے، جب کہ **"مٹی کے صنم خانے "** میں کشمیر کے ماحول اور بچپن کی یادوں کو تخلیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کشمیر سے ان کا گہرا جذباتی تعلق ان کی ادبی شخصیت کا اہم پہلو ہے۔ پونچھ میں گزارا ہوا بچپن ان کے حافظے میں محفوظ رہا اور بعد میں ان کے تخلیقی تجربے کا حصہ بنتا گیا۔ اسی وجہ سے ان کی بعض تحریروں میں کشمیر محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ یاد، تجربے، فطرت اور انسانی رشتوں کی ایک مکمل دنیا کے طور پر سامنے آتا ہے۔

تقسیمِ ہند کرشن چندر کی تخلیقی فکر پر گہرا اثر ڈالنے والا ایک اہم تاریخی واقعہ تھا۔ 1947ء کے فسادات، انسانی ہجرت، قتل و غارت اور باہمی نفرت نے ان کے حساس ذہن کو شدید متاثر کیا۔ ان کا ناول **"غدار "** اسی تاریخی المیے کے تناظر میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں تقسیم کے دوران پیدا ہونے والی انسانی بے بسی، خوف، جذباتی انتشار اور فرقہ وارانہ کشیدگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کرشن چندر نے فرقہ واریت کو ہمیشہ انسانی تہذیب کے لیے خطرہ سمجھا اور اپنی تحریروں کے ذریعے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کے نزدیک مذہب، ذات، زبان یا علاقے کی بنیاد پر انسانوں کو تقسیم کرنا انسانیت کی بنیادی روح کے منافی تھا۔

ان کی ناول نگاری کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ معاشرے کے محروم اور نظر انداز کیے جانے والے طبقوں کو اپنی تخلیق میں جگہ دیتے ہیں۔ ان کے یہاں کسان صرف زمین سے وابستہ ایک کردار نہیں بلکہ پورے ہندوستانی دیہی معاشرے کی علامت بن جاتا ہے۔ مزدور کی زندگی میں موجود معاشی مجبوری، شہری غریب کی بے بسی، عورت کے مسائل اور نچلے طبقے کے

لوگوں کی سماجی محرومی ان کے ہاں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ان کے افسانوں میں بھی یہی رجحان شدت کے ساتھ موجود ہے۔ **"دو فرلانگ لمبی سڑک "** جیسی کہانیوں میں عام انسان کی روزمرہ زندگی کے اندر چھپی ہوئی ناانصافیوں کو موضوع بنایا گیا ہے، جبکہ **"ان داتا "** میں کسان کی معاشی اور سماجی حالت پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

کرشن چندر کی انسان دوستی محض ہمدردی تک محدود نہیں۔ وہ ان حالات کے اسباب کو بھی تلاش کرتے ہیں جو انسان کو محرومی اور بے بسی کی طرف دھکیلتے ہیں۔ان کے یہاں غربت صرف فرد کی بدقسمتی نہیں بلکہ ایسے معاشی اور سماجی نظام کا نتیجہ بھی ہے جس میں وسائل کی تقسیم غیر مساوی ہے۔اسی لیے ان کی تحریروں میں جاگیردارانہ نظام، طبقاتی امتیاز، معاشی استحصال اور طاقت کے غلط استعمال کے خلاف واضح ردِ عمل ملتا ہے۔تاہم ان کی تحریریں محض سیاسی یا نظریاتی بیانات نہیں بن جاتیں؛ کردار، واقعات، جذبات اور انسانی رشتے ان کے خیالات کو فنی صورت عطا کرتے ہیں۔

ان کے ناول **"جب کھیت جاگے "** کو بھی اسی سماجی اور ترقی پسند فکر کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ عنوان ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسان اور زمین سے وابستہ طبقہ محض خاموش اور بے زبان نہیں بلکہ اس کے اندر بھی شعور اور تبدیلی کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔ کرشن چندر کے نزدیک دیہی زندگی ہندوستانی سماج کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک تھی اور اس زندگی کو نظرانداز کر کے ہندوستانی معاشرے کی مکمل تصویر پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہی سبب ہے کہ ان کے ادب میں کھیت، کسان، زمین، بھوک اور محنت جیسے عناصر بار بار سامنے آتے ہیں۔

ان کے فن میں طنز بھی ایک مؤثر ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ **"ایک گدھے کی سرگزشت "** اس سلسلے میں ان کی تخلیقی صلاحیت کی نمایاں مثال ہے۔ انھوں نے گدھے کو محض مزاحیہ کردار کے طور پر استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعے انسانی معاشرے کی بے اعتدالیوں، سیاسی رویوں، طبقاتی تفاوت اور طاقت کے کھیل پر طنزیہ نظر ڈالی۔اس ناول کی اہمیت اس بات میں ہے کہ کرشن چندر نے سنجیدہ سماجی اور سیاسی مسائل کو طنز کے پیرائے میں پیش کر کے قاری کو بیک وقت محظوظ بھی کیا اور سوچنے پر بھی مجبور کیا۔

کرشن چندر کے متعدد دوسرے ناول بھی ان کے وسیع تخلیقی تجربے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ **"طوفان کی کلیاں"، "دل کی وادیاں سو گئیں"، "آسمان روشن ہے"، "باون پتے"، "ایک عورت ہزار دیوانے"، "سڑک واپس جاتی ہے"، "برف کے پھول"، "میری یادوں کے چنار"، "فٹ پاتھ کے فرشتے"، "درد کی نہر"، "ایک وائلن سمندر کے کنارے"، "لندن کے سات رنگ "** اور دیگر تصانیف ان کے وسیع ادبی سرمائے کا حصہ ہیں۔ان کے یہاں موضوعات اور اسالیب میں تنوع پایا جاتا ہے۔

کہیں رومان اور یاد کا رنگ غالب ہے، کہیں سماجی حقیقتیں سامنے آتی ہیں، کہیں طنز کے ذریعے معاشرتی تضادات کو نمایاں کیا جاتا ہے اور کہیں انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

کرشن چندر کی زبان بھی ان کے فن کی اہم خصوصیت ہے۔ وہ اردو میں لکھتے ہوئے مقامی بولیوں اور روزمرہ زبان کے الفاظ سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ پونچھ اور کشمیر کے ماحول سے ان کی قربت کے باعث ان کی بعض تحریروں میں پہاڑی اور کشمیری تہذیبی فضا کی جھلک ملتی ہے۔ اس طرح ان کی زبان صرف ادبی اظہار کا وسیلہ نہیں رہتی بلکہ اپنے اندر مختلف علاقوں اور طبقوں کی زندگی کے رنگ بھی سمیٹ لیتی ہے۔ ان کا اسلوب رواں، شگفتہ اور اثر انگیز ہے، جس میں منظر نگاری، مکالمہ، طنز اور جذباتی کیفیت ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔

کرشن چندر کی تخلیقی شخصیت کا ایک اہم پہلو فلمی دنیا سے ان کی وابستگی بھی ہے۔ انھوں نے فلموں کے لیے کہانیاں اور اسکرپٹ لکھے اور اس طرح ادب اور مقبول ثقافت کے درمیان ایک رشتہ قائم کیا۔ ان کی تحریروں میں منظر آفرینی اور مکالمے کی جو خصوصیات موجود تھیں، انھوں نے فلمی اسکرپٹ میں بھی ان کی مدد کی۔ اس کے باوجود ان کی اصل شناخت ایک ایسے ادیب کی رہی جس نے اپنی تخلیقی توانائی عام انسان کے مسائل کے اظہار کے لیے صرف کی۔

ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ترقی پسند اور سوشلسٹ نظریات سے گہری وابستگی کے باعث ان کی تخلیقات میں فن پر نظریے کا غلبہ ہو گیا ہے، لیکن کرشن چندر کے فن کا مطالعہ اس رائے کو پوری طرح قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کے یہاں نظریہ ضرور موجود ہے، لیکن اس نظریے کو انھوں نے کرداروں، واقعات، جذبات اور تخیل کے ذریعے فنی صورت دی ہے۔ ان کی بہترین تحریروں میں نظریاتی وابستگی انسانی تجربے کے ساتھ گھل مل جاتی ہے اور اسی امتزاج سے ان کے ادب میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

کرشن چندر نے اپنی طویل ادبی زندگی میں ناول، افسانہ، ڈراما، طنز، رپورٹ، فلمی اسکرپٹ اور بچوں کے ادب سمیت متعدد اصناف میں لکھا۔ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے ناول و افسانے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے علاوہ غیر ملکی زبانوں میں بھی منتقل ہوئے۔ یہ صورت حال اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تخلیقات کا دائرۂ اثر اردو کے محدود حلقے تک نہیں رہا بلکہ ان کے انسانی اور سماجی موضوعات نے وسیع قارئین کو متاثر کیا۔

کرشن چندر کی زندگی کا اختتام 8 مارچ 1977ء کو ممبئی میں ہوا۔ ان کی وفات کے باوجود ان کا ادبی وجود آج بھی زندہ ہے۔ پونچھ، جس سے ان کی بچپن کی یادیں اور تخلیقی وابستگی گہری تھیں، میں ان کی یاد کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کے نام سے پارک قائم

کیا گیا اور وہاں ان کا مجسمہ بھی نصب کیا گیا۔ یہ اعزاز اس ادیب کی یاد کو زندہ رکھنے کی علامت ہے جس نے اپنی تخلیقات میں اس خطے، اس کے لوگوں اور وسیع تر انسانی معاشرے کے دکھوں اور خوابوں کو جگہ دی۔

مجموعی طور پر کرشن چندر کی ناول نگاری اردو ادب میں حقیقت پسندی، انسان دوستی اور ترقی پسند شعور کے ایک اہم امتزاج کی نمائندگی کرتی ہے۔ انھوں نے زندگی کو صرف خوش حال اور مراعات یافتہ طبقے کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ ان لوگوں کی دنیا کو بھی ادب کا موضوع بنایا جو غربت، بھوک، بے روزگاری، استحصال، فرقہ واریت اور سماجی ناانصافی کا شکار تھے۔ ان کے ناولوں میں کشمیر کی فطری اور تہذیبی فضا، ہندوستانی دیہات کی زندگی، تقسیم کا المیہ، طبقاتی کشمکش اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں مختلف صورتوں میں سامنے آتی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی ادبی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی تخلیق کا مرکز بناتے ہیں۔ اسی انسان دوستی، سماجی شعور، طنزیہ بصیرت اور وسیع تخلیقی تجربے کے باعث کرشن چندر اردو ناول کی تاریخ میں ایک منفرد اور دیرپا مقام رکھتے ہیں۔

عصمت چغتائی

اردو ناول کی تاریخ میں عصمت چغتائی کا نام ایک ایسے فن کار کی حیثیت سے نمایاں ہے جس نے اپنے عہد کے سماجی رویوں، خصوصاً عورت کی زندگی، اس کے مسائل اور اس کی نفسیاتی کشمکش کو بے باکی کے ساتھ موضوع بنایا۔ ترقی پسند تحریک کے زمانے میں اردو فکشن کو نئے موضوعات اور نئے زاویۂ نظر سے روشناس کرانے والوں میں عصمت چغتائی کا مقام نہایت اہم ہے۔ انہوں نے نہ صرف ناول اور ناولٹ لکھے بلکہ اپنے افسانوں کے ذریعے بھی اردو ادب میں ایک منفرد شناخت قائم کی۔ ان کی تخلیقی توجہ کا بڑا حصہ متوسط مسلمان گھرانوں کی عورتوں، روایتی معاشرتی بندشوں، گھریلو زندگی کی پیچیدگیوں اور ان مسائل پر مرکوز رہا جن پر گفتگو کرنا معاشرتی سطح پر معیوب سمجھا جاتا تھا۔

عصمت چغتائی کی فکری تشکیل میں ترقی پسند تحریک کا نمایاں اثر دکھائی دیتا ہے۔ اس تحریک نے ادب کو زندگی کے حقیقی مسائل سے وابستہ کرنے اور سماج کے محروم و مظلوم طبقات کی آواز بننے پر زور دیا۔ عصمت نے بھی اسی ماحول میں اپنے فکشن کے ذریعے قدامت پسندانہ رویوں، فرسودہ رسم و رواج، طبقاتی ناہمواری اور عورت کے استحصال کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کے یہاں بغاوت محض نظریاتی نعرہ نہیں بلکہ کرداروں کی زندگی، ان کے رویوں اور ان کی داخلی کشمکش کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں روایت سے انحراف، سماجی جبر سے مزاحمت اور اپنی شناخت قائم کرنے کی خواہش بار بار نمایاں ہوتی ہے۔

عصمت چغتائی کے فن کا ایک اہم پہلو ان کی حقیقت نگاری ہے۔ انہوں نے زندگی کو کسی مثالی یا مصنوعی پردے میں پیش کرنے کے بجائے اس کے تلخ اور پیچیدہ پہلوؤں کو بھی بیان کیا۔ خصوصاً عورت کی جنسی اور نفسیاتی زندگی کے ان گوشوں کو انہوں نے موضوع بنایا جنہیں معاشرہ عموماً خاموشی کے پردے میں چھپا دیتا تھا۔ انسانی شخصیت کے نفسیاتی محرکات اور جنسی احساسات کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں ان کی خاص دلچسپی تھی۔ اسی بنا پر ان کے بعض ناولوں میں جنسی حقیقت نگاری ایک نمایاں عنصر بن کر سامنے آتی ہے۔ تاہم ان کے یہاں اس موضوع کا مقصد محض چونکا دینا نہیں بلکہ ان سماجی حالات کی نشان دہی کرنا بھی ہے جو انسانی شخصیت کی تشکیل اور اس کے رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے اس انداز پر اعتراضات بھی ہوئے اور انہیں فحش نگاری کا الزام بھی برداشت کرنا پڑا، لیکن انہوں نے ایسے موضوعات کو ادبی اظہار کا حصہ بنا کر اردو فکشن میں ایک نئی بحث کو جنم دیا۔

عصمت کے ناولوں میں عورت صرف ایک ثانوی کردار نہیں بلکہ اپنی خواہشات، احساسات، محرومیوں اور فیصلوں کے ساتھ ایک مکمل انسانی شخصیت کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ وہ مرد کی حاکمانہ برتری اور اس معاشرتی تصور سے اختلاف کرتی ہیں جس میں عورت کی حیثیت کو محض خاندان، شوہر یا سماجی عزت کے تابع سمجھا جاتا ہے۔ ان کے کرداروں میں عورت کے اندر موجود احتجاج، آزادی کی خواہش اور اپنی زندگی پر اختیار حاصل کرنے کی جدوجہد نمایاں ہے۔ اس اعتبار سے عصمت کی ناول نگاری کو اردو ادب میں نسوانی شعور کی تشکیل کے اہم مراحل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ عصمت کی فنی خصوصیات میں کردار نگاری کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے بیشتر ناولوں میں واقعات سے زیادہ کردار کی داخلی دنیا اہم ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے نفسیاتی مسائل، جذباتی کشمکش اور روزمرہ کے رویوں کو اس طرح پیش کرتی ہیں کہ کردار محض کہانی کا حصہ نہیں رہتا بلکہ ایک زندہ انسان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے کرداروں میں ضد، بغاوت، خواہش، خوف، محرومی اور آزادی کی طلب جیسی مختلف کیفیات ایک ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔ مکالموں کے ذریعے بھی وہ کرداروں کی شخصیت کو ابھارتی ہیں۔ کردار جس طرح بولتے ہیں، اسی سے ان کی سماجی حیثیت، ذہنی کیفیت اور مزاج کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

عصمت کی زبان ان کے فن کا ایک امتیازی وصف ہے۔ ان کی نثر میں بناوٹ کے بجائے زندگی کی براہِ راست حرارت محسوس ہوتی ہے۔ وہ متوسط طبقے کی تعلیم یافتہ عورتوں کے روزمرہ، محاوروں اور مخصوص لب و لہجے کو بڑی فطری مہارت سے استعمال کرتی ہیں۔ ان کے مکالمے برجستہ، تیکھے، طنزیہ اور بعض اوقات انتہائی چبھتے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی زبان ان کے کرداروں کو حقیقت کے قریب لے آتی ہے اور ان کے ناولوں میں ایک مخصوص فضا پیدا کرتی ہے۔ ان کی تحریر میں روانی، سلاست اور برجستگی کے ساتھ اشاریت اور رمزیت بھی ملتی ہے، جس سے ان کا اسلوب عام نثر سے الگ شناخت قائم کرتا ہے۔ عصمت چغتائی

نے اپنی ادبی زندگی میں متعدد ناول اور ناولٹ تحریر کیے، جن میں ''ضدی''، ''ٹیڑھی لکیر''، ''دل کی دنیا''، ''تین اناڑی''، ''معصومہ''، ''باندی'' اور ''ایک قطرۂ خون'' خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تخلیقات میں موضوعات اور کرداروں کی نوعیت مختلف ہے، لیکن عورت، سماج، روایت اور انسانی نفسیات کے مسائل کسی نہ کسی صورت میں ان کے مرکز میں رہتے ہیں۔

''ضدی'' عصمت کا ابتدائی اہم ناول ہے جس میں طبقاتی اور معاشرتی روایتوں کے باہمی تضاد کو نمایاں کیا گیا ہے۔ پورن سنگھ اور آشا کے کرداروں کے ذریعے مختلف سماجی طبقوں کے درمیان موجود فاصلے اور فرسودہ اقدار سے بغاوت کو پیش کیا گیا ہے۔ بظاہر اس ناول میں محبت کی کہانی موجود ہے، لیکن اس کے پس منظر میں طبقاتی نظام اور روایتی سماجی ذہنیت پر تنقیدی نظر بھی دکھائی دیتی ہے۔ عصمت کے فن کا نقطۂ عروج ''ٹیڑھی لکیر'' کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس ناول کی مرکزی کردار شمن ایک ایسی لڑکی ہے جو ابتدا ہی سے روایتی سماجی حدود کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تعلیم، ملازمت، محبت، شادی اور ازدواجی زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے وہ مسلسل اپنے وجود اور آزادی کے سوال سے دوچار رہتی ہے۔ اس کے سامنے معاشرہ بار بار پابندیاں عائد کرتا ہے، لیکن شمن اپنی ذات کو ان بندشوں کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اپنی راہ خود بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس طرح شمن محض ایک فرد کا کردار نہیں رہتی بلکہ اس عورت کی علامت بن جاتی ہے جو اپنے وجود اور اختیار کے لیے روایتی معاشرتی نظام سے ٹکراتی ہے۔

''دل کی دنیا'' میں عصمت نے گھریلو اور خاندانی نظام میں عورت کی بے بسی کو موضوع بنایا ہے۔ قدسیہ بیگم کی زندگی کے ذریعے یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح خاندان کی عزت، روایت اور شوہر سے وابستہ توقعات عورت کی ذاتی خواہشات اور جذبات کو دبا دیتی ہیں۔ عورت اپنی پوری زندگی خاندان کے لیے وقف کر دیتی ہے، لیکن اس کی اپنی ذات اور جذبات کو وہ اہمیت نہیں ملتی جس کی وہ مستحق ہے۔ اس طرح یہ ناولٹ عورت کی داخلی محرومی اور ازدواجی زندگی کی ناہمواریوں کی تصویر پیش کرتا ہے۔

''تین اناڑی'' میں عصمت نے بچوں کی نفسیات اور ان کے مخصوص طرزِ عمل کو موضوع بنایا ہے۔ بچوں کی شرارتیں، بے فکری اور لاابالی پن بظاہر اس ناول کی بنیادی فضا بناتے ہیں، لیکن ان ہی کرداروں کے ذریعے معاشرے اور اس کے بعض نام نہاد رہنماؤں کے رویوں پر طنزیہ نظر بھی ڈالی گئی ہے۔ اس طرح مصنفہ نے بچوں کی دنیا کو وسیلہ بنا کر سماجی زندگی کے بعض سنجیدہ مسائل کو اجاگر کیا ہے۔

''معصومہ'' میں متوسط مسلمان طبقے کی معاشی مشکلات اور عورت کی بے بسی نمایاں ہوتی ہے۔ مرکزی کردار ایسے حالات میں زندگی بسر کرتا ہے جہاں معاشی کمزوری، مرد مرکوز معاشرت اور مسلسل استحصال اس کی شخصیت کو متاثر کرتے ہیں۔

عصمت یہاں فرد کی تباہی کو محض اس کی ذاتی کمزوری کا نتیجہ نہیں سمجھتیں بلکہ ان سماجی اور معاشی حالات کی طرف توجہ دلاتی ہیں جو انسان کو مجبور اور بے اختیار بنا دیتے ہیں۔ دولت مند طبقے کی خود غرضی اور کمزور عورت سے فائدہ اٹھانے کے رویے کے خلاف احتجاج اس ناول کا اہم پہلو ہے۔

''باندی'' میں نوابی معاشرت اور اس کے اندر موجود اخلاقی زوال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نوابوں کی عیش پسندی، بوالہوسی اور باندیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کے ذریعے ایک ایسے معاشرتی طبقے کی تصویر سامنے آتی ہے جو اپنی طاقت اور دولت کو انسانی وقار سے بالاتر سمجھتا ہے۔ عصمت نے اس ماحول کے ذریعے نہ صرف نوابی نظام کی خامیوں پر طنز کیا بلکہ کردار، ماحول اور معاشرتی رویوں کی مؤثر عکاسی بھی کی ہے۔

''ایک قطرۂ خون'' عصمت چغتائی کی مختلف نوعیت کی تخلیق ہے جس میں واقعۂ کربلا کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ یہاں مذہبی اور تاریخی پس منظر کے ساتھ انسانی محبت، امن، بھائی چارے اور قربانی کے تصورات کو اہمیت دی گئی ہے۔ ہجرت، خوف اور انسانی المیے کی کیفیات بھی اس ناول میں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس طرح عصمت نے مذہبی واقعے کو انسانی اقدار کے وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

عصمت چغتائی کی ناول نگاری کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان کے یہاں پلاٹ کے مقابلے میں کردار اور کردار کی داخلی دنیا کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وہ واقعات کو کردار کی نفسیاتی تشکیل کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ان کے کردار اپنی کمزوریوں، خواہشات، محرومیوں اور مزاحمت کے ساتھ زندگی کی حقیقی صورتِ حال کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بعض تخلیقات میں سوانحی رنگ بھی محسوس ہوتا ہے اور کردار کی زندگی کا سفر پوری کہانی کو اپنے گرد مرکوز کر لیتا ہے۔

عصمت چغتائی کی سب سے بڑی ادبی اہمیت شاید یہ ہے کہ انہوں نے ان موضوعات کو اردو فکشن کا حصہ بنایا جنہیں معاشرہ طویل عرصے تک خاموشی میں رکھنے کا خواہش مند تھا۔ عورت کی جنسیت، اس کی نفسیاتی الجھنیں، ازدواجی زندگی کی ناہمواریاں، گھریلو استحصال، طبقاتی فرق، فرسودہ روایتیں اور مردانہ بالادستی جیسے موضوعات کو انہوں نے اپنی مخصوص بے باکی کے ساتھ پیش کیا۔ ان کی تحریروں پر اعتراضات ہوئے، لیکن یہی اعتراضات اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ انہوں نے اپنے عہد کے حساس اور ممنوع سمجھے جانے والے سوالات کو ادبی بحث کا موضوع بنا دیا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ عصمت کے فن کو محدودیت کے الزام سے بالکل مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی توجہ کا بڑا حصہ عورت اور متوسط طبقے کی مخصوص دنیا پر مرکوز رہا، اس لیے ان کے تجربات کا دائرہ بعض دوسرے بڑے ناول نگاروں کے مقابلے میں محدود محسوس ہو سکتا ہے۔ تاہم اس محدود

دائرے کے اندر انہوں نے جس گہرائی سے عورت کی نفسیات، اس کی محرومی، بغاوت اور سماجی کشمکش کو سمجھا اور بیان کیا، وہ ان کی انفرادیت کا بنیادی سبب ہے۔ ان کی زبان، مکالمہ نگاری اور کرداروں کی نفسیاتی تشکیل نے اس محدود دائرے کو بھی فنی وسعت عطا کر دی۔

الغرض عصمت چغتائی اردو ناول کی ان اہم فن کاروں میں شامل ہیں جنہوں نے عورت کو محض کہانی کا کردار نہیں بلکہ ایک بااختیار انسانی وجود کے طور پر پیش کیا۔ ان کی ناول نگاری میں حقیقت پسندی، نفسیاتی بصیرت، نسوانی شعور، سماجی احتجاج اور مخصوص زبان و اسلوب ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ان کے فن کا نمایاں ترین نمونہ ہے، لیکن ان کی دوسری تخلیقات بھی اردو فکشن میں اپنے اپنے موضوع اور فنی امتیاز کے باعث اہم ہیں۔ عصمت نے اپنے عہد کے سماجی سکوت کو توڑا اور عورت کے ان مسائل کو زبان دی جنہیں بیان کرنا آسان نہیں تھا۔ اسی بے باکی، فنی جرأت اور منفرد اسلوب کے سبب اردو ناول کی تاریخ میں ان کا نام ایک مستقل اور نمایاں مقام رکھتا ہے۔

عزیز احمد

عزیز احمد اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے متعدد ناولوں کے ذریعے اردو فکشن میں نئے موضوعات، نئے اسلوب اور بدلتے ہوئے معاشرتی و تہذیبی شعور کو جگہ دی۔ ان کے اہم ناولوں میں ''ہوس''، ''شبنم''، ''ایسی بلندی ایسی پستی''، ''گریز'' اور ''آگ'' قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں رومانوی احساس ابتدا ہی سے نمایاں دکھائی دیتا ہے، تاہم یہ رومان محض عشق و محبت کے جذبات تک محدود نہیں رہتا بلکہ رفتہ رفتہ انسانی نفسیات، معاشرتی حالات اور تہذیبی مسائل سے جڑ جاتا ہے۔ بعض ابتدائی ناولوں، خصوصاً ''ہوس'' میں رومان کا عنصر جنسی جذبے کی شدت اختیار کر لیتا ہے، لیکن بعد کے ناولوں میں رومان اور جنس کے ساتھ سماجی شعور بھی نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح عزیز احمد انسانی خواہشات اور معاشرتی حقیقتوں کے باہمی تعلق کو سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عزیز احمد کے ناولوں میں ''گریز'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ناول ایک ایسے تعلیم یافتہ نوجوان نعیم کی داستان ہے جو آئی سی ایس کے لیے منتخب ہونے کے بعد انگلستان اور یورپ کا سفر کرتا ہے۔ ناول کا زمانہ 1936ء سے 1942ء تک کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کو اپنے دائرے میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس دور میں ہندوستان سمیت پوری دنیا بڑی سیاسی اور تہذیبی تبدیلیوں سے گزر رہی تھی۔ ایک طرف ہندوستان غلامی کے شکنجے میں گرفتار تھا اور آزادی کی تحریک زور پکڑ رہی تھی تو

دوسری طرف مغربی تہذیب، جدید علوم اور نئے افکار کا اثر ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے پر گہرا ہوتا جارہا تھا۔ عزیز احمد نے اسی بدلتے ہوئے عہد کو نعیم کی شخصیت اور اس کے تجربات کے ذریعے پیش کیا ہے۔

''گریز'' میں مشرق اور مغرب کے درمیان تہذیبی تصادم کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ نعیم جب یورپ پہنچتا ہے تو وہاں کی آزاد معاشرت، جدید طرزِ زندگی، علمی ماحول اور تہذیبی رویے اس کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اس کی شخصیت میں بھی تبدیلیاں پیدا ہونے لگتی ہیں اور وہ اپنی مشرقی تربیت اور مغربی تجربات کے درمیان ایک مسلسل کشمکش محسوس کرتا ہے۔ وہ نہ پوری طرح مشرقی روایات کا پابند رہ پاتا ہے اور نہ مغربی تہذیب کو مکمل طور پر قبول کر پاتا ہے۔ یوں اس کی شخصیت اس عہد کے اس ہندوستانی نوجوان کی نمائندگی کرتی ہے جو جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات کے نتیجے میں فکری اور تہذیبی دوراہے پر کھڑا تھا۔

نعیم جدید علوم و فنون سے واقف اور بدلتی ہوئی دنیا کے تقاضوں سے باخبر نوجوان ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی زندگی میں اطمینان اور ذہنی استحکام پیدا نہیں ہوتا۔ یورپ کی ظاہری چمک دمک اور آسائشیں بھی اس کے اندر موجود بے چینی کو ختم نہیں کر پاتیں۔ وہ زندگی کی تلخیوں، ذمہ داریوں اور جذباتی وابستگیوں سے گریز کرتا ہے۔ اس کے کردار میں تذبذب، بے سمتی اور داخلی کشمکش نمایاں ہے۔ اسے خود بھی پوری طرح معلوم نہیں کہ وہ زندگی سے کیا چاہتا ہے۔ یہی کیفیت ''گریز'' کے عنوان کو بھی معنوی وسعت عطا کرتی ہے، کیونکہ نعیم زندگی کی کئی بنیادی حقیقتوں اور ذمہ داریوں کا سامنا کرنے کے بجائے ان سے فرار اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے۔

نعیم کے کردار میں اس دور کے تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوان کے مسائل کی ترجمانی ملتی ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے سے تعلق رکھتا ہے جہاں پرانی تہذیبی اقدار اپنی جگہ موجود ہیں، لیکن جدید علوم، مغربی افکار اور نئی معاشرتی اقدار ان کے مقابل ایک نیا ذہنی ماحول پیدا کر رہی ہیں۔ نعیم اسی تبدیلی کے درمیان اپنی شناخت تلاش کرتا ہے۔ مغربی تہذیب کی آزادی اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، مگر اس کے اندر موجود کھوکھلا پن بھی رفتہ رفتہ اس پر آشکار ہوتا ہے۔ دوسری طرف مشرقی معاشرت کی پابندیاں اسے پوری طرح مطمئن نہیں کرتیں۔ اس طرح اس کی شخصیت ایک ایسے انسان کی تصویر بن جاتی ہے جو دو تہذیبوں کے درمیان کھڑا اپنی سمت متعین کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عزیز احمد کے ناولوں میں رومان اور جنس کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے۔ ''گریز'' میں نعیم کی زندگی کے مختلف تجربات کے ذریعے عورت اور مرد کے تعلق، جنسی کشش اور جذباتی وابستگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ یورپ میں نعیم کا واسطہ

مختلف عورتوں سے پڑتا ہے اور ان تعلقات کے ذریعے مغربی معاشرت کے کئی پہلو اس کے سامنے آتے ہیں۔ تاہم وہ کسی ایک عورت کے ساتھ مستقل وابستگی قائم نہیں کر پاتا۔ عورت اس کے لیے اکثر جسمانی کشش اور عارضی جذباتی تجربے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ اس کے باوجود عزیز احمد نے جنسی موضوع کو محض لذت یا تفریح کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ اسے انسانی نفسیات، تہذیبی فرق اور معاشرتی پابندیوں کے تناظر میں پیش کیا ہے۔

''گریز'' کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں رومان اور جنس کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشی حالات کی جھلکیاں بھی موجود ہیں۔ یہ ناول دو عالمی جنگوں کے درمیان کے ایک ایسے پر آشوب عہد کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں دنیا سیاسی بحرانوں، معاشی مشکلات اور تہذیبی انتشار سے دوچار تھی۔ ہندوستان میں آزادی کی تحریک اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی اور نئی نسل جدید سیاسی اور سماجی نظریات سے متاثر ہو رہی تھی۔ عزیز احمد نے ان حالات کو محض تاریخی واقعات کی صورت میں پیش کرنے کے بجائے کرداروں کی زندگی اور ذہنی کیفیت کے ساتھ مربوط کیا ہے۔

عزیز احمد کی ناول نگاری کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ وہ زندگی کے مختلف اور بظاہر متضاد پہلوؤں کو ایک ساتھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں رومان، جنس، سیاست، معاشرت، تہذیب اور نفسیات ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں بلکہ باہم مربوط نظر آتے ہیں۔ وہ انسانی کردار کو اس کے معاشرتی اور تہذیبی ماحول سے جدا کر کے نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں فرد کی داخلی کشمکش کے ساتھ اس عہد کے وسیع تر سماجی مسائل بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔

عزیز احمد نے اپنے ناولوں میں ہندوستان کے ساتھ یورپ اور دیگر غیر ہندوستانی معاشروں کے حالات کو بھی پیش کیا ہے۔ مختلف تہذیبوں کے لوگوں کے باہمی میل جول اور تہذیبی اختلافات سے جو صورت حال پیدا ہوتی ہے، اسے انہوں نے بڑی دلچسپی سے بیان کیا ہے۔ مغربی تہذیب کی آزادی اور مشرقی معاشرے کی روایتی پابندیوں کا تقابل ان کے فن کا ایک اہم پہلو ہے۔ ان کے یہاں نئی تہذیب کی آمد صرف ظاہری تبدیلی نہیں بلکہ انسانی فکر، اخلاق، جذبات اور معاشرتی رویوں میں تبدیلی کا سبب بھی بنتی ہے۔

''گریز'' کی اہمیت اس اعتبار سے بھی مسلم ہے کہ اس میں یورپ کو ایک ہندوستانی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یورپ کی سیاسی، اقتصادی اور جنسی زندگی کے مختلف پہلو ہندوستانی قاری کے سامنے ایک نئے انداز میں آتے ہیں۔ علی عباس حسینی نے بھی ''گریز'' کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے اردو زبان میں یورپ کے سیاسی، اقتصادی اور جنسی پہلوؤں کو ہندوستانی نقطۂ نظر سے پیش کرنے والی اہم کوشش قرار دیا ہے۔

مختصر یہ کہ عزیز احمد نے اردو ناول کو ایک نئے فکری اور فنی موڑ سے آشنا کیا۔ انہوں نے بدلتے ہوئے ہندوستانی معاشرے، مغربی تہذیب کے اثرات، مشرق و مغرب کے تہذیبی تصادم، انسانی نفسیات، رومان اور جنسی کشمکش جیسے موضوعات کو اپنے ناولوں کا حصہ بنایا۔ ''گریز'' ان کی ناول نگاری کا ایک اہم نمونہ ہے جس میں ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوان کی زندگی کے ذریعے پورے عہد کی فکری اور تہذیبی بے چینی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ عزیز احمد کے ناول اس اعتبار سے اردو فکشن میں خاص اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں زندگی کو کسی ایک زاویے سے نہیں بلکہ اس کے متعدد رنگوں اور پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی ناول نگاری اردو ادب میں جدید حسیت، تہذیبی شعور اور انسانی نفسیات کے مطالعے کی ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔

5.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے پریم چند، کرشن چند، عصمت چغتائی اور عزیز احمد کی ناول نگاری کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے حصہ 5.8 سے رجوع کریں۔

الف) خالی جگہیں پُر کیجیے

1۔ ''میدانِ عمل'' پریم چند کا ایک اہم _____ ہے، جس میں ہندوستان کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کی عکاسی ملتی ہے۔

2۔ ''میدانِ عمل'' کا مرکزی کردار _____ ہے۔

3۔ کرشن چندر کے ناول ''جب کھیت جاگے'' کا مرکزی کردار _____ ہے۔

4۔ ''جب کھیت جاگے'' میں ریشم طبقاتی _____ کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

5۔ عصمت چغتائی کا مشہور افسانہ _____ ہے۔

5.4 عمومی جائزہ

اس باب میں ہم نے **ترقی پسند تحریک، سجاد ظہیر اور ترقی پسند اردو ناول نگاری** کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ان اہم تحریکوں میں شمار ہوتی ہے جس نے ادب کو محض حسن و عشق، رومان اور فرد کی داخلی کیفیات تک محدود رکھنے کے بجائے اسے زندگی کے حقیقی مسائل، سماجی ناہمواری، معاشی استحصال، سیاسی جبر، طبقاتی کشمکش اور انسانی آزادی کے سوالات سے وابستہ کیا۔ اس تحریک کے پس منظر میں برطانوی سامراج، ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد، معاشی نابرابری، جاگیردارانہ نظام اور دنیا میں پیدا ہونے والی سیاسی و فکری تبدیلیاں کارفرما تھیں۔ ترقی پسند ادیبوں نے اس تصور کو فروغ دیا کہ ادب کو اپنے عہد کی حقیقتوں سے آنکھیں نہیں چرانی چاہییں بلکہ اسے انسان اور معاشرے کی بہتر تشکیل میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ سجاد ظہیر نے ترقی پسند تحریک کو منظم اور مضبوط کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان کی فکری تشکیل پر مارکسی نظریات، سوشلزم اور سامراج مخالف تحریکوں کے اثرات نمایاں تھے۔ **"انگارے "** کی اشاعت نے اردو ادب میں ایک نئے فکری اور سماجی رجحان کو جنم دیا، جب کہ 1936ء میں لکھنؤ میں منعقد ہونے والی پہلی کل ہند ترقی پسند مصنفین کانفرنس نے اس تحریک کو باقاعدہ ادبی تحریک کی صورت عطا کی۔ سجاد ظہیر نے ادب کو انسان دوستی، مساوات، آزادی اور سماجی انصاف کے تصورات سے جوڑنے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب **"روشنائی "** "ترقی پسند تحریک کی تاریخ، اس کے فکری ارتقا اور اس سے وابستہ ادیبوں کی سرگرمیوں کو سمجھنے کے لیے اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں ترقی پسند ناول نگاروں **کرشن چندر، عصمت چغتائی اور عزیز احمد** کی ناول نگاری کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان تینوں ادیبوں نے ترقی پسند فکر کو اپنے اپنے مخصوص تخلیقی مزاج، موضوعات اور اسلوب کے ذریعے اردو ناول میں پیش کیا۔ اگرچہ ان کے موضوعات اور فنی طریقۂ اظہار میں نمایاں فرق موجود ہے، تاہم انسان، معاشرہ، تہذیب، طبقاتی ناہمواری، نفسیاتی کشمکش اور بدلتی ہوئی زندگی ان کے فن کے اہم موضوعات ہیں۔ **کرشن چندر** کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری، انسان دوستی اور سماجی شعور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کسانوں، مزدوروں، غریبوں اور محروم طبقات کی زندگی کو اپنے ادب کا موضوع بنایا۔ غربت، بھوک، طبقاتی استحصال، جاگیردارانہ نظام، فرقہ واریت اور تقسیمِ ہند کے المیے کو انہوں نے نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔ ان کی تحریروں میں کشمیر کی فطری اور تہذیبی فضا، ہندوستانی دیہی زندگی اور عام انسان کے مسائل بھی نمایاں ہیں۔ ان کے اسلوب میں حقیقت پسندی کے ساتھ رومان، طنز، تخیل، منظر نگاری اور شگفتگی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ **"غدار"، "مٹی کے صنم خانے"، "جب کھیت جاگے "** اور **"ایک گدھے کی سرگزشت "**

جیسی تخلیقات ان کے متنوع تخلیقی شعور کی نمائندگی کرتی ہیں۔اس طرح کرشن چندر نے ترقی پسند نظریات کو محض نظریاتی بیان کے طور پر نہیں بلکہ انسانی کرداروں اور زندگی کے تجربات کے ذریعے فنی شکل عطا کی۔

عصمت چغتائی کی ناول نگاری میں عورت کی زندگی،اس کی نفسیات، جنسی شعور، سماجی محرومی،گھریلو استحصال اور مردانہ بالادستی کے خلاف مزاحمت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔انہوں نے متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں کی زندگی کو قریب سے دیکھا اور اس کے پوشیدہ مسائل کو بے باکی سے ادبی اظہار دیا۔ان کے یہاں عورت محض ثانوی کردار نہیں بلکہ اپنی خواہشات، جذبات، محرومیوں اور فیصلوں کے ساتھ ایک مکمل انسانی وجود کی حیثیت رکھتی ہے۔**"ٹیڑھی لکیر "**ان کے فن کا نمایاں نمونہ ہے، جس میں شمن کے کردار کے ذریعے عورت کی آزادی،شناخت اور روایتی معاشرتی پابندیوں سے کشمکش کو پیش کیا گیا ہے۔عصمت کے اسلوب کی برجستگی، مکالموں کی فطری کیفیت، طنزیہ لہجہ اور نفسیاتی بصیرت ان کے فن کو منفرد بناتے ہیں۔انہوں نے ایسے موضوعات کو اردو فکشن میں جگہ دی جن پر معاشرے میں گفتگو کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔

عزیز احمد کی ناول نگاری میں رومان، جنس، نفسیات، تہذیب اور معاشرتی تبدیلی کے عناصر نمایاں ہیں۔ان کے ناولوں میں فرد کی داخلی کشمکش اور اس کے تہذیبی ماحول کے درمیان گہرا تعلق دکھائی دیتا ہے۔ خصوصاً**"گریز "**میں مشرق و مغرب کے تہذیبی تصادم، جدید تعلیم، مغربی طرزِ زندگی، سیاسی حالات اور انسانی نفسیات کو ایک ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ نعیم کا کردار اس تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوان کی نمائندگی کرتا ہے جو مشرقی روایات اور مغربی تہذیب کے درمیان فکری اور تہذیبی کشمکش کا شکار ہے۔ عزیز احمد نے انسانی خواہشات اور معاشرتی پابندیوں کے باہمی تعلق کو بھی موضوع بنایا اور یوں اردو ناول میں جدید حسیت اور تہذیبی شعور کو فروغ دیا۔

مجموعی طور پر اس باب کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ **ترقی پسند اردو ناول نگاری نے ادب اور زندگی کے تعلق کو ایک نئے تناظر میں پیش کیا۔** اس نے عام انسان، خصوصاً کسان، مزدور، عورت اور محروم طبقات کو ادبی مرکزیت عطا کی اور غربت،استحصال، طبقاتی تقسیم، سامراجی جبر، تہذیبی کشمکش اور انسانی آزادی جیسے مسائل کو ناول کا موضوع بنایا۔ کرشن چندر کے یہاں سماجی حقیقت اور انسان دوستی، عصمت چغتائی کے یہاں نسوانی شعور اور نفسیاتی حقیقت نگاری، جبکہ عزیز احمد کے یہاں تہذیبی کشمکش، رومان اور جدید نفسیاتی شعور نمایاں صورت میں سامنے آتے ہیں۔اس طرح یہ باب آپ کو ترقی پسند تحریک کے فکری پس منظر کے ساتھ ساتھ اس کے اہم ناول نگاروں کے **موضوعاتی، فکری اور فنی امتیازات** کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

5.5 فرہنگ

۱۔ **ترقی پسندی** ـــــ معاشرتی مساوات، انسانی آزادی اور تبدیلی کی فکر

۲۔ **حقیقت نگاری** ـــــ زندگی کے حقیقی حالات اور مسائل کی عکاسی

۳۔ **ناول** ـــــ نثری صنف جس میں زندگی اور معاشرے کے واقعات و مسائل کو تفصیل سے پیش کیا جائے

۴۔ **ناول نگاری** ـــــ ناول لکھنے کا فن

۵۔ **کردار** ـــــ کہانی یا ناول میں حصہ لینے والی شخصیت

۶۔ **کردار نگاری** ـــــ کرداروں کی شخصیت، عادات، جذبات اور ذہنی کیفیات کی فنی پیش کش

۷۔ **افسانوی ادب** ـــــ تخیلی اور قصہ نما نثری ادب

۸۔ **طبقاتی کشمکش** ـــــ مختلف معاشرتی اور معاشی طبقات کے درمیان مفادات کا تصادم

۹۔ **سماجی ناہمواری** ـــــ معاشرے میں پائی جانے والی غیر مساوی اور ناانصافی پر مبنی صورتِ حال

۱۰۔ **استحصال** ـــــ کسی فرد یا طبقے کے حقوق اور وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانا

۱۱۔ **جاگیرداری** ـــــ زمین اور زرعی وسائل پر بااثر طبقے کے تسلط کا نظام

۱۲۔ **مادیت** ـــــ زندگی میں مادی آسائشوں اور دنیاوی مفادات کو بنیادی اہمیت دینا

۱۳۔ **انسان دوستی** ـــــ انسان کی عزت، آزادی، مساوات اور فلاح کو اہمیت دینے کا نظریہ

۱۴۔ **رومانیت** ـــــ جذبات، تخیل، حسن اور محبت کو مرکزی اہمیت دینے کا ادبی رجحان

۱۵۔ **طنز** ـــــ معاشرتی یا سیاسی خامیوں کو ظریفانہ اور تنقیدی انداز میں نمایاں کرنا

۱۶۔ **علامت** ـــــ کسی خیال یا کیفیت کو کسی شے، کردار یا واقعے کے ذریعے ظاہر کرنا

۱۷۔ **استعارہ** ـــــ کسی شے یا خیال کو مماثلت کی بنیاد پر کسی دوسری شے کے نام سے بیان کرنا

۱۸۔ **شعور کی رو** ـــــ کردار کے ذہن میں ابھرنے والے خیالات، یادوں اور احساسات کو مسلسل انداز میں پیش کرنے کی تکنیک

۱۹۔ **فلیش بیک** ـــــ ماضی کے واقعات کو حال کے بیان کے دوران دوبارہ پیش کرنے کی فنی تکنیک

۲۰۔ **رپورتاژ** ـــــ کسی واقعے یا صورتِ حال کو مشاہدے اور تاثرات کے ساتھ ادبی انداز میں پیش کرنا

۲۱۔ **تہذیبی فضا** ـــــ کسی علاقے یا معاشرے کے رسم و رواج، اقدار اور طرزِ زندگی کا مجموعی ماحول

۲۲۔ **تخلیقی وفور** ـــــ غیر معمولی تخلیقی جوش اور کثرتِ تخلیق

۲۳۔ **طبقاتی تضاد** ـــــ معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان معاشی، سماجی اور مراعاتی فرق

۲۴۔ **نوآبادیاتی نظام** ـــــ کسی طاقتور ملک کا دوسرے ملک یا خطے پر سیاسی، معاشی اور تہذیبی تسلط

۲۵۔ **مزاحمت** ـــــ ظلم، استحصال یا جبر کے خلاف جدوجہد

5.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ کرشن چندر کی ناول نگاری کے نمایاں موضوعات اور فنی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۲۔ پریم چند کے ناول **"میدانِ عمل"** میں نوآبادیاتی نظام، سماجی ناہمواری اور آزادی کی جدوجہد کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۳۔ کرشن چندر کے ناول **"جب کھیت جاگے "** میں کسانوں کی زندگی، طبقاتی کشمکش اور مزاحمتی شعور کی عکاسی پر تفصیلی بحث کیجیے۔

۴۔ عصمت چغتائی کی ناول نگاری میں عورت کے مسائل، سماجی جبر اور صنفی ناہمواری کے عناصر کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

۵۔ عزیز احمد کی ناول نگاری کی فکری اور فنی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے اہم ناولوں کا جائزہ لیجیے۔

۶۔ ترقی پسند اردو ناول میں **حقیقت نگاری، انسان دوستی اور طبقاتی شعور** کے باہمی تعلق پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔

5.7 مشقی سوالات

۱۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ناول کے موضوعات اور فنی رویوں کو کس طرح متاثر کیا؟ وضاحت کیجیے۔

۲۔ عصمت چغتائی کی ناول نگاری میں عورت کے مسائل اور معاشرتی ناہمواریوں کی عکاسی پر روشنی ڈالیے۔

۶۔ عزیز احمد کی ناول نگاری کے فکری اور فنی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے ادبی مقام کا تعین کیجیے۔

5.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ناول

2۔امر کانت

3۔راگھوراو

4۔تضاد

5۔لحاف

سوال ا۔ترقی پسند تحریک نے اردو ناول کے موضوعات اور فنی رویوں کو کس طرح متاثر کیا؟ وضاحت کیجیے۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے موضوعات اور فکری رجحانات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک نے ادب کو زندگی سے جوڑنے اور معاشرے کے حقیقی مسائل کو ادبی اظہار کا حصہ بنانے پر زور دیا۔ ترقی پسند ادیبوں کے نزدیک ادب کا مقصد صرف حسن اور تفریح کی تخلیق نہیں بلکہ انسان کے دکھ، محرومی، استحصال اور ناانصافی کو نمایاں کرنا بھی تھا۔

اردو ناول پر اس تحریک کا سب سے نمایاں اثر حقیقت نگاری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ناول نگاروں نے اپنے گرد و پیش کے حقیقی حالات کو موضوع بنایا۔ کسانوں، مزدوروں، غریبوں، عورتوں اور محروم طبقات کی زندگی کو اہمیت حاصل ہوئی۔ جاگیرداری، سرمایہ داری، طبقاتی امتیاز، غربت، بھوک، بے روزگاری اور سماجی ناانصافی جیسے مسائل ناول کا حصہ بن گئے۔ ترقی پسند ناول نگاروں نے کرداروں کو بھی نئے انداز میں پیش کیا۔ عام انسان جو پہلے ادب میں محض ضمنی حیثیت رکھتا تھا، اب ناول کا مرکزی کردار بننے لگا۔ کسان، مزدور اور غریب طبقے کے افراد اپنے مسائل اور حقوق کے شعور کے ساتھ سامنے آئے۔ کرشن چندر کے ناولوں میں کسان اور مزدور طبقے کی زندگی اور طبقاتی کشمکش نمایاں ہے۔ ''جب کھیت جاگے'' میں کسانوں کی جدوجہد، جاگیردارانہ نظام اور مزاحمتی شعور کو پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح عصمت چغتائی نے عورت کے مسائل اور سماجی پابندیوں کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ فنی اعتبار سے بھی ترقی پسند ناول میں حقیقت پسندانہ منظر نگاری، مکالمہ، علامت، طنز اور مختلف بیانیہ تکنیکوں کو فروغ ملا۔ تاہم ترقی پسند ناول محض نظریاتی نعرہ نہیں بنتا بلکہ بہترین تخلیقات میں نظریہ کرداروں، واقعات اور انسانی جذبات کے ساتھ فنی طور پر مربوط ہو جاتا ہے۔ اس طرح ترقی پسند تحریک نے اردو ناول کو زندگی کے قریب لانے، عام انسان کو مرکز بنانے اور معاشرتی مسائل کو فنی اظہار دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

سوال ۲۔ عصمت چغتائی کی ناول نگاری میں عورت کے مسائل اور معاشرتی ناہمواریوں کی عکاسی پر روشنی ڈالیے۔

عصمت چغتائی اردو ادب کی ان ممتاز تخلیق کاروں میں شمار ہوتی ہیں جنہوں نے عورت کی زندگی، اس کے مسائل، جذبات، خواہشات اور معاشرتی پابندیوں کو بے باک انداز میں پیش کیا۔ ان کی ناول نگاری میں عورت محض ایک کمزور یا تابع کردار نہیں بلکہ اپنے وجود، شناخت اور حقوق کا شعور رکھنے والی شخصیت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ عصمت چغتائی نے متوسط اور روایتی معاشرے میں عورت کی زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا۔ ان کے یہاں عورت کو گھر، خاندان، رسم و رواج اور سماجی توقعات کے مختلف دباؤ کا سامنا ہے۔ وہ دکھاتی ہیں کہ بظاہر عزت اور اخلاق کے نام پر قائم بہت سی پابندیاں دراصل عورت کی آزادی اور شخصیت کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان کے ناولوں اور افسانوں میں ازدواجی زندگی، عورت کی معاشی اور سماجی حیثیت، جنسی نفسیات، گھریلو جبر، طبقاتی فرق اور صنفی امتیاز جیسے مسائل نمایاں ہیں۔ عصمت کا اندازِ بیان بے باک ہونے کے ساتھ ساتھ طنزیہ بھی ہے۔ وہ معاشرے کی ان منافقتوں کو بے نقاب کرتی ہیں جنہیں عام طور پر اخلاق اور روایت کا نام دے کر چھپا دیا جاتا ہے۔

ان کی کردار نگاری کا ایک اہم وصف نفسیاتی گہرائی ہے۔ ان کے نسوانی کردار اپنی خواہشات، محرومیوں، غصے، محبت اور اضطراب کے ساتھ زندہ محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاری ان کرداروں کے مسائل کو محض سماجی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی تجربہ محسوس کرتا ہے۔ عصمت چغتائی کی زبان بھی ان کے فن کا اہم پہلو ہے۔ روزمرہ زبان، برجستہ مکالمے، طنز اور بے تکلف اسلوب ان کی تحریر کو منفرد بناتے ہیں۔ اس طرح عصمت چغتائی کی ناول نگاری اردو ادب میں عورت کے وجود اور اس کے سماجی مسائل کو مرکز میں لانے کی ایک اہم کوشش ہے۔ انہوں نے عورت کو خاموش تماشائی کے بجائے معاشرے کے فعال اور باشعور فرد کے طور پر پیش کیا۔

سوال ۳۔ عزیز احمد کی ناول نگاری کے فکری اور فنی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے ادبی مقام کا تعین کیجیے۔

عزیز احمد اردو کے اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں جدید زندگی کے مسائل، انسانی نفسیات، معاشرتی تبدیلی، تہذیبی کشمکش اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں نمایاں ہیں۔ انہوں نے اردو ناول کو جدید ذہنی اور فکری تجربات سے ہم کنار کیا۔

عزیز احمد کی ناول نگاری میں فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے کردار بدلتے ہوئے معاشرتی ماحول میں اپنی شناخت، جذبات اور خواہشات کے مسائل سے دوچار نظر آتے ہیں۔ اس لیے ان کے ناولوں میں محض خارجی واقعات نہیں بلکہ کرداروں کی داخلی اور نفسیاتی کیفیات بھی اہمیت رکھتی ہیں۔

ان کے فکری موضوعات میں جدید تہذیب، مشرق و مغرب کا تصادم، انسانی خواہشات، اخلاقی کشمکش، معاشرتی اقدار میں تبدیلی اور فرد کی تنہائی جیسے مسائل شامل ہیں۔ وہ بدلتے ہوئے معاشرے میں انسان کے ذہنی اضطراب اور جذباتی پیچیدگیوں کو نمایاں کرتے ہیں۔ فنی اعتبار سے عزیز احمد نے کردار نگاری، مکالمہ، منظر نگاری اور نفسیاتی تجزیے سے استفادہ کیا۔ ان کے ہاں ناول کی روایتی قصہ گوئی کے ساتھ جدید اسلوب اور فکری گہرائی بھی ملتی ہے۔ ان کے کردار یک رخے نہیں بلکہ مختلف ذہنی اور جذباتی سطحوں کے حامل ہوتے ہیں۔

عزیز احمد کی ناول نگاری کی اہمیت اس بات میں ہے کہ انہوں نے اردو ناول کو جدید شہری اور ذہنی زندگی کے مسائل سے جوڑا۔ ان کے یہاں سماجی حقیقت اور انسانی نفسیات ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ مجموعی طور پر عزیز احمد اردو ناول کی اس روایت کے اہم نمائندے ہیں جس نے ناول کو محض واقعاتی قصہ گوئی سے آگے بڑھا کر فکری، نفسیاتی اور تہذیبی تجربے کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کا ادبی مقام اردو ناول کے ارتقا میں اسی اعتبار سے اہم اور قابلِ ذکر ہے۔

5.9 امدادی کتب

۱۔ **اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ** ——ڈاکٹر احسن فاروقی

۲۔ **اُردو فکشن** ——آل احمد سرور

۳۔ **پریم چند کا تنقیدی مطالعہ** ——ڈاکٹر قمر رئیس

۴۔ **ناول کا فن** ——ای۔ ایم۔ فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

۵۔ **بیسویں صدی میں اُردو ناول** ——ڈاکٹر یوسف سرمست

۶۔ **داستان سے افسانے تک** ——وقار عظیم

۷۔ **اُردو ناول کی تاریخ و تنقید** ——علی عباس حسینی

۸۔ **ادبی تخلیق اور ناول** ——احسن فاروقی

۹۔ **قرۃ العین حیدر کا فن** ——عبدالمغنی

۱۰۔ **اُردو ناول بیسویں صدی میں** ——عبدالسلام

۱۱۔ **ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول** ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۲۔ **تفہیم و تعبیر** ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۳۔ **۱۹۷۰ کے بعد کے اہم فکشن نگار** ——ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

۱۴۔ **آزادی کے بعد اُردو ناول** ——ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۶۔ کرشن چندر کی ناول نگاری اور جب کھیت جاگے کا تنقیدی جائزہ

ساخت

6.0 اغراض و مقاصد
6.1 تعارف
6.2 کرشن چندر کی ناول نگاری
6.2.0 جب کھیت جاگے کا تنقیدی جائزہ
6.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں
6.4 عمومی جائزہ
6.5 فرہنگ
6.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
6.7 مشقی سوالات
6.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
6.9 امدادی کتب

6.0 اغراض ومقاصد

اس باب کے مطالعے کے بعد آپ کرشن چندر کی ادبی شخصیت اور اردو ناول نگاری میں ان کے اہم مقام سے واقف ہو سکیں گے اور ان کی ناول نگاری کے نمایاں موضوعات اور فنی خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔ آپ ان کے فن میں حقیقت نگاری، انسان دوستی اور ترقی پسند فکر کے باہمی تعلق کا جائزہ لینے کے قابل ہوں گے اور یہ سمجھ سکیں گے کہ کرشن چندر نے غربت، بھوک، طبقاتی امتیاز، معاشی استحصال، کسانوں اور مزدوروں کے مسائل کو کس طرح اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ آپ **"جب کھیت جاگے "** کے موضوع، کردار، پلاٹ، اسلوب اور فنی ساخت کا تنقیدی مطالعہ کر سکیں گے اور اس ناول میں کسانوں کی زندگی، دیہی معاشرت، جاگیر دارانہ استحصال اور طبقاتی کشمکش کی عکاسی کو واضح کر سکیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ناول میں کسان کے اندر پیدا ہونے والے شعور، بیداری اور اجتماعی جدوجہد کے عناصر کا تجزیہ کر سکیں گے۔ آپ کرشن چندر کی منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، زبان و بیان اور طنزیہ اسلوب کی خصوصیات سے واقف ہوں گے اور ان کے فن میں فطرت اور انسانی زندگی کے باہمی تعلق کو سمجھ سکیں گے۔ نیز، آپ **"جب کھیت جاگے "** کے مطالعے کی روشنی میں ترقی پسند اردو ناول کی سماجی اور فکری معنویت کا تنقیدی جائزہ پیش کر سکیں گے، کرشن چندر کے یہاں عام انسان کو مرکزِ تخلیق بنانے کے رجحان کو سمجھ سکیں گے اور اس بات کا تجزیہ کر سکیں گے کہ ایک ادیب اپنی تخلیقی صلاحیت کے ذریعے سماجی ناانصافی، طبقاتی استحصال اور محرومی کے خلاف شعور بیدار کرنے میں کس طرح مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

6.1 تعارف

اردو ناول کی ترقی میں ترقی پسند تحریک نے ایک اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے اردو فکشن کو محض رومان، عشق اور فرد کی داخلی کیفیات تک محدود رکھنے کے بجائے اسے زندگی کے وسیع تر سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل سے جوڑنے کی کوشش کی۔ کسان، مزدور، غریب، عورت، محروم اور استحصال زدہ طبقے ترقی پسند ادب کے اہم موضوعات بنے۔ اس ادبی رجحان میں **حقیقت نگاری، انسان دوستی، سماجی شعور اور طبقاتی ناانصافی کے خلاف احتجاج** کو بنیادی اہمیت حاصل ہوئی۔ کرشن چندر اسی ترقی پسند روایت کے ایک اہم اور مقبول ناول نگار ہیں جنہوں نے اپنی وسیع تخلیقی صلاحیت کے ذریعے عام انسان کی زندگی، اس کے دکھ، محرومی، خواب اور جدوجہد کو اردو فکشن کا حصہ بنایا۔

کرشن چندر کی ناول نگاری میں زندگی کے مختلف رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ان کے یہاں رومان اور تخیل کے ساتھ ساتھ حقیقت پسندی، سماجی شعور، طنز، سیاسی بصیرت اور انسان دوستی بھی موجود ہے۔انھوں نے ہندوستانی معاشرے کو اس کے حقیقی پس منظر میں دیکھا اور خاص طور پر ان طبقات کی زندگی کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا جو معاشرتی اور معاشی اعتبار سے کمزور تھے۔ کسان کی غربت، مزدور کی محنت، بھوک، بے روزگاری، جاگیر دارانہ استحصال، طبقاتی تفاوت، فرقہ واریت اور انسانی بے بسی جیسے مسائل ان کے فکشن میں بار بار سامنے آتے ہیں۔ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سماجی مسائل کو محض نظریاتی بحث کے طور پر پیش نہیں کرتے بلکہ انہیں زندہ کرداروں، جذبات اور واقعات کے ذریعے محسوس ہونے والی حقیقت بنا دیتے ہیں۔

کرشن چندر کے فنی شعور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو ان کے معاشرتی ماحول سے الگ کر کے نہیں دیکھتے۔ان کے کردار اپنے طبقے، پیشے، معاشی حالات اور تہذیبی ماحول کے ساتھ جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان کی زبان رواں، شگفتہ اور عام فہم ہے، جب کہ منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور طنزیہ اظہار ان کے اسلوب کو مزید مؤثر بناتے ہیں۔وہ تلخ سماجی حقیقتوں کو بیان کرتے ہوئے بھی اپنے اسلوب میں جمالیاتی کشش اور تخلیقی شگفتگی برقرار رکھتے ہیں۔یہی امتزاج ان کے ناولوں کو محض اصلاحی یا سیاسی تحریر بننے سے بچاتا ہے۔

اس باب میں خاص طور پر کرشن چندر کی ناول نگاری اور ان کے اہم ناول **''جب کھیت جاگے ''** کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔''جب کھیت جاگے'' کے ذریعے کرشن چندر نے دیہی زندگی، کسانوں کے مسائل، معاشی ناہمواری، استحصال اور اجتماعی بیداری کو موضوع بنایا ہے۔اس ناول میں کھیت محض زراعت کی جگہ نہیں بلکہ کسان کی زندگی، محنت اور مستقبل کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔''جاگنے'' کا تصور اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب محروم اور محکوم انسان اپنے حقوق، اپنی طاقت اور اپنی اجتماعی حیثیت کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر تبدیلی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔اس طرح ناول میں کسان کی بیداری ایک وسیع تر سماجی شعور کی علامت بن جاتی ہے۔

آپ اس باب کے مطالعے کے دوران یہ سمجھ سکیں گے کہ کرشن چندر نے ترقی پسند نظریات کو کس طرح فنی پیکر عطا کیا اور ''جب کھیت جاگے'' میں کسان اور دیہی معاشرے کے مسائل کو کس انداز سے پیش کیا۔ساتھ ہی آپ ناول کے فکری پہلوؤں کے ساتھ اس کی فنی ساخت، کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ، زبان و بیان اور اسلوب کا بھی تنقیدی جائزہ لیں گے۔اس طرح یہ باب کرشن چندر کی ناول نگاری کو **حقیقت نگاری، انسان دوستی اور ترقی پسند سماجی شعور** کے تناظر میں سمجھنے میں معاون ثابت ہو گا۔

6.2 کرشن چندر کی ناول نگاری

کرشن چندر اردو ادب کے ان اہم اور ممتاز افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو محض حسنِ بیان اور قصہ گوئی تک محدود نہیں رکھا بلکہ انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل، معاشرتی ناہمواریوں، طبقاتی کشمکش، غربت، بھوک، استحصال، محرومی، فرقہ واریت اور انسانی مساوات جیسے موضوعات کو اپنی تخلیقات کا بنیادی حصہ بنایا۔ ان کی ادبی شخصیت میں رومان، حقیقت نگاری، انسان دوستی، ترقی پسند فکر، طنز، تخیل اور سماجی شعور اس طرح باہم مربوط نظر آتے ہیں کہ ان کے فن کی ایک الگ شناخت قائم ہو جاتی ہے۔ کرشن چندر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے عام اور محروم انسان کو اپنی تخلیقی دنیا کا مرکز بنایا اور ان لوگوں کے دکھ درد کو زبان دی جو معاشرے میں اکثر نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ کسان، مزدور، بھکاری، بے گھر انسان، عورت، نچلے طبقے کا فرد اور معاشی استحصال کا شکار انسان ان کے یہاں محض ضمنی کردار نہیں رہتے بلکہ انسانی زندگی کی بنیادی حقیقتوں کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں۔

کرشن چندر کی ادبی شخصیت کی تشکیل کسی ایک مخصوص خطے یا تہذیبی ماحول میں نہیں ہوئی بلکہ مختلف جغرافیائی اور تہذیبی تجربات نے ان کے ذہن و فن کو وسعت عطا کی۔ ان کی پیدائش راجستھان کے بھرت پور میں ہوئی۔ ان کے والد طبابت کے شعبے سے وابستہ تھے اور ملازمت کے سلسلے میں خاندان کو مختلف مقامات پر رہنے کا موقع ملا۔ بعد ازاں ان کا خاندان پونچھ، ریاست جموں و کشمیر منتقل ہوا اور کرشن چندر نے اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ پونچھ اور کشمیر کے ماحول میں گزارا۔ کشمیر کی فطری خوب صورتی، بلند پہاڑ، سرسبز وادیاں، دریاؤں اور چشموں کی دل آویزی، دیہی زندگی، عام لوگوں کی سادہ زندگی اور مقامی تہذیب و معاشرت نے ان کے حساس ذہن پر گہرے نقوش ثبت کیے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں کشمیر محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ، ایک تہذیبی فضا اور ایک جذباتی دنیا کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پونچھ سے ان کی وابستگی خاص طور پر اہم ہے، کیونکہ بچپن کی یادیں بعد کے تخلیقی شعور میں بار بار نمودار ہوتی رہیں۔

کرشن چندر نے زمانۂ طالب علمی ہی سے ادب کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ فورمین کرسچن کالج کے دورِ طالب علمی میں وہ کالج کے ادبی مجلے سے وابستہ رہے اور ابتدا میں انگریزی ادب کا بھی مطالعہ کیا۔ تاہم رفتہ رفتہ اردو ادب ان کی تخلیقی شناخت کا بنیادی وسیلہ بن گیا۔ ان کی پہلی اردو کہانی ''سادھو'' 1932ء میں شائع ہوئی۔ یہی وہ ابتدائی مرحلہ تھا جہاں سے ان کے طویل ادبی سفر کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے افسانہ، ناول، طنز، ڈراما، ریڈیو کے لیے تحریریں، فلمی کہانیاں اور اسکرپٹ سمیت متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی۔ اردو کے ساتھ ہندی میں بھی ان کی تخلیقی سرگرمیاں جاری رہیں۔ اس وسیع تخلیقی تجربے نے ان

کے اسلوب میں ایک خاص طرح کی روانی اور وسعت پیدا کی اور انھیں اردو کے ان ادیبوں میں شامل کر دیا جن کی تخلیقات محض ایک صنف یا ایک موضوع تک محدود نہیں رہیں۔

کرشن چندر کے فکری اور فنی سفر کو دیکھا جائے تو ان کی ابتدائی تحریروں میں رومان، تخیل اور جذباتی کیفیت کا غلبہ نظر آتا ہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان کا فن زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے زیادہ قریب ہوتا چلا گیا۔ انھوں نے اپنے گرد و پیش میں غربت، بھوک، افلاس، طبقاتی تفاوت، کسانوں کی بدحالی، مزدوروں کی مشکلات اور سماجی ناانصافی کو دیکھا اور محسوس کیا۔ ان مشاہدات نے ان کے تخلیقی شعور کو ایک نئی سمت عطا کی۔ ان کے ہاں انسان کی محرومی محض ایک جذباتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک وسیع معاشرتی اور اقتصادی نظام کا نتیجہ بن کر سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں فرد کے دکھ کے ساتھ ساتھ اس نظام پر بھی سوال اٹھایا جاتا ہے جو فرد کو دکھ اور محرومی سے دوچار کرتا ہے۔

ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے کرشن چندر کے فکری شعور کو مزید منظم کیا۔ وہ ادب کو زندگی سے الگ اور محض تفریح کا ذریعہ سمجھنے کے قائل نہیں تھے۔ ان کے نزدیک ادیب کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عہد کے مسائل کو محسوس کرے، سماج کی ناانصافیوں کو بے نقاب کرے اور ان لوگوں کے حق میں آواز بلند کرے جو اپنی آواز خود بلند کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ اسی لیے ان کے ادب میں انسان دوستی ایک بنیادی قدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایسے معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جہاں انسان کو محض اس کی معاشی حیثیت، ذات، مذہب یا طبقے کی بنیاد پر نہ پرکھا جائے بلکہ اسے ایک انسان کی حیثیت سے عزت، آزادی اور بنیادی حقوق حاصل ہوں۔

کرشن چندر کی ترقی پسند فکر کا ایک نمایاں پہلو طبقاتی شعور ہے۔ ان کے نزدیک معاشرے میں موجود غربت اور امارت کا فرق محض اتفاقی نہیں بلکہ ایک ایسے معاشی نظام کی پیداوار ہے جس میں وسائل اور اختیارات چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے افسانوں اور ناولوں میں کسان، مزدور اور غریب طبقہ بار بار مرکزی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ ان کا کسان محض ایک دیہی کردار نہیں بلکہ اس پورے ہندوستانی سماج کی علامت ہے جس کی محنت سے معاشرہ قائم ہے لیکن جسے خود زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر نہیں۔ اسی طرح مزدور بھی ان کے یہاں صرف معاشی سرگرمی کا ایک کردار نہیں بلکہ استحصال، محنت اور انسانی وقار کی جدوجہد کا نمائندہ ہے۔

کرشن چندر کی ناول نگاری کا مطالعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ انھوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ایک وسیع کینوس پر پیش کیا۔ ان کے ناولوں میں کشمیر کی فطرت اور تہذیب بھی ہے، ہندوستانی دیہات کی زندگی بھی، شہری معاشرے کے

تضادات بھی، تقسیمِ ہند کا المیہ بھی، طبقاتی کشمکش بھی اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں بھی۔ ''شکست'' میں کشمیر اور تقسیم کے حالات سے پیدا ہونے والے مسائل کو دیکھا جاسکتا ہے، جب کہ ''مٹی کے صنم خانے'' میں کشمیر کے ماحول اور بچپن کی یادوں کا تخلیقی اظہار ملتا ہے۔ اس طرح کشمیر ان کے ادب میں محض منظر نہیں رہتا بلکہ ان کی شخصیت اور یادداشت کا حصہ بن جاتا ہے۔

تقسیمِ ہند 1947ء کا سانحہ کرشن چندر کے حساس ذہن پر گہرا اثر ڈالنے والے واقعات میں شامل ہے۔ فسادات، ہجرت، قتل و غارت، خوف اور فرقہ وارانہ نفرت نے ہندوستانی معاشرے کو جس طرح متاثر کیا، کرشن چندر نے اسے پوری شدت سے محسوس کیا۔ ان کا ناول ''غدار'' اسی تاریخی پس منظر میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں تقسیم کے دوران انسان کی بے بسی، خوف، اضطراب اور فرقہ وارانہ کشیدگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کرشن چندر کے نزدیک فرقہ واریت صرف سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی تہذیب کے لیے ایک بنیادی خطرہ ہے۔ وہ مذہب، ذات، زبان اور علاقے کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم کو انسانیت کے بنیادی تصور کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کے ادب میں اس لیے انسان پہلے آتا ہے اور اس کی مذہبی یا طبقاتی شناخت بعد میں۔

انسان دوستی کرشن چندر کے فن کا محض ایک جذباتی پہلو نہیں بلکہ ان کے پورے فکری نظام کی بنیاد ہے۔ وہ غریب انسان کے دکھ کو دیکھ کر صرف اس پر رحم نہیں کرتے بلکہ یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ آخر وہ حالات کون سے ہیں جو انسان کو غربت اور بے بسی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں غربت فرد کی ذاتی ناکامی نہیں بلکہ معاشرتی اور اقتصادی ناہمواری کا نتیجہ بنتی ہے۔ جاگیردارانہ رویے، سرمایہ دارانہ استحصال، طبقاتی امتیاز، معاشی عدم مساوات اور طاقت کے غلط استعمال کے خلاف ان کا ردِ عمل اسی شعور کا نتیجہ ہے۔

ان کے افسانوں میں بھی عام انسان کی زندگی اسی شدت سے سامنے آتی ہے۔ ''دو فرلانگ لمبی سڑک'' میں روزمرہ زندگی کے معمولی سے واقعات کے اندر چھپی ہوئی معاشرتی ناانصافی کو محسوس کیا جاسکتا ہے، جب کہ ''ان داتا'' میں کسان کی معاشی اور سماجی حالت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کرشن چندر کی خوبی یہ ہے کہ وہ بڑے نظریاتی مسئلے کو بھی ایک عام انسان کی زندگی سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح نظریہ خشک بحث نہیں رہتا بلکہ انسانی تجربے میں ڈھل کر سامنے آتا ہے۔

''جب کھیت جاگے'' بھی کرشن چندر کی ترقی پسند اور سماجی فکر کے حوالے سے اہمیت رکھتا ہے۔ عنوان ہی اس تصور کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسان اور زمین سے وابستہ انسان ہمیشہ خاموش اور بے زبان نہیں رہ سکتا۔ اس کے اندر بھی شعور، احتجاج اور تبدیلی کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔ کرشن چندر نے کسان کو ہندوستانی معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر دیکھا۔ کھیت، زمین،

فصل، محنت، بھوک اور کسان کی زندگی ان کے لیے محض دیہی منظر نامے کے اجزا نہیں بلکہ ہندوستانی سماج کی بنیادی حقیقتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادب میں دیہات بار بار اپنی مختلف شکلوں میں سامنے آتا ہے۔

کرشن چندر کی تخلیقی شخصیت کا ایک اہم پہلو طنز بھی ہے۔ ''ایک گدھے کی سرگزشت'' اس کی بہترین مثالوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ بظاہر یہ ایک مزاحیہ اور طنزیہ تصنیف معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے اندر سیاسی، سماجی اور طبقاتی نظام پر گہری تنقید موجود ہے۔ گدھے کو مرکز میں رکھ کر کرشن چندر نے انسانی معاشرے کی ان کمزوریوں کو نمایاں کیا ہے جنہیں انسان اپنی روزمرہ زندگی میں معمول سمجھ کر قبول کرلیتا ہے۔ ان کا طنز محض ہنسانے کے لیے نہیں بلکہ قاری کو اپنے معاشرے پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہی طنزیہ بصیرت ان کے فن کو محض نظریاتی ادب بننے سے محفوظ رکھتی ہے۔

کرشن چندر کے ناولوں کی فہرست ان کے وسیع تخلیقی دائرے کی عکاسی کرتی ہے۔ ''طوفان کی کلیاں''، ''دل کی وادیاں سو گئیں''، ''آسمان روشن ہے''، ''باون پتے''، ''ایک عورت ہزار دیوانے''، ''سڑک واپس جاتی ہے''، ''برف کے پھول''، ''میری یادوں کے چنار''، ''فٹ پاتھ کے فرشتے''، ''درد کی نہر''، ''ایک وائلن سمندر کے کنارے''، ''لندن کے سات رنگ'' اور دیگر تصانیف میں ان کے موضوعاتی اور فنی تنوع کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہیں رومان اور یاد کا غلبہ ہے، کہیں معاشرتی حقیقتیں نمایاں ہیں، کہیں طنز اور کہیں انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں۔ اس تنوع کے باوجود ان کی تخلیقات کے مرکز میں انسان کا مسئلہ موجود رہتا ہے۔

کرشن چندر کے فن میں رومان اور حقیقت نگاری کا امتزاج بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ زندگی کی تلخیوں کو بیان کرتے ہوئے بھی اپنے اسلوب کو خشک اور سپاٹ نہیں ہونے دیتے۔ ان کے ہاں منظر نگاری میں شاعرانہ حسن، زبان میں شگفتگی، بیان میں روانی اور جذبات میں تاثیر ملتی ہے۔ کشمیر کی وادیوں، پہاڑوں، کھیتوں، دریاؤں اور دیہی مناظر کی تصویر کشی میں ان کے رومانوی مزاج کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے، لیکن یہی رومان جب سماجی حقیقت سے ملتا ہے تو ایک نئی معنویت پیدا کرتا ہے۔ فطرت کے حسن کے ساتھ انسان کی بدحالی کا تضاد ان کے فن میں کئی مقامات پر محسوس ہوتا ہے۔

ان کی زبان و بیان بھی ان کی ادبی انفرادیت کا ایک اہم سبب ہے۔ کرشن چندر نے نہایت رواں، سادہ، شگفتہ اور عام فہم زبان استعمال کی۔ انھوں نے مشکل نظری مباحث کو بھی ایسی زبان میں پیش کیا جو عام قاری کے لیے قابلِ فہم ہو۔ مختلف علاقوں اور طبقوں کے کرداروں کی زبان میں بھی انھوں نے فرق پیدا کیا۔ مقامی الفاظ، روزمرہ محاورات اور گفتگو کی فطری کیفیت ان کے مکالموں کو زندگی کے قریب لے آتی ہے۔ پونچھ اور کشمیر کے ماحول سے ان کی قربت کے باعث بعض تحریروں میں مقامی

تہذیب اور زبان کے اثرات بھی محسوس ہوتے ہیں۔ان کی زبان محض اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ کرداروں اور ماحول کی شناخت کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔

کرشن چندر کی منظر نگاری ان کے فن کا ایک اور نمایاں پہلو ہے۔وہ کسی منظر کو صرف ظاہری تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ انسانی جذبات کو بھی وابستہ کر دیتے ہیں۔ان کے ہاں فطرت اور انسان ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ کشمیر کی خوب صورتی ہو یا ہندوستانی دیہات کا منظر، کھیتوں میں کام کرتے کسان ہوں یا شہر کی مصروف سڑکیں، ہر منظر کے پس منظر میں انسانی زندگی کی کوئی نہ کوئی کیفیت موجود رہتی ہے۔اسی لیے ان کی منظر نگاری محض آرائشی نہیں بلکہ معنوی اہمیت بھی رکھتی ہے۔

کردار نگاری میں بھی کرشن چندر نے مختلف طبقوں اور ذہنی سطحوں کے انسانوں کو جگہ دی۔ان کے کردار مکمل طور پر سفید یا سیاہ نہیں ہوتے بلکہ ان کے اندر انسانی کمزوریاں، جذبات، خواہشات اور تضادات موجود رہتے ہیں۔یہی چیز ان کے کرداروں کو زندگی کے قریب لاتی ہے۔وہ محروم طبقے کے کردار کو بھی محض مظلوم بنا کر پیش نہیں کرتے بلکہ اسے خواہشات، خوابوں، عزتِ نفس اور ردِ عمل رکھنے والا مکمل انسان بناتے ہیں۔عورت کے کرداروں میں بھی مختلف ذہنی اور معاشرتی صورتیں سامنے آتی ہیں۔عورت کہیں محبت، محرومی اور قربانی کی علامت بنتی ہے تو کہیں سماجی جبر کے خلاف مزاحمت کا پیکر۔

کرشن چندر کے یہاں سماجی شعور کے ساتھ طنزیہ اور جذباتی لہجے کا امتزاج ان کے اسلوب کو منفرد بناتا ہے۔ان کی تحریر میں ایک طرف شدید انسانی ہمدردی محسوس ہوتی ہے تو دوسری طرف سماج کے ظالمانہ رویوں پر طنزیہ گرفت بھی موجود ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر قاری کو صرف رلاتی یا محظوظ نہیں کرتی بلکہ اسے سوچنے پر بھی مجبور کرتی ہے۔ان کے بہترین افسانوں اور ناولوں میں فکر اور فن کے درمیان ایک متوازن رشتہ قائم ہوتا ہے۔

فلمی دنیا سے کرشن چندر کی وابستگی بھی ان کی ادبی زندگی کا اہم باب ہے۔انھوں نے فلموں کے لیے کہانیاں، مکالمے اور اسکرپٹ لکھے۔ان کے ادبی اسلوب میں منظر نگاری اور مکالمے کی جو قوت موجود تھی، اس نے فلمی اظہار میں بھی ان کی مدد کی۔ اس تجربے نے ان کی تحریر میں ایک طرح کی بصری کیفیت پیدا کی۔وہ مناظر کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن میں پورا منظر متحرک ہو جاتا ہے۔اس اعتبار سے بھی ان کا فن اپنے عہد کے دوسرے ادیبوں سے بعض مقامات پر مختلف دکھائی دیتا ہے۔

کرشن چندر کے ادب پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ ترقی پسند اور سوشلسٹ نظریات سے ان کی وابستگی بعض اوقات فن پر نظریے کے غلبے کا سبب بنتی ہے۔ یہ اعتراض اپنی جگہ قابلِ غور ہے، کیونکہ بعض تحریروں میں نظریاتی وابستگی نسبتاً نمایاں محسوس ہوتی ہے، لیکن ان کے پورے تخلیقی سرمائے کو سامنے رکھا جائے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا ادب صرف نظریاتی پروپیگنڈا بن کر رہ گیا ہے۔ ان کی بہترین تخلیقات میں نظریہ انسانی تجربے، کردار، جذبات، رشتوں اور تخیل کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ فکر اور فن ایک دوسرے سے جدا نہیں رہتے۔ ان کی انسان دوستی اور سماجی وابستگی ہی ان کے فن کی بنیادی توانائی بن جاتی ہے۔

کرشن چندر کی تخلیقات میں کشمیر کی موجودگی کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ پونچھ میں گزارا ہوا بچپن، کشمیر کی فطرت اور وہاں کے لوگوں سے ان کا تعلق ان کے تخلیقی حافظے کا مستقل حصہ رہا۔ ان کی تحریروں میں کشمیر کبھی خوب صورت فطری منظر کے طور پر آتا ہے اور کبھی انسانی یادوں اور تہذیبی تجربات کے پس منظر میں۔ اس طرح کشمیر ان کے لیے محض ایک جگہ نہیں بلکہ ایک جذباتی اور تخلیقی تجربہ ہے۔ پونچھ میں ان کی یاد کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کے نام سے پارک کا قیام اور ان کا مجسمہ نصب کیا جانا بھی اس ادیب سے خطے کی وابستگی کی علامت سمجھا جا سکتا ہے۔

کرشن چندر نے اپنی طویل ادبی زندگی میں متعدد اصناف کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ ناول اور افسانہ ان کی بنیادی شناخت ضرور ہیں، لیکن طنز، ڈراما، ریڈیو، فلمی اسکرپٹ اور دیگر نثری اصناف میں بھی انھوں نے قابلِ ذکر کام کیا۔ ان کی تخلیقات کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا اور ان کا ادبی اثر اردو کے محدود دائرے سے نکل کر وسیع قارئین تک پہنچا۔ اس وسیع مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے موضوعات مقامی ہوتے ہوئے بھی انسانی سطح پر آفاقی معنویت رکھتے ہیں۔ بھوک، غربت، محبت، محرومی، جنگ، تقسیم، ناانصافی اور انسانی آزادی جیسے مسائل کسی ایک خطے یا قوم تک محدود نہیں رہتے۔

کرشن چندر کی ادبی زندگی کا اختتام 8 مارچ 1977ء کو ممبئی میں ہوا، لیکن ان کی تخلیقات نے ان کی ادبی زندگی کو دوام عطا کیا۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کا ادب مسلسل پڑھا، زیرِ بحث لایا اور نئی نسلوں کے سامنے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ان کی تخلیقات کا زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے موضوعات اپنے عہد سے آگے بڑھ کر انسانی زندگی کے مستقل مسائل سے جڑ جاتے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو کرشن چندر اردو ناول نگاری اور افسانہ نگاری میں حقیقت پسندی، رومان، انسان دوستی اور ترقی پسند سماجی شعور کے ایک منفرد امتزاج کے نمائندہ ہیں۔ انھوں نے زندگی کو صرف آسودہ حال طبقے کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ اس کے ان گوشوں میں بھی داخل ہوئے جہاں بھوک، غربت، بے روزگاری، استحصال اور محرومی نے انسان کی زندگی کو دشوار بنا رکھا

تھا۔ان کے ادب میں کسان اور مزدور کو عزت اور وقار حاصل ہوتا ہے، عورت کے مسائل کو انسانی سطح پر دیکھا جاتا ہے، تقسیم کے زخموں کو محسوس کیا جاتا ہے، فرقہ واریت کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے اور کشمیر کی فطرت و تہذیب کو محبت کے ساتھ محفوظ کیا جاتا ہے۔ان کا فن اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ انھوں نے نظریے کو انسانی تجربے سے جوڑ کر پیش کیا۔ان کے یہاں ترقی پسندی محض نعرہ نہیں بلکہ انسان کے دکھ کو سمجھنے اور اس کے بہتر مستقبل کا خواب دیکھنے کا وسیلہ ہے۔

کرشن چندر کی اصل عظمت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے عام انسان کو ادب کے مرکز میں لا کھڑا کیا۔انھوں نے زندگی کی کھردری حقیقتوں کو رومان کی نرمی، طنز کی کاٹ، تخیل کی وسعت اور انسان دوستی کی گرمی کے ساتھ پیش کیا۔ان کا ادب ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ ایک بڑا ادیب صرف خوب صورت الفاظ کا خالق نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے عہد کے انسان کی آواز بھی بنتا ہے۔ کرشن چندر نے اسی ذمہ داری کو اپنی تخلیقی زندگی کا مقصد بنایا۔یہی وجہ ہے کہ اردو ناول کی تاریخ میں ان کا مقام محض ایک ترقی پسند ناول نگار کا نہیں بلکہ ایک ایسے حساس، صاحبِ نظر اور انسان دوست فن کار کا ہے جس نے اردو فکشن کو موضوعاتی وسعت، سماجی معنویت اور انسانی احساس کی نئی جہتیں عطا کیں۔

6.2.0 جب کھیت جاگے کا تنقیدی مطالعہ

کرشن چندر اردو ادب کے ان ممتاز افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی وسیع تخلیقی صلاحیتوں کو انسانی زندگی کے مسائل، معاشرتی ناہمواریوں، طبقاتی کشمکش، غربت، استحصال، جاگیر دارانہ جبر اور انسان دوستی کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔ان کے فکشن میں ہندوستانی معاشرے کی وہ تصویر نمایاں ہوتی ہے جس میں ایک طرف محکوم اور محروم انسان کی زندگی ہے اور دوسری طرف طاقت ور طبقات، جاگیر دار، ساہوکار اور ریاستی نظام کے مفادات ہیں۔ کرشن چندر کی تخلیقی شخصیت پر کشمیر اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کے تجربات کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ کشمیر کی فطری خوب صورتی، وہاں کی تہذیبی فضا اور عام لوگوں کی زندگی نے ان کے تخیل کو وسعت عطا کی، جب کہ ہندوستان کے دیہی معاشرے، کسانوں اور مزدوروں کی مشکلات نے ان کے فکری شعور کو ایک واضح سماجی سمت عطا کی۔اسی لیے ان کے ادب میں رومان اور حقیقت، حسن اور تلخی، تخیل اور سماجی شعور ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ باہم مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ان کی یہی خصوصیت ''جب کھیت جاگے'' میں اپنی بھرپور فنی اور فکری صورت میں سامنے آتی ہے۔

''جب کھیت جاگے'' محض ایک کسان کی زندگی یا کسی ایک علاقے کے سیاسی حالات کی داستان نہیں بلکہ کسان، زمین، جاگیر داری، طبقاتی استحصال اور آزادی کے تصور کو مرکز بنا کر لکھی گئی ایک ایسی تخلیقی روداد ہے جس میں ہندوستان کے محروم اور

محکوم طبقے کے شعور کی بیداری کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس ناول کے پس منظر میں تلنگانہ کی کسان تحریک، جاگیر دارانہ نظام کے خلاف مزاحمت اور آزادی کے بعد پیدا ہونے والی سیاسی صورت حال کار فرما ہے۔ کرشن چندر نے ان تاریخی اور سیاسی حالات کو محض دستاویزی انداز میں بیان نہیں کیا بلکہ انہیں انسانی کرداروں، جذبات، محبت، قربانی اور مزاحمت کے ذریعے ایک فنی تجربے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کا بنیادی مسئلہ صرف سیاسی نہیں رہتا بلکہ انسانی، اخلاقی اور تہذیبی مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔

ناول کا مرکزی کردار راگھوراو بائیس سالہ نوجوان ہے، مگر اس کی شخصیت محض ایک فرد کی شخصیت نہیں رہتی۔ وہ رفتہ رفتہ پورے کسان طبقے، بالخصوص ان مظلوم کسانوں کی علامت بن جاتا ہے جو اپنی زمین، عزت، آزادی اور انسانی حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ راگھوراو کا باپ ویریّا کھیت مزدور ہے۔ ماں کی وفات کے بعد باپ ہی اس کے لیے ماں، باپ، دوست اور ساتھی بن جاتا ہے۔ اس پس منظر سے راگھو کی شخصیت میں موجود انسانی اور جذباتی گہرائی سامنے آتی ہے۔ وہ کسی مصنوعی انقلابی تصور کا نمائندہ نہیں بلکہ عام انسانی جذبات رکھنے والا نوجوان ہے۔ اسے محبت ہوتی ہے، اسے اپنی زندگی عزیز ہے، اسے خوب صورت چیزوں کی خواہش ہوتی ہے، وہ اپنے باپ سے محبت کرتا ہے اور اپنے ارد گرد کے حالات پر حیرت بھی کرتا ہے؛ لیکن یہی معصوم اور حساس نوجوان جب اپنے ماحول کے ظلم اور طبقاتی ناانصافی کو سمجھنے لگتا ہے تو اس کے اندر مزاحمت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

راگھوراو کی شخصیت کا فکری ارتقا ناول کی سب سے اہم خصوصیات میں سے ایک ہے۔ ابتدا میں وہ اپنے ماحول کو صرف ایک حساس اور متجسس نوجوان کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ اسے اپنے باپ کی حرکات، کسانوں کی خاموشی، عورتوں کی بے بسی، زمیندار اور کسان کے بچوں کے درمیان فرق اور معاشرتی ناہمواریوں پر حیرت ہوتی ہے۔ مگر یہ حیرت رفتہ رفتہ سوال میں، سوال شعور میں اور شعور مزاحمت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کرشن چندر نے انقلاب کو کسی بیرونی نظریے کے ذریعے مسلط نہیں کیا بلکہ اسے کردار کی داخلی زندگی سے پیدا کیا ہے۔ یہی فنی اعتبار سے راگھوراو کے کردار کو زیادہ مؤثر بناتا ہے۔ وہ حالات کے خلاف اچانک کھڑا ہونے والا شخص نہیں بلکہ اپنے تجربات سے گزر کر مزاحمت کی منزل تک پہنچنے والا نوجوان ہے۔

راگھوراو کے کردار میں باپ کی نفرت کا عنصر بھی اہم ہے۔ ویریّا خود استحصال کا شکار ہے اور اپنی زندگی کے تلخ تجربات بیٹے تک منتقل کرتا ہے۔ یوں ایک نسل کا دکھ دوسری نسل کے شعور میں منتقل ہوتا ہے۔ ناول میں یہ احساس بڑی معنویت رکھتا ہے کہ راگھو کے دل میں جو ''گل بوٹے'' اگنے والے ہیں، ان کی زمین میں نفرت کی کھاد ڈال دی گئی ہے۔ یہ نفرت کسی فرد سے ذاتی

دشمنی نہیں بلکہ اس نظام سے نفرت ہے جو انسان کو انسان نہیں سمجھتا۔ اسی نفرت سے اس کے اندر تلاش، تجسس اور دریافت کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے گرد موجود طبقاتی نظام کی حقیقت کو سمجھنے لگتا ہے۔

ناول میں طبقاتی تضاد کو نمایاں کرنے کے لیے کرشن چندر نے متعدد علامتوں سے کام لیا ہے۔ ان میں ریشم کا لباس ایک نہایت اہم علامت ہے۔ راگھو راو کے بچپن میں ریشم کے کپڑے کو چھونے کا واقعہ بظاہر معمولی معلوم ہوتا ہے، لیکن یہی واقعہ پورے ناول میں طبقاتی تقسیم کی ایک گہری علامت بن جاتا ہے۔ ریشم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے پاس دولت، طاقت اور اختیار ہے، جب کہ کسان کے حصے میں گاڑھا کپڑا، بھوک، محنت اور محرومی آتی ہے۔ اس حوالے سے ناول کا یہ اقتباس طبقاتی تضاد کی پوری شدت کو ظاہر کرتا ہے:

''ریشم وٹیوں کے لئے نہیں ہے، سارا گاڑھا اِدھر ہے اور سارا ریشم ادھر ہے، ساری بھوک اِدھر ہے اور سارا اناج ادھر ہے، ساری بے حرمتی ادھر ہے اور ساری عزت ادھر ہے، باپو تیرے لڑکے کا گناہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اُس نے ریشم کے تھان کو چھونے کی کوشش کی ہے۔''

یہاں ریشم محض لباس نہیں بلکہ طبقاتی امتیاز کی علامت بن جاتا ہے۔ راگھو راو کے لیے ریشم کو چھونا دراصل اس سماجی دیوار کو چھونا ہے جس کے دوسری طرف دولت مند طبقہ موجود ہے۔ بچپن میں جس ریشم کو چھونے پر اسے روک دیا جاتا ہے، موت سے پہلے اسی ریشم کی قمیص اسے کسان پہنا کر رخصت کرتے ہیں۔ اس طرح علامت اپنی معنوی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اب ریشم کسی فرد کی ملکیت نہیں رہتا بلکہ راگھو کے لیے عوام کی عزت، جدوجہد اور قربانی کا نشان بن جاتا ہے۔ اس تبدیلی میں کرشن چندر کی علامتی بصیرت نمایاں ہوتی ہے۔

اسی طرح زمیندار کا محل یا ''بنگو'' بھی طبقاتی نظام کی علامت ہے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں زیریں طبقے کے لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ راگھو راو جب پہلی مرتبہ اس جگہ کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر تجسس پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کا باپ اسے خبردار کرتا ہے کہ زمیندار کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھنا بھی آداب کے خلاف ہے اور اس کی سزا مل سکتی ہے۔ اس معمولی سے واقعے کے ذریعے کرشن چندر نے اس ذہنی غلامی کو نمایاں کیا ہے جس میں محکوم طبقہ طاقت ور طبقے کی طرف دیکھنے تک سے خوف زدہ رہتا ہے۔ راگھو راو کا بعد کا کردار اسی خوف کے خاتمے کی علامت ہے۔ جو نوجوان کبھی زمیندار کے محل کو دیکھنے سے ڈرتا تھا، وہ آگے چل کر اسی طبقاتی نظام کو چیلنج کرتا ہے۔

کھیت خود ناول کی مرکزی اور سب سے بڑی علامت ہے۔ کھیت صرف زمین کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ کسان کی زندگی، اس کی محنت، اس کی امید، اس کے خون پسینے اور اس کے مستقبل کی علامت ہے۔ عنوان ''جب کھیت جاگے'' اسی معنوی نظام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کھیت کا جاگنا دراصل کسان کے شعور کا جاگنا ہے۔ جب کسان اپنی محنت، اپنے حق اور اپنی زمین کے تعلق کو سمجھ لیتا ہے تو وہ محض خاموش محنت کش نہیں رہتا بلکہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والا باشعور انسان بن جاتا ہے۔ اس طرح ''کھیت'' اور ''کسان'' ایک دوسرے کی معنوی توسیع بن جاتے ہیں اور ''جاگنا'' سیاسی و سماجی بیداری کی علامت بن جاتا ہے۔

ناول میں جیل، پالکی، رات اور سورج بھی علامتی سطح پر اہمیت رکھتے ہیں۔ جیل ظاہری طور پر قید کی جگہ ہے لیکن راگھو اور اس کے ساتھیوں کے لیے یہ ان کے نظریے کو شکست دینے کے بجائے ان کی قربانی کی گواہی بن جاتی ہے۔ رات جبر، خوف اور موت کی علامت بنتی ہے، جب کہ سورج طلوع ہونا ایک نئے امکان اور مستقبل کی امید کا اشارہ دیتا ہے۔ راگھو راو کی آخری رات دراصل ایک ایسے عہد کی آخری رات محسوس ہوتی ہے جس کے بعد نئے شعور کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اس اعتبار سے ناول کے اختتام میں موت اور زندگی، تاریکی اور روشنی، شکست اور فتح کے تصورات ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔

کرشن چندر نے راگھو راو کی زندگی کو جس فنی تکنیک کے ذریعے پیش کیا ہے وہ بھی ناول کی اہم خصوصیت ہے۔ ناول کی کہانی راگھو راو کی زندگی کی آخری رات سے شروع ہوتی ہے۔ پھانسی کا وقت قریب آ رہا ہے، لیکن اس کے ذہن میں اس کی پوری زندگی کے واقعات ایک ایک کر کے ابھرنے لگتے ہیں۔ اس طرح ماضی اور حال ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ فلیش بیک اور شعور کی رو سے مماثل تکنیک کے ذریعے راوی واقعات کو زمانی ترتیب سے نہیں بلکہ مرکزی کردار کے ذہنی تجربے کے مطابق سامنے لاتا ہے۔ راگھو راو کی یادیں کبھی ایک واقعے کی طرف لے جاتی ہیں، کبھی کسی شخصیت کی طرف، کبھی بچپن کے کسی منظر کو سامنے لاتی ہیں اور کبھی کسانوں کی جدوجہد سے جوڑ دیتی ہیں۔ اس تکنیک کی خوبی یہ ہے کہ واقعات میں بظاہر زمانی بے ترتیبی کے باوجود معنوی ربط برقرار رہتا ہے۔ قاری راگھو راو کے ذہن کے ساتھ سفر کرتا ہے اور اس کی زندگی کے اہم واقعات کو اسی طرح دیکھتا ہے جیسے وہ خود انہیں یاد کر رہا ہو۔

یہاں شعور کی رو کی تکنیک کا استعمال محض فنی نمائش کے لیے نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ذریعے راگھو راو کی داخلی کیفیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ پھانسی سے پہلے کی رات اس کے لیے محض خوف کی رات نہیں بلکہ خود احتسابی، یاد، محبت، جدوجہد اور قربانی کی رات ہے۔ اس کے ذہن میں زندگی کے واقعات سکوں کی طرح آتے ہیں اور وہ گویا انہیں اٹھا اٹھا کر دیکھتا اور پرکھتا جاتا ہے۔ اس طرح ماضی کے واقعات ایک دوسرے سے مربوط ہو کر اس کے کردار کی تشکیل کی پوری داستان سامنے لے آتے ہیں۔ صبح کا

سورج طلوع ہوتا ہے اور راگھوراو پھانسی کے پھندے پر چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اس کی موت ناول کے معنوی نظام میں اختتام نہیں بلکہ ایک نئے اجتماعی شعور کا آغاز بن جاتی ہے۔

ناول کا ایک نہایت اہم پہلو راگھوراو کی محبت اور قربانی کا باہمی تعلق ہے۔ اس کی زندگی میں محبت محض ذاتی جذبہ نہیں بلکہ اس کے انسانی وجود کا لازمی حصہ ہے۔ وہ ایک عام نوجوان کی طرح محبت کرتا ہے، خواب دیکھتا ہے اور زندگی کی خواہش رکھتا ہے، لیکن حالات اسے ذاتی خواہشات سے بلند ہو کر اجتماعی مقصد کے لیے قربانی دینے پر مجبور کرتے ہیں۔ چندرہ کی قربانی اور راگھوراو کی موت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ سیاسی جدوجہد کے پس منظر میں انسانی جذبات بھی اپنی پوری شدت کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ کرشن چندر کی کامیابی یہ ہے کہ وہ ان جذبات کو نظریاتی نعرے میں تبدیل نہیں ہونے دیتے بلکہ انسانی سطح پر برقرار رکھتے ہیں۔

ناول کی سیاسی معنویت بھی غیر معمولی ہے۔ تلنگانہ کے کسانوں کی جدوجہد کو بنیاد بنا کر کرشن چندر نے جاگیرداری اور ریاستی طاقت کے باہمی تعلق کو نمایاں کیا ہے۔ کسان زمین پر محنت کرتا ہے لیکن زمین پر اس کا حق نہیں۔ دوسری طرف زمیندار، ساہوکار، پولیس پٹیل، پٹواری، پروہت اور دیگر کارندے اس نظام کو مضبوط بناتے ہیں۔ اس نظام کی بنیاد صرف معاشی استحصال نہیں بلکہ ذہنی غلامی بھی ہے۔ زمیندار کا خیال ہے کہ کسان کو تعلیم نہیں ملنی چاہیے، کیونکہ تعلیم سے نئے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کسان اپنے آپ کو انسان سمجھنے لگتا ہے۔ اس تصور میں پورے جاگیردارانہ نظام کی ذہنیت پوشیدہ ہے۔ جاگیردار کو ایسا کسان چاہیے جو کولھو کے بیل کی طرح کام کرے، سوال نہ کرے اور اپنے وجود اور حقوق کا احساس نہ کرے۔

اسی لیے راگھوراو کی بیداری جاگیردارانہ نظام کے لیے خطرناک بن جاتی ہے۔ وہ صرف اپنی زمین کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ پورے کسان طبقے کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ اس کے اندر پیدا ہونے والا شعور اجتماعی شعور میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح فرد سے جماعت، جماعت سے تحریک اور تحریک سے تاریخ کی تشکیل کا عمل ناول میں دکھائی دیتا ہے۔

کرشن چندر نے آزادی کے بعد کے حالات کو بھی نہایت معنی خیز انداز میں پیش کیا ہے۔ کسانوں نے یہ امید کی تھی کہ انگریزوں کے جانے کے بعد ظلم، جاگیرداری اور استحصال کا خاتمہ ہوگا، لیکن آزادی کے بعد بھی ان کے مسائل ختم نہیں ہوئے۔ نظام شاہی، جاگیرداروں اور طاقت ور طبقات کے مفادات برقرار رہے اور کسانوں کی جدوجہد کو مختلف نام دے کر دبانے کی کوشش کی گئی۔ جو لوگ اپنے حقوق کے لیے لڑ رہے تھے انہیں غنڈہ، دہشت پسند یا کمیونسٹ کہا گیا، جب کہ جدید ہتھیاروں سے لیس طاقت ور طبقے کو امن اور قانون کا محافظ قرار دیا گیا۔ اس تضاد کے ذریعے کرشن چندر نے سیاسی آزادی اور حقیقی سماجی آزادی

کے فرق کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے نزدیک صرف اقتدار کی تبدیلی آزادی کی تکمیل نہیں؛ جب تک عام انسان کو زمین، عزت، انصاف اور معاشی تحفظ حاصل نہ ہو، آزادی کا تصور ادھورا ہے۔

پریس اور سرکاری پروپیگنڈے کا ذکر بھی اسی سیاسی تناظر میں اہم ہے۔ طاقت ور طبقہ اپنے مفادات کو جائز ثابت کرنے کے لیے زبان اور ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتا ہے، جب کہ مظلوم طبقے کی آواز کو دبایا جاتا ہے۔ کسانوں کو غاصب اور تشدد پسند ثابت کرنے کی کوشش دراصل اس بات کی مثال ہے کہ اقتدار صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ بیانیے سے بھی قائم رہتا ہے۔ کرشن چندر نے اس پہلو کو کسانوں کی عملی جدوجہد کے مقابل رکھ کر واضح کیا ہے کہ تاریخ کا سچ ہمیشہ سرکاری بیانیے میں محفوظ نہیں ہوتا۔

اس ناول میں مزاحمت کا تصور بھی نہایت اہم ہے۔ راگھو راو تشدد پسند انسان کے طور پر سامنے نہیں آتا بلکہ وہ ظلم کے خلاف مدافعت کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اس حوالے سے ناول کا یہ اقتباس اس کے پورے فکری موقف کو واضح کرتا ہے:

''اگر ظلم سے مدافعت کرنا تشدد ہے، اگر اپنی جان کی حفاظت کرنا، اپنی ماؤں کی عزت بچانا، اپنے گاؤں کے کھیتوں کی سنہری بالیوں کی حفاظت کرنا تشدد ہے تو پھر خود جینا بھی تشدد ہے اور سانس لینا بھی تشدد ہے اور دل کا دھڑکنا بھی تشدد ہے۔''

اس اقتباس میں زندگی اور مزاحمت کو ایک دوسرے کا مترادف بنا دیا گیا ہے۔ راگھو راو کے لیے ظلم کو خاموشی سے برداشت کرنا زندگی نہیں۔ اگر اپنی جان، اپنی ماں کی عزت، اپنی زمین اور اپنی محنت کی حفاظت جرم قرار پاتی ہے تو پھر زندہ رہنا بھی جرم قرار پاتا ہے۔ اس طرح مزاحمت ایک اخلاقی فرض بن جاتی ہے۔ یہی احساس آخر کار راگھو راو کو موت کے خوف سے بلند کر دیتا ہے اور وہ پھانسی کے پھندے کو شکست کے بجائے قربانی کے ایک مقدس مرحلے کے طور پر قبول کرتا ہے۔

راگھو راو کی موت ناول کے معنوی نظام میں ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ وہ ابتدا میں ویریّا کا بیٹا ہے، لیکن اختتام تک پورے کسان طبقے کا بیٹا بن جاتا ہے۔ اس کی شناخت فرد سے قوم اور ذاتی وجود سے اجتماعی وجود کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ جب کسان اسے ریشم کی قمیص پہنا کر پھانسی کے لیے بھیجتے ہیں تو یہ لباس اس کی ذاتی خواہش کی تکمیل سے کہیں آگے بڑھ کر اجتماعی جدوجہد کا نشان بن جاتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف ریشم کی قمیص نہیں پہن رہا بلکہ اپنے عوام کا جھنڈا، اپنے کھیت، اپنے باپ کی محبت، اپنی ماں کی یاد اور اپنی پوری قوم کی جدوجہد پہن رہا ہے۔ یہاں لباس ایک ایسی علامت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو فرد کی زندگی اور اجتماعی تاریخ کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی ہے۔

ناول میں عورتوں کے کردار بھی قابل توجہ ہیں۔ کرشن چندر نے کسانی زندگی اور سیاسی جدوجہد کو صرف مردوں کے تجربے تک محدود نہیں رکھا بلکہ عورتوں کی محرومی، قربانی، محبت اور مزاحمت کو بھی اس کا حصہ بنایا ہے۔ عورتیں اس پورے نظام میں دوہری سطح پر استحصال کا شکار ہیں؛ ایک طرف طبقاتی اور معاشی جبر ہے اور دوسری طرف پدرانہ معاشرتی ڈھانچہ۔ اس کے باوجود ان میں مامتا، قربانی اور مزاحمت کی قوت موجود ہے۔ ہلاریڈی کی ماں جیسے کردار اس حقیقت کو سامنے لاتے ہیں کہ تحریک صرف نوجوان مردوں کی تحریک نہیں بلکہ ماؤں، بیویوں اور خاندانوں کی قربانیوں سے بھی تشکیل پاتی ہے۔ راگھوراو کا ان عورتوں کے دکھ کو محسوس کرنا اس کے شعور کو مزید وسیع کرتا ہے۔ اب اس کی جدوجہد صرف اپنی زمین کے لیے نہیں رہتی بلکہ پورے انسانی معاشرے کے لیے بن جاتی ہے۔

کرشن چندر کی انسان دوستی کا اصل حسن بھی یہی ہے کہ وہ سیاسی اور طبقاتی مسئلے کو انسانی سطح سے جدا نہیں ہونے دیتے۔ راگھوراو کوئی نظریاتی پتلا نہیں بلکہ گوشت پوست کا انسان ہے۔ اسے خوف بھی آتا ہے، محبت بھی ہوتی ہے، اسے ریشم پہننے کی خواہش بھی ہوتی ہے اور باپ کی شفقت بھی عزیز ہے۔ یہی انسانی عناصر اس کی قربانی کو زیادہ مؤثر بناتے ہیں۔ اگر وہ ابتدا ہی سے بے حس اور بے خوف انقلابی ہوتا تو اس کی موت قاری پر اتنا گہرا اثر نہ ڈالتی۔ اس کے برعکس کرشن چندر نے پہلے اسے ایک عام انسان کے طور پر پیش کیا اور پھر حالات کے ذریعے اس کے اندر غیر معمولی حوصلہ پیدا کیا۔

اس ناول کی ایک نمایاں فنی خصوصیت اس کا بیانیہ اسلوب ہے۔ کرشن چندر کی زبان میں روانی، شگفتگی، منظر نگاری اور جذباتی تاثیر موجود ہے۔ وہ سیاسی اور معاشی موضوعات کو خشک نظریاتی زبان میں پیش کرنے کے بجائے انہیں کرداروں کے تجربات اور جذبات سے جوڑتے ہیں۔ کھیتوں، گاؤں، گھروں، جیل، زمیندار کے محل اور دیہی ماحول کی تصویریں قاری کے سامنے ایک زندہ دنیا تشکیل دیتی ہیں۔ یہی منظر نگاری ناول کے سماجی پس منظر کو محض معلومات نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے محسوس ہونے والی حقیقت بنا دیتی ہے۔

کرشن چندر کے ہاں رومان اور حقیقت کا امتزاج بھی ''جب کھیت جاگے'' کی فنی قوت ہے۔ محبت، فطرت، بچپن کی یادیں اور انسانی رشتے ایک طرف ہیں اور دوسری طرف غربت، ظلم، قتل، جیل اور پھانسی جیسے تلخ حقائق ہیں۔ مصنف ان دونوں کو اس طرح باہم مربوط کرتے ہیں کہ ناول نہ تو محض سیاسی منشور بنتا ہے اور نہ محض رومانوی داستان۔ انسانی زندگی کی مکمل تصویر اسی امتزاج سے سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کا سیاسی پیغام بھی انسانی جذبات کے راستے قاری تک پہنچتا ہے۔

ناول کے عنوان میں بھی کرشن چندر کی فنی بصیرت پوشیدہ ہے۔ ''جب کھیت جاگے'' ایک مختصر مگر انتہائی بامعنی عنوان ہے۔ کھیت یہاں خاموش نہیں بلکہ ایک زندہ وجود ہے۔ جب کسان اپنے استحصال کو پہچانتا ہے، اپنے حقوق کا شعور حاصل کرتا ہے اور ظلم کے خلاف کھڑا ہوتا ہے تو گویا کھیت جاگ اٹھتا ہے۔ یہ بیداری صرف ایک فرد کی بیداری نہیں بلکہ پورے طبقے کی بیداری ہے۔ اس اعتبار سے عنوان پورے ناول کی فکری روح کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔

علی سردار جعفری نے اس ناول کے حوالے سے دیباچے میں بجا طور پر لکھا ہے:

''کرشن چندر نے اس عظیم الشان داستان کے صرف ایک گوشے سے نقاب اٹھائی ہے لیکن اس کی تابناکی آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ یہ ایک بائیس سال کے کسان راگھو راو کی کہانی نہیں ہے بلکہ تلنگانہ کی عظمت، آبرو اور وقار کی کہانی ہے۔ یہ ہندوستان کی موجودہ جمہوری تحریک آزادی کے حال اور مستقبل کی کہانی ہے۔''

علی سردار جعفری کا یہ تبصرہ ناول کی وسعت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ واقعی راگھو راو کی داستان اپنی ظاہری حد تک ایک فرد کی داستان ہے، لیکن اس کے پس پشت ایک پورا عہد، ایک پورا خطہ اور ایک پورا طبقہ موجود ہے۔ راگھو راو کی موت دراصل اس نظام کے خلاف ایک سوال ہے جو کسان کی محنت سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر اسے زمین، عزت اور آزادی سے محروم رکھتا ہے۔

مجموعی طور پر ''جب کھیت جاگے'' کو کرشن چندر کی ترقی پسند فکر، انسان دوستی، حقیقت پسندی، علامتی اظہار اور فنی تجربے کا اہم نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس ناول میں تلنگانہ کے کسانوں کی جدوجہد کے ذریعے جاگیرداری نظام، طبقاتی امتیاز، معاشی استحصال اور سیاسی جبر کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ راگھو راو کی شخصیت فرد سے علامت اور علامت سے اجتماعی شعور میں تبدیل ہوتی ہے۔ ریشم کا لباس طبقاتی تفاوت، بنکو جاگیر دارانہ اقتدار، کھیت کسان کی زندگی اور بیداری، جیل جبر، رات خوف اور تاریکی، جب کہ سورج امید اور نئے عہد کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں۔ شعور کی رو، فلیش بیک اور داخلی خود کلامی جیسی تکنیکوں کے ذریعے راگھو راو کی ذہنی دنیا کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ قاری اس کے ساتھ اس کی زندگی کے آخری سفر میں شریک ہو جاتا ہے۔

اس ناول کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ کرشن چندر نے کسان کو محض مظلوم کردار کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے ایک باشعور، باوقار اور مزاحمت کی صلاحیت رکھنے والے انسان کی صورت میں سامنے لایا ہے۔ راگھو راو کی موت اس لحاظ سے شکست نہیں کہ وہ پھانسی پر چڑھ جاتا ہے؛ اس کی اصل معنوی فتح یہ ہے کہ اس کی قربانی اجتماعی شعور کو مزید بیدار کرتی ہے۔ جس کسان کو طاقت ور طبقہ خاموش اور بے زبان سمجھتا تھا، وہی آگے چل کر اپنی قوت کا احساس کرتا ہے۔ اس طرح ''جب کھیت جاگے'' میں کھیت کا جاگنا دراصل انسان کا جاگنا ہے، کسان کا جاگنا ہے، اپنے حق کا شعور پیدا ہونا ہے اور ظلم کے خلاف اجتماعی

مزاحمت کا آغاز ہے۔اسی بناپر ''جب کھیت جاگے'' کو صرف ایک ترقی پسند یا سیاسی ناول کہہ دینا اس کے فنی اور معنوی امکانات کو محدود کرنا ہوگا۔ یہ ایک ایسا ناول ہے جس میں تاریخ، سیاست، طبقاتی شعور، محبت، قربانی، انسانی رشتے، علامت، اسلوب اور بیانیہ تکنیک ایک دوسرے سے مربوط ہو کر ایک جامع تخلیقی تجربہ تشکیل دیتے ہیں۔ کرشن چندر نے راگھو راو کی زندگی اور موت کے وسیلے سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ظلم چاہے کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، جب محروم انسان اپنے وجود، اپنی زمین اور اپنی آزادی کا شعور حاصل کر لیتا ہے تو اس کے اندر مزاحمت کی ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جسے ہمیشہ کے لیے دبایا نہیں جا سکتا۔ یہی ''جب کھیت جاگے'' کا بنیادی پیغام، اس کی فکری معنویت اور اس کی دیرپا ادبی اہمیت ہے۔

6.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے پریم چند، کرشن چند، عصمت چغتائی اور عزیز احمد کی ناول نگاری کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے حصہ 6.8 سے رجوع کریں۔

الف) خالی جگہیں پُر کیجیے

1۔ ''میدانِ عمل'' پریم چند کا ایک اہم _____ ہے، جس میں ہندوستان کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کی عکاسی ملتی ہے۔

2۔ ''میدانِ عمل'' کا مرکزی کردار _____ ہے۔

3۔ کرشن چندر کے ناول ''جب کھیت جاگے'' کا مرکزی کردار _____ ہے۔

4۔ ''جب کھیت جاگے'' میں ریشم طبقاتی _____ کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

6.4 عمومی جائزہ

اس باب میں ہم نے کرشن چندر کی ادبی شخصیت اور اردو ناول نگاری میں ان کے نمایاں مقام کا جائزہ لیا ہے۔ کرشن چندر ترقی پسند اردو ادب کے اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے فن کے ذریعے عام انسان کی زندگی، اس کے مسائل، محرومیوں اور جدوجہد کو ادبی اظہار عطا کیا۔ ان کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری، انسان دوستی، سماجی شعور اور ترقی پسند فکر بنیادی

اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کے معاشرتی اور معاشی حالات کو گہری نظر سے دیکھا اور کسان، مزدور، غریب اور محروم طبقات کو اپنی تخلیقات کا مرکزی موضوع بنایا۔ ان کے ناولوں میں غربت، بھوک، بے روزگاری، طبقاتی ناہمواری، معاشی استحصال، جاگیر دارانہ نظام اور انسانی بے بسی جیسے مسائل مختلف صورتوں میں سامنے آتے ہیں۔

اس باب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کرشن چندر کی حقیقت نگاری محض خارجی حالات کی عکاسی تک محدود نہیں بلکہ اس میں انسانی جذبات، نفسیاتی کیفیات اور سماجی رشتوں کی گہری ترجمانی بھی شامل ہے۔ وہ اپنے کرداروں کو ان کے معاشرتی اور معاشی ماحول سے وابستہ کر کے پیش کرتے ہیں، جس کے باعث ان کے کردار زندگی کے حقیقی نمائندے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، رواں، شگفتہ اور اثر انگیز ہے، جب کہ مکالمہ نگاری، منظر نگاری، طنز اور جذباتی اظہار ان کے فنی اسلوب کو نمایاں بناتے ہیں۔ ان کے یہاں فطرت بھی محض منظر کا حصہ نہیں بلکہ انسانی زندگی اور جذبات کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اس باب میں **"جب کھیت جاگے "** کو خصوصی طور پر زیرِ مطالعہ لایا گیا ہے۔ اس ناول میں دیہی زندگی اور کسانوں کے مسائل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کرشن چندر نے کسان کی محنت، غربت، محرومی اور استحصال کے ساتھ ساتھ اس کے اندر پیدا ہونے والے اجتماعی شعور اور بیداری کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ناول میں کھیت اور کسان کا تعلق صرف معاشی سطح پر نہیں بلکہ انسانی زندگی، محنت، امید اور مستقبل کے وسیع تر تصور سے وابستہ ہے۔ کسان جب اپنے حالات اور اپنے حقوق کا شعور حاصل کرتا ہے تو اس کے اندر تبدیلی اور مزاحمت کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح **"جب کھیت جاگے "** محض دیہی زندگی کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ سماجی بیداری اور اجتماعی جدوجہد کی علامت بھی بن جاتا ہے۔

مجموعی طور پر اس باب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کرشن چندر نے اردو ناول کو عام انسان کی زندگی سے گہرا رشتہ عطا کیا۔ ان کے فن میں حقیقت نگاری اور انسان دوستی ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ترقی پسند فکر ان دونوں کو ایک وسیع سماجی تناظر فراہم کرتی ہے۔ **"جب کھیت جاگے "** اسی فکری اور فنی رویے کی ایک اہم مثال ہے، جس میں کسان کی زندگی، طبقاتی کشمکش، معاشی استحصال اور اجتماعی بیداری کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے کرشن چندر کی ناول نگاری اردو ادب میں سماجی حقیقت نگاری، انسانی ہمدردی اور ترقی پسند شعور کی ایک اہم اور قابلِ قدر روایت کی نمائندگی کرتی ہے۔

بالکل۔اسی سابقہ باب کے **عین اسی پیٹرن، تسلسل اور تعلیمی انداز** کو برقرار رکھتے ہوئے، باب **"کرشن چندر کی ناول نگاری اور "جب کھیت جاگے" کا تنقیدی جائزہ "** کے باقی تمام زمرے درج ذیل ہیں۔

6.5 فرہنگ

۱۔ **ترقی پسندی** ـــــ معاشرتی مساوات، انسانی آزادی اور سماجی تبدیلی کی فکر

۲۔ **حقیقت نگاری** ـــــ زندگی کے حقیقی حالات، مسائل اور معاشرتی صورتِ حال کی عکاسی

۳۔ **ناول** ـــــ نثری ادب کی وہ صنف جس میں زندگی، معاشرے اور انسانی مسائل کو تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے

۴۔ **ناول نگاری** ـــــ ناول تخلیق کرنے کا فن

۵۔ **کردار** ـــــ ناول یا کہانی میں عمل اور واقعات کا حصہ بننے والی شخصیت

۶۔ **کردار نگاری** ـــــ کرداروں کی شخصیت، عادات، جذبات، خیالات اور نفسیاتی کیفیات کی فنی پیش کش

۷۔ **انسان دوستی** ـــــ انسان کی عزت، آزادی، مساوات اور فلاح کو بنیادی اہمیت دینے کا نظریہ

۸۔ **طبقاتی کشمکش** ـــــ مختلف معاشرتی اور معاشی طبقات کے درمیان مفادات اور حقوق کا تصادم

۹۔ **طبقاتی شعور** ـــــ کسی طبقے کو اپنے معاشی، سماجی حالات اور حقوق کا احساس ہونا

۱۰۔ **سماجی ناہمواری** ـــــ معاشرے میں پائی جانے والی غیر مساوی اور ناانصافی پر مبنی صورتِ حال

۱۱۔ **معاشی استحصال** ـــــ کسی فرد یا طبقے کی محنت، وسائل یا حقوق سے ناجائز فائدہ اٹھانا

۱۲۔ **جاگیرداری** ـــــ زمین اور زرعی وسائل پر بااثر طبقے کے تسلط کا معاشی و سماجی نظام

۱۳۔ **کسان** ـــــ زمین پر کاشت کاری اور زرعی محنت سے وابستہ شخص

۱۴۔ **مزدور** ـــــ اپنی جسمانی یا ذہنی محنت کے ذریعے روزگار حاصل کرنے والا فرد

۱۵۔ **مزاحمت** ـــــ ظلم، جبر، استحصال یا ناانصافی کے خلاف جدوجہد

۱۶۔ **اجتماعی شعور** ـــــ کسی گروہ یا طبقے میں مشترکہ مسائل، حقوق اور مقاصد کا احساس

۱۷۔ **رومانیت** ـــــ جذبات، تخیل، حسن اور محبت کو بنیادی اہمیت دینے والا ادبی رجحان

۱۸۔ **طنز** ـــــ معاشرتی، سیاسی یا اخلاقی خامیوں کو ظریفانہ اور تنقیدی انداز میں نمایاں کرنا

۱۹۔ **علامت** ـــــ کسی خیال، جذبے یا کیفیت کو کسی شے، کردار یا واقعے کے ذریعے ظاہر کرنا

۲۰۔ **استعارہ** ـــــ کسی شے یا خیال کو مماثلت کی بنیاد پر کسی دوسری شے کے نام سے بیان کرنا

۲۱۔ **منظر نگاری** ـــــ فطری، معاشرتی یا خارجی مناظر کو مؤثر اور دلکش انداز میں پیش کرنا

۲۲۔ **مکالمہ نگاری** ـــــ کرداروں کی گفتگو کے ذریعے واقعات، شخصیت اور خیالات کو نمایاں کرنے کا فن

۲۳۔ **نفسیاتی تجزیہ** ـــــ کرداروں کے ذہنی، جذباتی اور داخلی حالات کا فنی مطالعہ

۲۴۔ **دیہی معاشرت** ـــــ گاؤں اور زرعی زندگی سے وابستہ معاشرتی نظام اور طرزِ زندگی

۲۵۔ **بیداری** ـــــ اپنے حالات، حقوق اور مسائل کے بارے میں شعور پیدا ہونا

۲۶۔ **تخلیقی وفور** ـــــ غیر معمولی تخلیقی جوش اور کثرتِ تخلیق

۲۷۔ **فطرت نگاری** ـــــ قدرتی مناظر اور فطری ماحول کی ادبی اور فنی عکاسی

۲۸۔ **سماجی شعور** ـــــ معاشرے کے مسائل، ناانصافیوں اور اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس

۲۹۔ **استحصالی نظام** ـــــ ایسا معاشی یا سماجی نظام جس میں طاقتور طبقہ کمزور طبقے کے وسائل اور محنت سے فائدہ اٹھائے

۳۰۔ **مزاحمتی شعور** ـــــ ظلم، جبر اور استحصال کے خلاف آواز اٹھانے اور جدوجہد کرنے کا احساس

6.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ کرشن چندر کی ناول نگاری کے نمایاں موضوعات اور فنی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۲۔ کرشن چندر کے ناول ''جب کھیت جاگے'' میں کسانوں کی زندگی، طبقاتی کشمکش اور معاشی استحصال کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۳۔ ''جب کھیت جاگے'' میں کسان کے اندر پیدا ہونے والے اجتماعی شعور اور مزاحمتی جذبے کی وضاحت کیجیے۔

۴۔ کرشن چندر کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری اور انسان دوستی کے باہمی تعلق پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔

۵۔ ''جب کھیت جاگے'' کے فنی محاسن کے حوالے سے کردار نگاری، منظر نگاری اور زبان و بیان کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

۶۔ ترقی پسند اردو ناول میں کرشن چندر کے مقام و مرتبے کا تعین کرتے ہوئے ان کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

6.7 مشقی سوالات

۱۔ کرشن چندر کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

۲۔ ''جب کھیت جاگے'' میں کسانوں کے مسائل اور طبقاتی کشمکش کی عکاسی پر روشنی ڈالیے۔

۳۔ ''جب کھیت جاگے'' میں مزاحمتی شعور اور اجتماعی بیداری کے عناصر کا جائزہ لیجیے۔

۴۔ کرشن چندر کے فن میں حقیقت نگاری اور انسان دوستی کی اہمیت واضح کیجیے۔

۵۔ کرشن چندر کی کردار نگاری اور منظر نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

۶۔ ''جب کھیت جاگے'' کے عنوان کی معنویت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

6.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

۱۔ کرشن چندر

۲۔ جب کھیت جاگے

۳۔ حقیقت نگاری

۴۔ طبقاتی کشمکش

۵۔ انسان دوستی

سوال ۱۔ کرشن چندر کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

کرشن چندر اردو کے ممتاز ترقی پسند ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری، انسان دوستی، سماجی شعور اور طبقاتی مسائل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں عام انسان، خصوصاً کسان، مزدور، غریب اور محروم طبقے کی زندگی کو موضوع بنایا۔ ان کے یہاں غربت، بھوک، بے روزگاری، معاشی استحصال، طبقاتی امتیاز اور سماجی ناانصافی جیسے مسائل نمایاں ہیں۔

کرشن چندر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ سماجی مسائل کو محض نظریاتی انداز میں پیش نہیں کرتے بلکہ انہیں کرداروں کی زندگی، جذبات اور تجربات کے ذریعے نمایاں کرتے ہیں۔ان کی کردار نگاری میں انسانی نفسیات اور جذبات کی گہری عکاسی ملتی ہے۔ان کی زبان سادہ، رواں، شگفتہ اور عام فہم ہے۔ مکالمہ نگاری اور منظر نگاری بھی ان کے فن کی اہم خصوصیات ہیں۔

ان کے یہاں حقیقت نگاری کے ساتھ رومان، تخیل، طنز اور فطرت نگاری بھی ملتی ہے۔وہ تلخ سماجی حقیقتوں کو بیان کرتے ہوئے بھی اسلوب کی دل کشی اور تخلیقی شگفتگی کو برقرار رکھتے ہیں۔ مجموعی طور پر کرشن چندر کی ناول نگاری حقیقت پسندی، انسان دوستی اور ترقی پسند سماجی شعور کا مؤثر امتزاج پیش کرتی ہے۔

سوال ۲۔ ''جب کھیت جاگے'' میں کسانوں کے مسائل اور طبقاتی کشمکش کی عکاسی پر روشنی ڈالیے۔

''جب کھیت جاگے '' میں کرشن چندر نے دیہی معاشرت اور کسانوں کی زندگی کو مرکزی حیثیت دی ہے۔کسان اپنی محنت کے باوجود غربت، محرومی اور معاشی مشکلات کا شکار ہے۔زمین سے اس کا گہرا تعلق ہے، لیکن زرعی نظام میں طاقتور طبقات کی بالادستی کے باعث اسے اپنی محنت کا مناسب صلہ نہیں ملتا۔

ناول میں کسان اور طاقتور معاشی طبقے کے درمیان موجود فرق طبقاتی کشمکش کو نمایاں کرتا ہے۔ایک طرف وہ لوگ ہیں جو زمین، دولت اور طاقت پر قابض ہیں اور دوسری طرف وہ کسان ہیں جو اپنی محنت سے معاشرے کی بنیادی ضرورتیں پوری کرتے ہیں لیکن خود بنیادی سہولتوں سے محروم رہتے ہیں۔

کرشن چندر کسان کی محرومی کو صرف انفرادی مسئلہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے ایک وسیع معاشی اور سماجی نظام سے وابستہ کرتے ہیں۔اس طرح ناول میں کسان کی زندگی کے ذریعے طبقاتی ناہمواری اور معاشی استحصال کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

سوال ۳۔ ''جب کھیت جاگے'' میں مزاحمتی شعور اور اجتماعی بیداری کے عناصر کا جائزہ لیجیے۔

''جب کھیت جاگے'' کا بنیادی فکری پہلو کسان کے اندر پیدا ہونے والا شعور اور بیداری ہے۔ابتدا میں کسان مختلف معاشی اور سماجی مسائل میں گھرا ہوا نظر آتا ہے، لیکن حالات کے تجربے اور اپنے حقوق کے احساس کے نتیجے میں اس کے اندر مزاحمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ مزاحمت صرف ایک فرد کی جدوجہد نہیں رہتی بلکہ اجتماعی شکل اختیار کرتی ہے۔کسان جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے مسائل ذاتی نہیں بلکہ پورے طبقے کے مشترکہ مسائل ہیں تو اس میں اجتماعی شعور پیدا ہوتا ہے۔یہی شعور اسے اپنے حقوق کے لیے متحد ہونے اور استحصالی نظام کے خلاف آواز اٹھانے کی طرف لے جاتا ہے۔

ناول کے عنوان میں ''جاگنے'' کا تصور بھی اسی بیداری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہاں کھیت کا جاگنا دراصل کسان اور دیہی معاشرے کے شعور کی بیداری کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ناول ترقی پسند فکر کے اس تصور کو تقویت دیتا ہے کہ اجتماعی شعور سماجی تبدیلی کی بنیاد بن سکتا ہے۔

سوال ۴۔ کرشن چندر کے فن میں حقیقت نگاری اور انسان دوستی کی اہمیت واضح کیجیے۔

کرشن چندر کے فن میں حقیقت نگاری اور انسان دوستی ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کی زندگی کو اس کے حقیقی مسائل اور مشکلات کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے ناولوں میں غربت، بھوک، بے روزگاری، طبقاتی امتیاز، کسانوں اور مزدوروں کی مشکلات اور سماجی ناانصافی کی واضح عکاسی ملتی ہے۔

انسان دوستی ان کی حقیقت نگاری کو محض حالات کی تصویر بننے سے بچاتی ہے۔ وہ محروم انسان کے مسائل کو صرف بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے دکھ اور محرومی کو انسانی ہمدردی کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ ان کے کردار اپنی کمزوریوں، خواہشات، محرومیوں اور امیدوں کے ساتھ زندہ انسان محسوس ہوتے ہیں۔

کرشن چندر کے نزدیک ادب کا ایک اہم مقصد انسانی زندگی کو بہتر بنانے کی خواہش پیدا کرنا بھی ہے۔ اسی لیے ان کے یہاں استحصال اور ناانصافی کے خلاف احتجاج اور بہتر معاشرے کی امید ساتھ ساتھ موجود رہتی ہے۔ یہی حقیقت نگاری اور انسان دوستی ان کے فن کی بنیادی شناخت ہے۔

سوال ۵۔ کرشن چندر کی کردار نگاری اور منظر نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

کرشن چندر کی کردار نگاری حقیقت پسندانہ اور جاندار ہے۔ ان کے کردار مختلف معاشرتی طبقات سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی معاشی، سماجی اور نفسیاتی کیفیت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ کسان، مزدور، غریب اور متوسط طبقے کے کردار ان کے فکشن میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ کرداروں کو محض نظریات کا نمائندہ نہیں بناتے بلکہ ان کے جذبات، خواہشات، کمزوریوں اور داخلی کشمکش کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔

ان کی منظر نگاری بھی نہایت مؤثر ہے۔ خاص طور پر دیہی زندگی، کھیت، قدرتی مناظر اور انسانی ماحول کی عکاسی میں ان کی تخلیقی صلاحیت نمایاں ہوتی ہے۔ فطرت ان کے یہاں محض خارجی منظر نہیں بلکہ انسانی جذبات اور زندگی کے تجربات کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہے۔

ان کی منظر نگاری میں رنگ، حرکت اور جذباتی کیفیت پائی جاتی ہے، جب کہ کردار نگاری میں زندگی کی حقیقی دھڑکن محسوس ہوتی ہے۔ یہی خصوصیات ان کے ناولوں کو فنی اعتبار سے مؤثر بناتی ہیں۔

سوال ۶۔ ''جب کھیت جاگے'' کے عنوان کی معنویت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

''جب کھیت جاگے'' کا عنوان اپنے اندر گہری علامتی معنویت رکھتا ہے۔ ظاہری طور پر ''کھیت'' زراعت اور کسان کی زندگی کی علامت ہے، لیکن ناول کے وسیع تر مفہوم میں یہ پورے دیہی معاشرے اور محنت کش طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔

''جاگنا'' یہاں محض نیند سے بیدار ہونے کے معنی میں نہیں بلکہ **شعور، بیداری، اپنے حقوق کی پہچان اور مزاحمت** کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ جب کسان اپنے حالات، محرومی اور استحصال کو سمجھنے لگتا ہے تو اس کے اندر تبدیلی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

اس اعتبار سے ''جب کھیت جاگے'' ایک ایسا بامعنی عنوان ہے جو کسان کی زندگی، اس کی محنت، اجتماعی شعور اور سماجی تبدیلی کے تصور کو ایک مختصر اور مؤثر علامت میں سمیٹ لیتا ہے۔

6.9 امدادی کتب

۱۔ **اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ** ——ڈاکٹر احسن فاروقی

۲۔ **اُردو فکشن** ——آل احمد سرور

۳۔ **پریم چند کا تنقیدی مطالعہ** ——ڈاکٹر قمر رئیس

۴۔ **ناول کا فن** ——ای۔ایم۔فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

۵۔ **بیسویں صدی میں اُردو ناول** ——ڈاکٹر یوسف سرمست

۶۔ **داستان سے افسانے تک** ——وقار عظیم

۷۔ **اُردو ناول کی تاریخ و تنقید** ——علی عباس حسینی

۸۔ **ادبی تخلیق اور ناول** ——احسن فاروقی

۹۔ **قرۃ العین حیدر کا فن** ——عبدالمغنی

۱۰۔ **اُردو ناول بیسویں صدی میں** ——عبدالسلام

۱۱۔ **ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول** ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۲۔ **تفہیم و تعبیر** ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

۱۳۔ **۱۹۷۰ کے بعد کے اہم فکشن نگار** ——ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

۱۴۔ **آزادی کے بعد اُردو ناول** ——ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۷۔ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری اور ''گردش رنگِ چمن'' کا تنقیدی جائزہ

ساخت

7.0 اغراض و مقاصد

7.1 تعارف

7.2 قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری

7.2.0 ''گردش رنگِ چمن'' کا تنقیدی جائزہ7

7.2.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

7.4 عمومی جائزہ

7.5 فرہنگ

7.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

7.7 مشقی سوالات

7.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

7.9 امدادی کتب

7.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ **قرۃ العین حیدر کی ادبی شخصیت، ناول نگاری اور اردو ادب میں ان کے منفرد مقام** سے واقف ہو سکیں گے۔ آپ ان کے فکری رجحانات، تاریخی و تہذیبی شعور اور جدید ناول کے فنی تقاضوں سے ان کی گہری وابستگی کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ قرۃ العین حیدر نے اردو ناول کو محض قصہ اور واقعات کی ترتیب تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے تاریخ، تہذیب، سماج، سیاست، انسانی نفسیات اور فرد کے وجودی مسائل کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔

اس سبق کے ذریعے آپ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کے **اہم موضوعات، فکری جہات اور فنی خصوصیات** کا مطالعہ کر سکیں گے اور یہ سمجھ سکیں گے کہ ان کے یہاں ماضی اور حال، روایت اور جدیدیت، مشرق اور مغرب، فرد اور معاشرہ، تاریخ اور انسانی زندگی کے درمیان کس نوعیت کے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ آپ ان کے ناولوں میں ہندوستانی تہذیب کی کثیر الجہتی صورت، تہذیبی زوال، ہجرت، تقسیمِ ہند، شناخت کے بحران، انسانی رشتوں کی پیچیدگی اور بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کی عکاسی کا جائزہ لے سکیں گے۔ آپ قرۃ العین حیدر کے اسلوبِ بیان، **تاریخی شعور، منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، علامتی اظہار، فلیش بیک، مختلف زمانی سطحوں اور زبان و بیان کی وسعت** کو سمجھ سکیں گے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر سکیں گے کہ انہوں نے روایت اور جدیدیت کے امتزاج سے اردو ناول کو کس طرح ایک نیا فکری اور فنی آہنگ عطا کیا۔ آپ ان کے یہاں مختلف تہذیبوں، زبانوں، علاقوں اور تاریخی ادوار کے باہمی ربط کو بھی سمجھ سکیں گے۔

خصوصاً **"گردشِ رنگِ چمن "** کے مطالعے کے ذریعے آپ ناول کے بنیادی موضوع، پلاٹ، کرداروں، تاریخی و تہذیبی پس منظر، واقعات کی تنظیم، فنی ساخت اور اسلوبی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ناول میں تاریخ محض پس منظر کے طور پر نہیں بلکہ انسانی زندگی، تہذیبی شعور اور اجتماعی حافظے کی تشکیل میں کس طرح فعال کردار ادا کرتی ہے۔ آپ ناول کے مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے تہذیبی تبدیلی، سماجی کشمکش، انسانی جذبات اور تاریخی تسلسل کے باہمی تعلق کا تجزیہ کر سکیں گے۔ اس سبق کے اختتام پر آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ **"گردشِ رنگِ چمن "** کو محض ایک داستانی یا تاریخی ناول کے بجائے ایک ایسے فنی تجربے کے طور پر دیکھیں جس میں فرد، معاشرہ، تاریخ اور تہذیب ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ آپ قرۃ العین حیدر کے ناول میں موجود تاریخی شعور، تہذیبی احساس، انسانی ہمدردی اور جدید فکری

رویوں کی نشان دہی کر سکیں گے اور ان کی روشنی میں اردو ناول کے ارتقا میں قرۃ العین حیدر کے مقام کا متوازن اور تنقیدی تعین کر سکیں گے۔

7.1 تعارف

قرۃ العین حیدر اردو ادب کی اہم اور بااثر ناول نگاروں میں شمار ہوتی ہیں جنہوں نے اردو ناول کو **تاریخی شعور، تہذیبی وسعت، فکر اور فنی جدت** عطا کی۔ ان کی ناول نگاری کا دائرہ محض کسی ایک عہد، علاقے یا معاشرتی طبقے تک محدود نہیں بلکہ اس میں ہندوستانی تہذیب کے مختلف ادوار، بدلتے ہوئے سماجی حالات، تقسیمِ ہند کے اثرات، ہجرت، تہذیبی شناخت، انسانی رشتوں اور فرد کی داخلی کشمکش کی وسیع دنیا سمٹ آئی ہے۔ ان کے فن کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخ کو محض ماضی کے واقعات کے طور پر نہیں دیکھتیں بلکہ اسے انسانی زندگی اور اجتماعی شعور کا زندہ حصہ سمجھتی ہیں۔

قرۃ العین حیدر نے اردو ناول کو روایتی قصہ گوئی سے آگے بڑھاتے ہوئے اسے ایک وسیع **تہذیبی اور فکری بیانیے** میں تبدیل کیا۔ ان کے ناولوں میں مختلف زمانے ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں اور ماضی، حال اور مستقبل کے درمیان ایک مسلسل رشتہ قائم ہوتا ہے۔ ان کے ہاں تاریخ اور تہذیب کے ساتھ ساتھ فرد کی نفسیات، جذبات، محبت، تنہائی، ہجرت اور شناخت کے مسائل بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی خصوصیات انہیں اردو کے دوسرے ناول نگاروں سے ممتاز کرتی ہیں۔

"گردشِ رنگِ چمن" کے مطالعے میں آپ کو قرۃ العین حیدر کی اسی وسیع تاریخی اور تہذیبی بصیرت کا مشاہدہ ہوگا۔ اس ناول کے ذریعے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ کس طرح ایک ناول نگار تاریخی واقعات کو انسانی کرداروں، تہذیبی تجربات اور سماجی تبدیلیوں سے مربوط کر کے ایک جامع فنی منظر نامہ تشکیل دیتا ہے۔ اس طرح یہ سبق قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری اور **"گردشِ رنگِ چمن"** کے فکری و فنی مطالعے کے ذریعے اردو ناول کے جدید امکانات کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

7.2 قرۃ العین حیدر حیات اور ناول نگاری

قرۃ العین حیدر فکشن کی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے قلم کی روشنی سے اردو افسانوی ادب کو منور کیا۔ برصغیر کی یہ ممتاز و معروف ادیبہ ۲۰/ جنوری ۱۹۲۷ء کو علی گڑھ (اترپردیش) میں پیدا ہوئی۔ قرۃ العین حیدر کے سلسلۂ نسب کے بارے میں ڈاکٹر طاہر الدین طاہر لکھتے ہیں:

> "نسب و حسب کے اعتبار سے قرۃ العین حیدر کافی اعلیٰ تھیں، ان کا تعلق براہ راست حضرت امام زین العابدین کے خاندان سے تھا۔ انہیں حضرت کے خاندان سے ایک بزرگ سید کمال

الدین ترمذی بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ان کی اولاد میں سید جلال الدین غازی، روہیل کھنڈ میں جابسے ان کی اولاد میں سید ضیاءالدین ترمذی ایک ممتاز صوفی بزرگ تھے۔۔۔ان کے صاحب زادے میر حسن نے بجنور کے قصبہ نہٹور کو آباد کیاان کے یہاں دو بیٹے سید بندے علی اور سید احمد علی ہوئے۔۔۔۔۔سید بندے علی کے صاحب زادے سید جلال الدین حیدر، بنارس کے حاکم ہوئے سجاد حیدر یلدرم انہیں کے صاحب زادے تھے جو قرۃالعین حیدر کے والداور اردو کے ممتاز صاحب طرز انشاءپرداز تھے۔''

قرۃالعین حیدر کے نسوانی کردار،ارشیہ پبلی کیشنز دہلی ۲۰۱۷،ص۳۹۔۳۸۔

اگرچہ یلدرم کے آباواجداد صوفیانہ طرز زندگی اپنا کر مسلمانوں کے عام دھارے میں شامل ہوگئے تھے لیکن یلدرم نہایت ترقی پسند واقع ہوئے اور خود کو مذہبی جھمیلوں سے دور رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک شعیہ خاندان کی لڑکی محترمہ نذر زہرا صاحبہ سے نکاح کیاجوایک معتبر اور علیٰ گھرانے سے تھیں اور اپنے زمانے کی پڑھی لکھی اور آزاد خیال خاتون تھیں۔ ظاہر ہے کہ جب والدین ہی آزاد خیال ہوں تو اولاد کا آزاد خیال ہونالازمی ہے۔لہٰذا قرۃالعین حیدر بھی حد درجہ آزاد خیال واقع ہوئی۔

قرۃالعین حیدر کی ابتدائی زندگی کے چند سال جزیرہ پورٹ بلیر میں گزرے۔ان دنوں یلدرم وہیں Assistant Revenue Commissioner تعینات تھے۔اس کے بعد سجاد حیدر یلدرم کاتبادلہ دہرادون میں ہواوہاں پر قرۃالعین حیدر کی ابتدائی تعلیم ایک کانونٹ اسکول میں ہوئی۔۱۳ برس کی عمر میں ہائی اسکول اول پوزیشن میں پاس کیا۔ میٹرک کے بعد لکھنؤ کے مشہور ازابیلا تھوبرن کالج سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد لکھنؤیونی ورسٹی سے ۱۹۴۷ء میں انگریزی ادب میں ایم۔اے کیا۔قرۃالعین حیدر کو آرٹ سے بھی کافی دلچسپی تھی اس لیے وہ لکھنؤ کے ایک آرٹ اسکول میں بھی زیر تعلیم رہیں۔ اس میدان میں مزید وسعت پیدا کرنے کی غرض سے انہوں نے لندن کے ایک اسکول ہیدولیز میں داخلہ لیااور مصوری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے وہاں سے واپس آئیں۔

قرۃالعین حیدر کوادب کاذوق ورثے میں ملا تھا۔ان کے والد سجاد حیدر یلدرم کاشمار اردو افسانے کے بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔والدہ سجاد حیدر یلدرم بھی ایک مشہور افسانہ وناول نگار تھیں۔اگر والدین نے قرۃالعین حیدر کی ادبی شخصیت کی تعمیر میں اپنا کردار بخوبی نہیں نبھایا ہوتاتو آج قرۃالعین حیدر ادبی حلقوں میں اتنی معروف و مشہور فکشن نگار کی حیثیت سے سامنے نہیں

آتیں۔اپنے والدین سے متاثر ہو کر انہوں نے بھی کہانیاں لکھنا بچپن میں ہی شروع کر دیا تھا۔ان دنوں ''پھول''اور ''بنات'' بچوں کے مقبول رسالے مانے جاتے تھے، جن میں قرۃ العین حیدر کی کہانیاں شائع ہوتی تھیں۔اس ضمن میں انہوں نے اپنے سوانحی ناول کارِ جہاں دراز ہے میں لکھاہیں:

''پھول اور اس کے بعد بنات میں لکھنا شروع کیا، اگر وہ کہانیاں حاصل کر لی جائیں مثلاً چو کلیٹ کا قلعہ جو نبات میں چھپی تھی، تو اس کے ذرا ہی بعد جو افسانے 'ساقی'، 'ادب لطیف' اور 'سویرا' وغیرہ میں شائع ہوئے جواب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس چوکلیٹ کے قلعے کی توسیع تھے۔''

ناول کارِ جہاں دراز ہے، جلد اول ص ۴۴۷۔

قرۃ العین حیدر کی ادبی زندگی کا باضابطہ آغاز ۱۹۴۴ء کے آس پاس ہوا جب ان کا پہلا افسانہ ''ارادے'' کے عنوان سے 'ادیب' میں شائع ہوا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی ان کے دو افسانے ''ایک شام''، ''یہ باتیں'' کے عناوین سے ان کے فرضی نام ''لالہ رخ'' اور ''بنت سید سجاد حیدر یلدرم'' کے نام سے شائع ہوئے تھے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد قرۃ العین حیدر اپنے پورے خاندان کے ساتھ پاکستان چلی گئیں۔ان دنوں میں وہ اپنا پہلا ناول ''میرے بھی صنم خانے'' لکھ رہی تھیں جو بعد میں ۱۹۴۹ء میں پاکستان سے چھپا۔قرۃ العین حیدر کے ذہن پر تقسیم کے گہرے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم کے المیہ سے وہ خود کو ابھار نہیں سکیں۔اس حادثے کے بعد وہ ایک طویل مدت تک ذہنی جلاوطنی کا شکار رہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

''تقسیم کے صدمے نے ۱۹۴۷ء کے آخر میں ساڑھے سولہ سال کی عمر میں مجھ سے 'میرے بھی صنم خانے' لکھوائے جو میرا پہلا ناول تھا اور جسے آج بھی اردو کے چند اچھے ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔اس کے بعد میں نے جو کچھ لکھا، اس صدمہ کے زیر اثر لکھا۔ذہنی جلاوطنی نے مجھے بہت پریشان کیا۔''

ناول کارِ جہاں دراز ہے، جلد دوم ص ۵۵

تقسیم کے بعد قرۃ العین حیدر کچھ مدت پاکستان میں سکونت پزیر رہیں۔ ۱۹۵۰ء میں انہیں پاکستان کی وزارت اطلاعات و نشریات

میں انفارمیشن آفیسر کی حیثیت سے تعینات کیا گیا۔ ڈاکومنٹری فلموں کے پروڈیوسر کے علاوہ پاکستانی کوارٹرلی کی ایکٹنگ ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتی رہیں۔ لیکن اس پوری مدت میں انہیں کہیں اطمنان حاصل نہ ہو سکا وہ مسلسل ذہنی اذیت کی کیفیت سے دوچار رہیں۔ نجی وجوہات کے بناپر وہ پاکستان تو چلی گئیں لیکن قیام پاکستان جس دو قومی نظریے کے تحت عمل میں آیا تھا اس سے وہ متفق نہ ہو سکیں اور قیام پاکستان کے دوران بھی وہ مشترکہ تہذیبی ورثے کی قائل رہیں۔ وہ پاکستان میں مشترکہ تہذیب کی جڑیں تلاش کر رہی تھیں جہاں اس تہذیب کا کوئی نام ونشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ انھیں وجوہات کی بناپر وہ پاکستان کے نئے تہذیبی ماحول سے اتفاق نہ کر سکیں۔ ان کا ذاتی خیال ہے کہ انسان اپنے اصل وطن کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا چنانچہ وہ لکھتی ہیں:

''ہم جہاں رہتے ہیں، جہاں ہماری جڑیں ہیں، ہم دنیا کے کسی بھی حصے میں چلے جائیں، وہ خطہ
جس نے ہمیں جنم دیا ہمیشہ ہمارا ذاتی معاملہ رہے گا۔''

۔قرۃ العین حیدر، نقوش خاص نمبر لاہور ۱۹۵۹ء ص ۲۹۳۔

چنانچہ وہ اپنی ذہنی جلاوطنی اور اذیت سے چھٹکارہ پانے کے لئے ۱۹۶۱ء میں ہندوستان واپس آ گئیں۔ ہندوستان میں دوبارہ قیام پزیر ہونے کے بعد انہوں نے بمبئی سے ''امپرنٹ''نامی ایک رسالہ انگریزی زبان میں جاری کیا۔ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۵ء کے دوران وہ مشہور انگریزی ہفتہ وار ''اسٹر ٹیڈ ویکلی آف انڈیا'' کی مدیر معاون رہیں۔ وہ سنٹرل بورڈ آف فلمز سے بھی وابستہ رہیں۔ ۱۹۸۲ء میں انہیں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔

قرۃ العین حیدر کو ان کے بیش بہا ادبی خدمات کے صلے میں مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں انہیں افسانوی مجموعہ ''پت جھڑ کی آواز''پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ دیا گیا ۱۹۶۹ء میں تراجم پر سوویت لینڈ نہرو انعام عطا کیا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں انہیں اترپردیش اردو اکادمی سے ''آخر شب کے ہم سفر''پر دو ہزار روپے کا انعام دیا جانا طے پایا لیکن انہوں نے یہ انعام لینے سے انکار کر دیا ۱۹۸۴ء میں انہیں غالب ایوارڈ اور پدم شری سے نوازا گیا۔ ۱۹۸۷ء میں انہیں اقبال سمان قومی ایوارڈ دیا گیا۔ ۱۹۹۰ء میں انھیں ان کی ادبی خدمات پر ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز گیان پیٹھ ایوارڈ دیا گیا۔ ۲۰ اور ۲۱ اگست ۲۰۰۷ء کی درمیانی رات میں اس عظیم شخصیت کا انتقال کیلاش نگر کے اسپتال میں ہوا۔ ان کی عمر اس وقت ۸۱ برس کی تھی۔ ان کی تدفین دہلی کے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ہوئی۔

مطبوعات

افسانوی مجموعے

ا۔ ستاروں سے آگے (۱۹۴۷ء)، شیشے کے گھر (مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۵۴ء)، پت جھڑ کی آواز (مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔ ۱۹۶۷ء)، روشنی کی رفتار (ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڑھ، ۱۹۸۲ء)، جگنوؤں کی دنیا (انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۰ء)۔

ناول

ا۔ میرے بھی صنم خانے (۱۹۴۹ء)، سفینۂ غمِ دل (۱۹۵۲ء)، آگ کا دریا (۱۹۵۹ء)، آخر شب کے ہم سفر (۱۹۷۱ء)، گردشِ رنگ چمن (۱۹۸۸ء)، چاندنی بیگم (۱۹۸۹ء)، کار جہاں دراز ہے (۱۹۹۰ء)۔

ناولٹ

چار ناولٹ (ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ۔ ۱۹۸۹ء)۔ دلربا، سیتاہرن، چائے کے باغ، اگلے جنم موہے بٹیانہ کیجیو۔

رپورتاژ

ستمبر کا چاند، کوہ دماند، گل گشت، خضر سوچتا ہے، جہان دیگر۔

تراجم

ہمیں چراغ ہمیں ویرانے (از ہنری جمیسن)، آپس کے گیت (از واسل بائی کوف)، ماں کی کھیتی (چنگیز اعتمادوف)، آدمی کا مقدر (میخائل شولوخوف)، کلیسا میں قتل (ٹی، ایس، ایلیٹ)، تلاش (ٹرومین کایوٹ)۔

مجموعی طور پر قرۃ العین حیدر بیک وقت ایک افسانہ نگار، ناول نگار، ترجمہ نگار اور مصور بھی ہیں۔ ان کو بیسویں صدی کے ہندوستانی ادب کی بڑی ترجمان کہا گیا ہے۔ ان کی شخصیت اور ان کا فن دونوں بے مثال ہیں۔ انہوں نے انتہائی دیانت دارانہ شخصی زندگی گزاری۔ اخلاقی اور ذہنی اعتبار سے وہ ایک بلند سطح کی مالک تھیں۔ ان کا فکشن ایک سچی اور گہری تخلیقی لگن اور انتہائی وسیع مطالعے، مشاہدے اور انفرادی بصیرت کا حامل ہے۔

قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری

قرۃ العین حیدر اردو ناول کی تاریخ میں ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے ناول کو محض قصہ گوئی، تفریح یا کسی محدود سماجی مسئلے کے اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے تاریخ، تہذیب، سیاست، فلسفہ، انسانی نفسیات اور بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کے وسیع مطالعے کا وسیلہ بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں برصغیر کی تہذیبی زندگی، ہندو مسلم معاشرت، تقسیمِ ہند

کے المیے، ہجرت، جاگیر دارانہ نظام کے زوال، نئے معاشی اور سیاسی نظام کی تشکیل، انسانی تنہائی، روحانی کرب اور تاریخی جبر جیسے موضوعات مختلف سطحوں پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو محض واقعات کی صورت میں پیش نہیں کرتیں بلکہ ان کے انسانی اور تہذیبی اثرات کو بھی اپنی تخلیقی بصیرت کا حصہ بناتی ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے ابتدائی ناولوں میں **"میرے بھی صنم خانے (1949)"** کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ان کا پہلا ناول ہے جس میں ہندوستان کی تقسیم، دو قومی نظریے، ہندو مسلم فسادات، شمالی ہند سے پاکستان اور پاکستان سے ہندوستان کی طرف مہاجرین کی آمد، سیاسی انتشار اور معاشی بدحالی کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اگرچہ تقسیمِ ہند کے موضوع پر دوسری زبانوں میں بھی بہت کچھ لکھا گیا، لیکن قرۃ العین حیدر کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے سیاسی اور معاشرتی انتشار کے ساتھ ساتھ اس تہذیبی بحران کو بھی محسوس کیا جو تقسیم سے متاثر ہونے والے شاعروں، ادیبوں، فنکاروں اور تعلیم یافتہ طبقے کی ذہنی زندگی میں پیدا ہوا۔

احمد ندیم قاسمی کے مطابق اس ناول کا پلاٹ اودھ کے زمیندار طبقے کے گرد گھومتا ہے اور اس طبقے کی موت اس ناول کا بنیادی موضوع ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستانی معاشرے میں ایک نئی معاشی طبقاتی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ نئے سرمایہ دار، صنعت کار اور سرکاری افسر معاشرے میں نمایاں ہونے لگے جبکہ پرانا زمیندار اور اشرافیہ کا طبقہ اپنی سابقہ حیثیت کھونے لگا۔ اس تبدیلی کا سب سے گہرا اثر ان تعلیم یافتہ نوجوانوں پر پڑا جو نہ نئے حالات سے پوری طرح ہم آہنگ ہو سکے اور نہ اپنے ماضی سے مکمل طور پر رشتہ توڑ سکے۔ ان کی زندگی میں محرومی، بے روزگاری، بے یقینی اور ماضی کی یادیں غالب آ گئیں۔

قرۃ العین حیدر نے اس صورتِ حال کو محض خارجی واقعات کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے کرداروں کی ذہنی کیفیات کے ذریعے بھی پیش کیا ہے۔ تقسیم کے بعد بہت سے لوگ اپنے خوابوں، گھروں، رشتوں اور تہذیبی شناخت سے محروم ہوئے۔ جو پاکستان گئے، وہ بھی لازماً اپنی توقعات کے مطابق زندگی حاصل نہ کر سکے اور جو ہندوستان میں رہ گئے، وہ بھی نئے حالات میں عسرت اور بے یقینی کا شکار ہوئے۔ اس طرح ماضی کی یاد، گم شدہ تہذیب اور ٹوٹے ہوئے خواب ناول کی فضا میں ایک گہرے نوستالجیا کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

"سفینۂ غمِ دل (1952)" بھی قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کے اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اس میں بھی فرقہ وارانہ فسادات، جاگیرداری کے خاتمے اور اس کے معاشرتی و معاشی اثرات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مصنفہ نے مسلم شرفا اور زمیندار طبقے کی اس زندگی کو پیش کیا ہے جو آزادی سے پہلے دعوتوں، مشاعروں، رقص و موسیقی، شکار، عشق بازی اور مختلف تہذیبی

سرگرمیوں سے عبارت تھی۔اس طبقے کے زوال کے ساتھ صرف معاشی نظام نہیں بدلا بلکہ ایک پوری تہذیبی فضا بھی ختم ہونے لگی۔ناول کا کردار رضا بھائی اس طبقے کے زوال کی ایک نمایاں مثال ہے۔ لکھنوی تہذیب کے نمائندہ اس کردار کی زندگی میں فراغت اور آسائش نمایاں ہے۔وہ تعلیم کے لیے علی گڑھ پہنچتا ہے مگر وہاں بھی اپنی روایتی وضع داری اور عیش پسندانہ طرزِ زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔انٹر میڈیٹ میں ناکامی کے بعد واپس اپنی پرانی بستی میں آ جاتا ہے اور شکار، گھوڑ سواری اور نشانہ بازی جیسی سرگرمیوں میں وقت گزارتا ہے۔لیکن سیاسی حالات اچانک اس کی زندگی کا رخ بدل دیتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد وہ پاکستان چلا جاتا ہے اور وہاں اسے اس معاشی حقیقت کا سامنا ہوتا ہے جس کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔اس کی نفیس مونچھیں اور جامدانی کا انگرکھا بھی رفتہ رفتہ اس کے زوال کی علامت بن جاتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں مسلم اشرافیہ کے **فراغت سے عسرت تک کے سفر** کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ نہ صرف ایک طبقے کی معاشی شکست دکھاتی ہیں بلکہ اس تہذیب کے خاتمے کا نوحہ بھی لکھتی ہیں جس میں مشاعرے، موسیقی، رقص، محفلیں، وضع داری اور معاشرتی روایات شامل تھیں۔اس اعتبار سے ''میرے بھی صنم خانے''اور ''سفینۂ غم دل'' دونوں ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں اور دونوں میں تقسیمِ ہند کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تہذیبی اور معاشرتی بحران کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے۔

قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کا سب سے بڑا اور اہم سنگِ میل **''آگ کا دریا (1959)** '' ہے۔ تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل یہ ضخیم ناول اردو ادب کے اہم شاہکاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔اس ناول میں قرۃ العین حیدر کے وسیع مطالعے، تاریخی شعور، مشرقی و مغربی ادب سے واقفیت، فلسفے، عصری سیاست اور انسانی زندگی کے گہرے مشاہدے کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ ''سفینۂ غم دل'' کے بعد تقریباً دس سال کے عرصے میں مصنفہ نے کتابی مطالعے کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا اور مختلف قوموں کے معاشروں اور تہذیبوں کا مشاہدہ کیا۔اسی وسیع تجربے نے ان کے تخیل کو عالمی اور آفاقی وسعت عطا کی۔

''آگ کا دریا'' کا کینوس ہندوستان کی قدیم تاریخ سے لے کر عہدِ جدید تک پھیلا ہوا ہے۔اس میں ویدک عہد، برہمنیت، بدھ مت، موریہ دور، اسلامی تہذیب، مغلیہ دور، برطانوی استعمار، آزادی کی تحریک اور تقسیمِ ہند تک کے مختلف تاریخی اور تہذیبی مراحل کو ایک وسیع تخلیقی منظرنامے میں پیش کیا گیا ہے۔اس اعتبار سے یہ محض ایک تاریخی ناول نہیں بلکہ ہندوستانی تہذیب کے طویل تاریخی تسلسل اور انسانی وجود کے بنیادی مسائل کا مطالعہ بھی ہے۔ناول کے مختلف ادوار میں مختلف کردار سامنے آتے ہیں، لیکن ان کرداروں میں ایک داخلی اور روحانی رشتہ موجود ہے۔ **گوتم نیلمبر، کمال الدین، چمپا، ہری شنکر، طلعت،**

کمال رضا اور دیگر کردار مختلف زمانوں میں انسانی زندگی، محبت، تنہائی، روحانی کرب اور تاریخی جبر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے مصنفہ نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ زمانہ بدلتا رہتا ہے، تہذیبیں بدلتی ہیں، سیاسی نظام تبدیل ہوتے ہیں، لیکن انسانی روح کے بنیادی مسائل بڑی حد تک وہی رہتے ہیں۔

ناول کا پہلا دور قدیم ہندوستان سے متعلق ہے۔ گوتم نیلمبر برہمن طالب علم ہے جو علم کے حصول اور برہمنی ریاضت کے باوجود ذہنی سکون حاصل نہیں کر پاتا۔ چمپا سے اس کی محبت بھی اسے مکمل آسودگی نہیں دے پاتی۔ محبت کی ناکامی، روحانی بے چینی اور زندگی کے مسائل اسے مسلسل اضطراب میں مبتلا رکھتے ہیں۔ اس کردار کے ذریعے انسانی وجود کی اس بنیادی بے قراری کو پیش کیا گیا ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی ہے۔ دوسرے دور میں ہندوستانی تہذیب میں مسلمانوں کی آمد اور ہندو مسلم تہذیبی تعامل کو پیش کیا گیا ہے۔ ابو المنصور کمال الدین اپنے عہد کا نمائندہ کردار ہے۔ وہ مسلمان ہونے کے باوجود وسیع المشرب اور روادار شخصیت رکھتا ہے اور ہندوستانی تہذیب سے گہری وابستگی محسوس کرتا ہے۔ جنگ اور خون ریزی کے واقعات اس کی روح کو متاثر کرتے ہیں اور وہ بھی گوتم کی طرح روحانی کرب سے گزرتا ہے۔ اس کے کردار کے ذریعے قرۃ العین حیدر نے رواداری، وفاداری، خیر و شر اور نظریاتی اختلاف جیسے مسائل پر غور کیا ہے۔

ناول کا تیسرا دور نسبتاً طویل ہے اور اٹھارہویں سے بیسویں صدی تک کے حالات کو محیط ہے۔ اس دور میں برطانوی استعمار مضبوط ہوتا ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستانی دولت پر قابض ہوتی ہے اور انگریزی تعلیم و زبان کا اثر بڑھتا ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں ایک نیا تعلیم یافتہ طبقہ پیدا ہوتا ہے جو انگریزی تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمتوں میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ پرانی مشرقی تہذیبی اقدار اور نئی مغربی تہذیبی اقدار کے درمیان کشمکش بھی پیدا ہوتی ہے۔ برطانوی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریک بتدریج مضبوط ہوتی ہے اور بالآخر 1947ء میں ہندوستان آزاد ہوتا ہے۔ لیکن آزادی کے ساتھ تقسیم کا المیہ بھی سامنے آتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے قیام کے بعد دونوں معاشروں میں مختلف نوعیت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مہاجرین، فرقہ وارانہ فسادات، سیاسی انتشار اور شناخت کا بحران انسانی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے کمال رضا اور عامر رضا جیسے کرداروں کے ذریعے تقسیم کے بعد پیدا ہونے والے ذہنی اور روحانی کرب کو نمایاں کیا ہے۔

''آگ کا دریا'' میں صرف مسلمانوں کی مشکلات کو موضوع نہیں بنایا گیا بلکہ مصنفہ نے اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا ہے کہ تاریخ کے بحرانی دور میں ہر حساس اور غیرت مند انسان مختلف مشکلات سے گزرتا ہے۔ اس طرح ناول کا دائرہ کسی ایک قوم، طبقے یا مذہب تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی زندگی اور انسانی مقدرات کا آفاقی مسئلہ بن جاتا ہے۔ ناول کا بنیادی فلسفیانہ سوال انسانی مقدر،

وقت اور تاریخ سے متعلق ہے۔ مجتبیٰ حسین نے ''وقت'' کو اس ناول کا مرکزی کردار قرار دیا ہے، جبکہ محمود ایاز کے نزدیک ناول کی اصل روح انسانی روح کی تنہائی، دکھ، وحشت اور بے قراری میں پوشیدہ ہے۔ ہزاروں سال کے تاریخی سفر کے باوجود انسانی روح کی بنیادی کیفیت تبدیل نہیں ہوتی۔ گوتم نیلمبر سے لے کر جدید دور کے کرداروں تک ایک مسلسل روحانی بے چینی موجود رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''آگ کا دریا'' کو محض ہندوستانی مسلمانوں یا کسی ایک طبقے کی داستان قرار دینا اس کے وسیع مفہوم کو محدود کرنا ہوگا۔ ناول کا اصل موضوع انسانی وجود، تاریخ کا تسلسل اور وقت کے سامنے انسان کی بے بسی ہے۔ گوتم نیلمبر کا یہ تصور کہ **احساسِ ملکیت سارے جھگڑے کی جڑ ہے** انسانی معاشرے کے مختلف سیاسی اور معاشی نظاموں پر ایک گہرا تبصرہ ہے۔ ملوکیت ہو یا جمہوریت، مختلف نظام اپنی خوبیوں کے باوجود انسانی دکھ کا مکمل مداوا نہیں کر سکے۔

''چاندنی بیگم'' قرۃ العین حیدر کا مقبول ناول ہے جو ۱۹۹۰ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول میں ہندوستان کی عصری تاریخ کا بڑی خوبصورتی اور فن کاری کے ساتھ نقشہ کھینچا ہے۔ اس ناول میں ۱۹۴۷ سے اب تک کے سماجی اور معاشی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے۔ تقسیم ملک کی وجہ سے عزیز و اقارب کا ایک دوسرے سے جدا ہونا، مفلسی، غریبی، معاشی بدحالی، مٹتے ہوئے کلچر کی منظر کشی بہت ہی عمدہ انداز میں کی گئی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے ناول کے ابتدا ہی میں تقسیم کے اثرات کو ناول میں ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ایسا محسوس بھی ہوتا ہے کہ مصنفہ کو تقسیم ہند کے المیہ نے کس حد تک متاثر کیا ہے۔ تقسیم ہند اور تہذیب کی تبدیلی کے اس اثر کو قرۃ العین حیدر نے ناول میں اس طرح پیش کیا ہے:

> ''لب دریا کوٹھی کی چہل پہل میں ارباب چمن شامل تھے۔ طوطے مینائیں، کوئلیں، لال سرے بیرسٹر اظہر علی نامور قانون دان، بٹو باجی مقبول سماجی کارکن۔ قمبر علی طلبا کے نیتا۔ صبح سے شام تک بھانت بھانت کی خلقت کا تانتا بندھا رہتا۔ پہلے تعلقہ داران گرامی اپنے لا متناہی مقدموں کے سلسلے میں طویل موٹروں سے برساتی میں اترتے تھے۔ ہندراجاؤں کے فربہ متبنی بیٹے جو عموماً ''بے جی'' کہلاتے تھے بگھیوں پر سوار ریشمی کرتے اور جھاگ ایسی جھک سفید دھوتیوں میں ملبوس ہیرے چمچماتے وارد ہوتے۔ اچانک سین بدلا۔ تعلقہ داران و بیگمات مع کاروں، پالکیوں اور بگھیوں کے غائب۔ بہت جلد تانگے اور یکے بھی معدوم ہو گئے۔ سائیکلوں اور رکشاؤں کا سیلاب امنڈ آیا۔ ان پر سوار ایسے موکل بستے تھامے برساتی میں داخل ہوئے جن کی املاک کسی ایک عزیز کی پاکستان روانگی کے سبب متروکہ قرار دے دی گئی تھیں۔ ان میں بہت سے

ایسے تھے جو قبل ازیں موٹروں پر آیا کرتے تھے۔''

چاندنی بیگم، ص۱۹۔ایجوکیشنل بک ہاوس، دہلی، ۱۹۹۹

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ملک کا بٹوارہ ہوا تو مسلمانوں کی سیاس و سماجی حالت کس قدر خراب ہو گئی تھی۔ تانگوں اور یکوں کا معدوم ہونا، پرانی تہذیب و تمدن کے معدوم ہو جانے کا استعاراتی بیان معلوم ہوتا ہے۔ سانحہ تقسیم کی وجہ سے عورتوں کی زندگی جہنم کے مانند ہو گئی تھی۔ عورتوں کو بہت زیادہ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مرد عورتوں کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے اور پھر روزی روٹی کا مسلۂ بھی یا لڑکیوں کے لیے اچھے رشتے ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ایسے ہی حالات ناول کی ہیروئن ''چاندنی بیگم'' کے بھی تھے۔ چاندنی بیگم کی زندگی کے المیہ کا بیان ناول کے شروع میں ہی کیا گیا ہے اور تقسیم ہند کے خطرناک نتیجہ میں چاندنی بیگم کو دشواریاں سہنی پڑتی ہیں۔اور آخر یہ الجھنیں، پریشانیاں، دشواریاں، دکھ درد اس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔'' چاندنی بیگم'' کی موت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ناول کا اصل موضوع تقسیم ہند ہے۔ قرۃ العین حیدر نے تقسیم اور اس کے خطرناک نتائج کو حد درجہ فن کارانہ بصیرت سے پیش کیا ہے۔

بہ ظاہر ناول کے مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول کا اصل موضوع ملکیت ہے۔ ریڈ روز، تین کٹوری ہاؤس، اور زمین جائیداد کے جھگڑے اس ناول میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لیکن قرۃ العین حیدر نے ناول میں استعارتی اشاروں سے تقسیم ہند کے منفی اثرات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ خاندانوں کا تباہ ہونا، تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھر جانا، عورتوں کے مسائل، مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی وغیرہ اس ناول کے اہم نکات ہیں۔ناول کے اہم کرادروں میں چاندنی بیگم، قنبر علی، بیگم اظہر علی، عطیہ بیگم، وکی بیلا وغیرہ شامل ہیں۔ قنبر علی کی ماں بیگم اظہر علی کے میکے والے بھی مظفر پور چھوڑ کر پاکستان چلے جاتے ہیں۔ بیرسٹر اظہر علی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ بیگم اظہر علی اس صدمے کو برداشت نہیں کر پائی اور دنیا چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ لیکن مرتے مرتے ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے جو ان کی دلی کیفیت کو ظاہر کر رہے تھے۔

ناول چاندنی بیگم میں منظر نگاری کے عمدہ نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی منظر کشی جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے ۔ قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں جو واقعات پیش کیے ہیں اس کی پوری وضاحت بھی کی ہے تاکہ قاری کو اس واقع کے زماں و مکاں کے بارے میں پورا علم ہو سکے کہ یہ واقعہ کیسے اور کیوں ہوا۔

قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں ایک نئے تجربے سے کام لیا۔ ناول میں اچانک واقعات کا ہونا اور ان کی وجہ سے لوگوں کی زندگیوں کا تبدیل ہونا ایک ایسی تکنیک ہے جس کو اردو ادب میں پہلی دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تکنیک جادوئی حقیقت نگاری

Magic Realism کہلاتی ہے۔اس کی اہم مثال ناول کے بنیادی کردار چاندنی بیگم کی جلد موت ہے۔ لیکن یہی تو قرۃ العین حیدر کی فنکاری ہے کہ چاندنی بیگم مر کر بھی پہلی کوٹھی اور تین کٹوری ہاوس والوں کا پیچھا آخر تک نہیں چھوڑتی اور یہ سارا کچھ غیر حقیقی بھی نہیں لگتا۔ جادوئی حقیقت نگاری کا ایک بنیادی اصول ہے جس میں واقعات بظاہر ناقابل یقین انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ناول کے مرکزی کرداروں کو ختم کر دینے کے بعد نئی کہانی کا تانا بانا اس طرح بُنا گیا ہے کہ وہ مرکزی کردار مر کر بھی نہیں مرتے اور ناول کی مرکزی کہانی کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی شکل میں چلتے رہتے ہیں۔اس حوالے سے ایک نئے تجربے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ایک ایسا تجربہ جو منفرد ہے۔چونکہ اس طرح کا تجربہ غالباً اردو ادب کے کسی اور ناول کے اندر نہیں کیا گیا ہے۔

قرۃ العین حیدر کی ایک اہم فنی خصوصیت ان کی **تاریخی شعور اور تخیل کے امتزاج** میں پوشیدہ ہے۔ وہ تاریخ کو خشک واقعات کے طور پر پیش نہیں کرتیں بلکہ کرداروں کے تجربات، جذبات، محبتوں، محرومیوں اور روحانی کشمکش کے ذریعے اسے زندہ بناتی ہیں۔ان کے یہاں تاریخ اور افسانہ ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہو جاتے ہیں کہ قاری تاریخی واقعات کو محض پڑھتا نہیں بلکہ انہیں محسوس بھی کرتا ہے۔ان کی دوسری بڑی خصوصیت **شعور کی رو کی تکنیک** ہے۔ ''آگ کا دریا'' میں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کرداروں کی یادیں، تاثرات، خیالات، جذبات اور داخلی تجربات کہانی کے بہاؤ کو آگے بڑھاتے ہیں۔اس تکنیک میں روایتی گھڑی کا وقت اہم نہیں رہتا بلکہ ذہنی وقت اہم ہو جاتا ہے۔ماضی کی کوئی یاد اچانک حال میں داخل ہو جاتی ہے اور حال کا کوئی واقعہ ماضی کے کسی تجربے کو زندہ کر دیتا ہے۔ بعض ناقدین نے ''آگ کا دریا'' کو شعور کی رو کی تکنیک کے کامیاب استعمال کی مثال قرار دیا ہے۔ سجاد ظہیر کے ''لندن کی ایک رات'' میں اس تکنیک کی ابتدائی کوشش دیکھی گئی، لیکن قرۃ العین حیدر نے اسے ایک وسیع تاریخی اور تہذیبی تناظر میں زیادہ بڑے پیمانے پر استعمال کیا۔ تاہم یہ بات بھی اہم ہے کہ ان کا ناول مکمل طور پر جیمس جوائس یا مارسل پروست کے طرز پر شعور کی رو کا ناول نہیں ہے۔ان کے یہاں بیانیہ، ڈرامائی، فنی اور شعوری اسالیب ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔اسی وجہ سے ماضی اور حال کے درمیان آمد و رفت کے باوجود قاری کہانی سے اپنا رشتہ قائم رکھتا ہے۔

قرۃ العین حیدر کی **کردار نگاری** بھی ان کے فن کا اہم پہلو ہے۔انہوں نے پریم چند کے برعکس عموماً اعلیٰ خاندانوں، تعلیم یافتہ، مہذب اور وسیع المشرب کرداروں کو اپنے ناولوں کا حصہ بنایا۔ ان کے کردار تاریخی حالات سے بے نیاز نہیں بلکہ انہی حالات کے زیر اثر اپنی شخصیت کے مختلف پہلو ظاہر کرتے ہیں۔ بعض ناقدین نے ان کے ابتدائی تین ناولوں کے کرداروں میں مماثلت کی نشاندہی کی ہے۔ مجتبیٰ حسین کے مطابق ان کرداروں کے نام اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان کے سوچنے کا انداز، لب ولہجہ

اور جذباتی کیفیت بڑی حد تک ایک جیسی ہے۔

ممتاز شیریں نے بھی ان ناولوں میں ایک جیسی فضا، ماحول اور کرداروں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ تاہم اس مماثلت کو مکمل فنی خامی قرار دینا مناسب نہیں۔ ہر فنکار اپنے مخصوص تجربات، مشاہدات اور تہذیبی ماحول سے مواد حاصل کرتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کو ابتدا ہی سے تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ شہری ماحول ملا تھا، اس لیے ان کے ناولوں میں اسی ماحول کے اثرات کا نمایاں ہونا فطری امر ہے۔ جین آسٹن اور تھامس ہارڈی کی مثالیں بھی اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں کہ بڑے فنکار اکثر اپنے مخصوص تجربات اور ماحول کو بار بار نئے فنی انداز میں استعمال کرتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کی **زبان و بیان** بھی ان کے فن کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ موضوع کی مناسبت سے زبان اختیار کرتی ہیں۔ تاریخی حصوں میں تاریخی اور تہذیبی زبان، فلسفیانہ مقامات پر فکری انداز، رومانوی مقامات پر شاعرانہ اسلوب اور عصری حصوں میں جدید زبان استعمال ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے ناولوں کے مختلف اجزا مل کر ایک وسیع اسلوبی گلدستہ بناتے ہیں۔

ان کی زبان میں شاعرانہ حسن، تصویریت اور اشاریت پائی جاتی ہے۔ تاہم بعض ناقدین نے ان کی شاعرانہ زبان کو ان کے طویل اور پر پیچ طرزِ نگارش کا کمزور پہلو قرار دیا ہے۔ اسی طرح انگریزی الفاظ اور تراکیب کے کثرت سے استعمال پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ ابتدائی ناولوں میں انگریزی زبان کے الفاظ اور تراکیب نسبتاً زیادہ ہیں اور ''آگ کا دریا'' میں بھی ایک طرح کی ''کھچڑی زبان'' کے نمونے ملتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی زبان مجموعی طور پر جاندار، معنی خیز، دلکش اور موضوع سے ہم آہنگ ہے۔

مجموعی طور پر قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری اردو فکشن میں ایک بڑے فکری اور فنی تجربے کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ناول کو تاریخ کے ساتھ جوڑا، تاریخ کو انسانی تجربے سے مربوط کیا اور انسانی تجربے کو تہذیبی شعور اور فلسفیانہ فکر سے ہم آہنگ کیا۔ ان کے یہاں فرد محض ایک شخص نہیں رہتا بلکہ اپنے عہد، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ ان کے کردار وقت کے ہاتھوں بدلتے ہیں، ہجرت کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں، شکست کھاتے ہیں، نئے خواب دیکھتے ہیں اور پھر بھی اپنی داخلی شناخت کی تلاش جاری رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کا سب سے اہم وصف **تاریخی تسلسل، تہذیبی شعور اور انسانی وجود کے آفاقی مسائل کا امتزاج** ہے۔ ان کا سب سے بڑا تخلیقی کارنامہ ''آگ کا دریا'' ہے، لیکن ''میرے بھی صنم خانے'' اور ''سفینۂ غم دل'' بھی ان کے فکری ارتقا کو سمجھنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ فنی تجربے، شعور کی رو کی تکنیک، تاریخی اور تہذیبی وسعت، کرداروں کی داخلی کشمکش اور زبان و بیان کی دلکشی نے قرۃ العین حیدر کو اردو ناول نگاری میں ایک منفرد

مقام عطا کیا ہے۔ان کی ناول نگاری برصغیر کی تاریخ اور تہذیب کے ساتھ ساتھ انسانی روح کی اس مسلسل تلاش کی داستان ہے جو زمانے، سرحدوں اور سیاسی نظاموں کی تبدیلی کے باوجود کبھی ختم نہیں ہوتی۔

7.2.0 ''گردش رنگِ چمن'' کا تنقیدی جائزہ

''گردشِ رنگِ چمن'' اپنے موضوع کے اعتبار سے قرۃ العین حیدر کی فکر کا تسلسل ہے، لیکن اس میں جس انداز سے مسلم تشخص کی جڑوں کی تلاش، تہذیبی زوال اور معاشرتی تبدیلیوں کی تصویر کشی کی گئی ہے، اس نے اسے ایک منفرد اور اہم ناول بنا دیا ہے۔بنیادی طور پر یہ ایک **نیم دستاویزی ناول** ہے۔اردو میں دستاویزی ناول لکھنے کا عمومی رجحان بہت زیادہ نہیں رہا، اس لیے اس اعتبار سے بھی ''گردشِ رنگِ چمن'' ایک اہم تجربہ قرار پاتا ہے۔خود قرۃ العین حیدر نے اس ناول کے بارے میں کہا ہے کہ چونکہ اس میں انہوں نے کئی حقیقی لوگوں کو شامل کیا ہے، اس لیے ان کے نزدیک یہ نیم دستاویزی ناول بن گیا ہے۔

اس ناول میں ایسے لوگوں اور خاندانوں کی کہانی بیان کی گئی ہے جن کی جڑیں قدیم جاگیر دارانہ ماحول میں پیوست ہیں، لیکن جو بدلتے ہوئے جدید معاشرے میں داخل ہو چکے ہیں۔اٹھارہویں صدی کے زوال سے مسلم معاشرت میں جو ابتری شروع ہوئی، اس کا سلسلہ بیسویں صدی تک جاری رہتا ہے۔قرۃ العین حیدر نے اپنے کرداروں کے ذریعے اس پورے المیے کو ماضی سے حال تک سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ان کے اپنے الفاظ میں انہوں نے اس ناول میں کوئی چیز محض تصور سے شامل نہیں کی بلکہ اس معاشرے کی ایک بڑی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جو ہندوستان میں موجود تھا۔ناول کی دستاویزی صورت اس حقیقت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس میں بعض ایسے کردار شامل ہیں جو حقیقی وجود رکھتے تھے اور تاریخ میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔

مصنفہ نے ناول میں بعض تاریخی دستاویزات کے عکس بھی شامل کیے ہیں۔مثال کے طور پر **دیوان ملکہ جان** کے سرورق کا عکس شامل ہے، جو انڈیا آفس لائبریری، لندن سے حاصل کیا گیا تھا۔اسی طرح گوہر جان کے نائک ''سلور کنگ'' کا اشتہار بھی شامل کیا گیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ نے حقیقی کرداروں اور تہذیبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں باقاعدہ تحقیق کی۔اینگلو انڈین طبقے کے بارے میں انہوں نے ''آخر شب کے ہم سفر'' میں بھی لکھا تھا، لیکن ''گردشِ رنگِ چمن'' میں اس طبقے کی تشکیل، اس کے تاریخی پس منظر اور معاشرتی وجود کے بارے میں زیادہ منظم تحقیق نظر آتی ہے۔ناول کے حقیقی کردار زیادہ تر ماضی سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم میاں جی کا کردار موجودہ عہد سے متعلق ہے۔ضیاء جالندھری اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے دہلی میں قرۃ العین حیدر کے گھر میاں جی سے ملاقات بھی کی تھی۔

''گردشِ رنگِ چمن'' کے موضوع کا تعین آسان نہیں، کیونکہ یہ ناول کسی ایک محدود موضوع کو سامنے رکھ کر نہیں لکھا

گیا۔ دراصل یہ **ایک پورے تمدن اور تہذیب کی کہانی** ہے۔ اس کا بنیادی موضوع تہذیبی تبدیلیوں کے نتیجے میں انسانی زندگی پر پڑنے والے اثرات ہیں۔ اس اعتبار سے تاریخ اور تہذیب اس ناول کے بنیادی موضوعات قرار پاتے ہیں۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ہی تبدیلی نہیں آئی بلکہ ایک نئی تہذیب نے بھی جنم لیا۔ اس انقلاب سے عام لوگوں کے ساتھ ساتھ قلعے سے وابستہ لوگ بھی متاثر ہوئے۔ اس ہنگامے میں بچ جانے والی دو لڑکیاں، **مہر و اور دلنواز**، ناول کے اہم کرداروں میں شامل ہیں۔ مصنفہ نے ان کی کہانی کے ذریعے اپنی تہذیبی جڑوں کی تلاش کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ناول حال سے ماضی میں اتر کر اپنی تہذیبی شناخت تلاش کرنے کا ایک الٹا سفر بھی ہے۔

وقت کے تیز رفتار سفر میں انسانی کرداروں کا مطالعہ قرۃ العین حیدر کا خاص موضوع ہے۔ ''گردشِ رنگِ چمن'' میں بھی وقت کے بہاؤ کے ساتھ مختلف کرداروں کے حوالے سے تہذیب کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ عکاسی ایک صدی سے زیادہ کے عرصے پر محیط ہے۔ ہندوستان کی تہذیبی زندگی میں کئی صدیوں سے تبدیلی اور باہمی لین دین کا عمل جاری رہا ہے۔ مسلمانوں کی آمد اور اسلام کے پھیلاؤ نے ایک تہذیبی تبدیلی کی راہ ہموار کی، جب کہ انگریزوں کی آمد، خصوصاً 1857ء کے بعد، ایک نئے تہذیبی مزاج اور رنگ کے ظہور کا باعث بنی۔ اس سارے عمل نے معاشرتی ڈھانچے میں بھی مختلف تبدیلیاں پیدا کیں اور ہر عہد میں اس کی ایک نئی صورت سامنے آتی رہی۔ اس بدلتی ہوئی تہذیبی صورتِ حال کا مطالعہ قرۃ العین حیدر کا پسندیدہ موضوع ہے۔ تاہم ناظمہ نقوی کی رائے میں ان کے کسی بھی ناول کو محض تاریخی ناول نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ان کے ہاں تاریخ سے زیادہ **تاریخیت** ملتی ہے۔ وقت کی روانی میں تاریخی تبدیلیوں کا اس طرح مطالعہ کرنا کہ ان سے تہذیبی تبدیلیوں کا اندازہ لگایا جا سکے، ایک دلچسپ لیکن مشکل کام ہے۔

قرۃ العین حیدر کے نزدیک ماضی اور حال کے درمیان کوئی سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ان کا تصور یہ ہے کہ پچھلا وقت آج سے مسلسل جڑا ہوا ہے اور ماضی کے واقعات موجودہ زندگی اور شعور میں زندہ رہتے ہیں۔ ''گردشِ رنگِ چمن'' میں بھی وقت کے تسلسل کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک کائنات کی پوری تاریخ وقت کی روانی میں گزرتے ہوئے ماضی کا ایک مسلسل سلسلہ ہے۔ یہی تصور ''گردشِ رنگِ چمن'' کے بنیادی موضوع کو تشکیل دیتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کا ایک بڑا فنی کمال یہ ہے کہ انہوں نے ''گردشِ رنگِ چمن'' میں حقیقی اور فرضی کرداروں کو اس طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا ہے کہ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان میں سے کون سا کردار حقیقی ہے اور کون سا تخیلی۔ ناول میں واقعات جس ترتیب سے پیش کیے گئے ہیں، وہ مصنفہ کی تاریخ شناسی کی دلیل ہے۔ انہوں نے تاریخ کا مطالعہ صرف سیاسی واقعات کے حوالے سے نہیں کیا بلکہ برصغیر کی

تہذیب اور ثقافت کے مختلف اجزا کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ واقعات میں تخیل کی آمیزش نے ان کی تاثیر کو مزید بڑھا دیا ہے۔

''گردشِ رنگِ چمن'' ایک طویل تاریخی عرصے کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کی ابتدا 1857ء کے آشوب سے ہوتی ہے اور آزادی کے بعد ہندوستان کی جدید معاشرت تک اس کا سفر جاری رہتا ہے۔ اس دوران بے شمار کردار اپنے اپنے حوالے سے تہذیب کی بدلتی ہوئی صورتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ناول کے کردار ماضی، حال اور مستقبل کے درمیان اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ ناول میں پلاٹ کی روایتی فنی بنت پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس کے بجائے خیالات کی ایک رو اپنے بہاؤ میں آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ خود قرۃ العین حیدر کے نزدیک وہ پلاٹ کے مقابلے میں کردار نگاری اور خیالات و تاثرات کے خوب صورت اظہار کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ ان کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے پلاٹ کی تعمیر پر خاص توجہ نہیں دی۔ اسی لیے اس ناول کے پلاٹ کو روایتی فنی اصولوں کے مطابق پرکھنا مناسب نہیں۔

مصنفہ نے زمانی تسلسل کا خیال ضرور رکھا ہے، لیکن کردار اپنے اپنے انداز میں نشو و نما پاتے ہیں۔ واقعات میں بیک وقت ربط بھی ہے اور انتشار بھی۔ بعض مقامات پر واقعہ آگے اور پیچھے بھی ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود مرکزی تاثر قائم رہتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کی بنیادی کوشش یہ ہے کہ کرداروں کے ذریعے زندگی کی عکاسی کی جائے اور کسی سخت فنی فریم ورک کے بجائے کہانی کو قدرتی بہاؤ کے ساتھ آگے بڑھایا جائے۔ وہ تقسیم اور تکنیک کے بارے میں پہلے سے کوئی خاص منصوبہ بندی کرنے کے بجائے لکھنا شروع کر دیتی ہیں اور پلاٹ خود اپنی صورت اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ تاہم اس سادگی کے باوجود اس ناول کی تشکیل آسان نہیں تھی۔ مصنفہ نے اس کے لیے وسیع پیمانے پر گراؤنڈ ورک کیا۔ دستاویزات تک رسائی، تاریخ کا مطالعہ اور 1857ء کے بعد کی تہذیبی صورتِ حال سے واقفیت کے لیے انہیں خاصی محنت کرنا پڑی۔

یہ ناول **48 ابواب** پر مشتمل ہے اور ہر باب کا اپنا عنوان ہے، جو اس میں پیش آنے والے واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار **عندلیب بانو** ہے، جس کا تعلق جدید عہد سے ہے۔ یوں ناول کی کہانی حال سے ماضی کی طرف جاتی ہے اور پھر دوبارہ حال میں آکر مستقبل کی طرف سفر کرتی ہے۔ اس طرح وقت کا ایک دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

ناول کے اہم کرداروں میں **عندلیب بانو، دلنواز، مہرو، نواب فاطمہ، نواب بیگم، نگار خانم، شہوار خانم، راجہ دلشاد علی خان، کنور مینڈی، ڈاکٹر منصور، امباپر شاد اور میاں صاحب** شامل ہیں۔ یہ تمام کردار ناول کے ابتدائی حصے میں سامنے آتے ہیں، تاہم میاں صاحب کے علاوہ پہلے تین ابواب کے بعد بیشتر کردار عارضی طور پر پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور چوتھے باب سے عندلیب

بانو کی زبان سے ماضی کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

1857ء کے آشوب کے دوران سرائے طغرل بیگ میں ایک خاندان کے قتل کے بعد دو لڑکیاں زندہ بچ جاتی ہیں۔ یہ دونوں ایک ڈیرے دار طوائف، الف منوری کشمیرن، کے پاس پہنچتی ہیں۔ دونوں مغل زادیاں بعد میں طوائف بن جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک **دلنواز** ہے جو شریفانہ اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے مختلف لوگوں سے وابستہ ہوتی ہوئی بالآخر شیخ عبدالباسط کے یہاں پہنچتی ہے۔ اس دوران اس کی بہن گوہر بھی اس سے ملتی رہتی ہے۔ دونوں بہنوں کی پرورش ایک طوائف کے یہاں ہوئی ہے۔

دلنواز کو اپنا ماضی یاد آتا رہتا ہے اور وہ ہمیشہ اس ماحول سے نکلنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن حالات اسے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے مقابلے میں **مہرو** کا کردار زیادہ اہم ہے، کیونکہ اس کے ذریعے اس عہد کی معاشرتی زندگی کی مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔ تاہم دلنواز اور مہرو دونوں مرکزی کردار نہیں بلکہ مرکزی کردار عندلیب بانو کے لیے ایک تہذیبی اور تاریخی پس منظر کا کام کرتے ہیں۔

عندلیب بانو نواب فاطمہ کی بیٹی ہے۔ نواب فاطمہ کا اصل نام گل رخ بانو ہے اور وہ مرزا دلدار علی، ایک عطر فروش، کی بیٹی ہے۔ گردشِ زمانہ کے ہاتھوں وہ شیخ عبدالباسط کے یہاں ملازمہ کی حیثیت سے پہنچتی ہے۔ جب نواب فاطمہ بڑی ہوتی ہے تو شیخ عبدالباسط کی بہوئیں اپنے شوہروں کی وجہ سے اس سے محتاط ہو جاتی ہیں اور اس کی شادی ایک گھریلو ملازم سے کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ نواب فاطمہ اس ماحول سے فرار ہو کر مہرو کے کوٹھے پر پہنچ جاتی ہے اور زندگی کی مختلف راہوں سے گزرتی ہوئی نواب بائی جے پور والی بن جاتی ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں، 1903ء میں، پرنس ایڈورڈ کی تاج پوشی کے جشن کے موقع پر لاہور میں ایک میوزک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں نواب بائی جے پور والی کو بھی مدعو کیا گیا۔ وہ لاہور ہی میں رہ گئیں۔ بعد میں ایک بہتر زندگی کی تلاش میں وہ آندرے رنیال کے چکر میں آ گئیں، جو اسے ایک بچی کا تحفہ دے کر چلا گیا۔ اس بچی کی کہانی آگے چل کر **عندلیب بانو** کی کہانی بن جاتی ہے۔ دلنواز، مہرو اور نواب فاطمہ مغلیہ تہذیب کی آخری نشانیوں کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ یہ شریف زادیاں زمانے کے ہاتھوں طوائف بننے پر مجبور ہوئیں۔ مہرو نے اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لیا، لیکن دلنواز اور نواب فاطمہ ساری عمر شریفانہ زندگی کے خواب دیکھتی رہیں۔

ناول کا مرکزی کردار عندلیب ہے، جو نواب فاطمہ کی بیٹی ہے۔ اس کی زندگی کے ڈانڈے 1857ء کے آشوب میں پیوست ہیں اور جدید عہد، یعنی بیسویں صدی میں، اپنے ماضی کے ساتھ ایک نئی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ عندلیب کی زندگی

جد وجہد سے عبارت ہے۔ وہ شریفانہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے، لیکن نواب بائی جے پور والی کا سایہ ہمیشہ اس کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ اس طرح اس کا کردار ایک پورے طبقے اور ایک پورے سماج کے زوال کا ترجمان بن جاتا ہے۔ ایک مغل زادی کا طوائف بن جانا محض تاریخ کا ایک واقعہ نہیں بلکہ زوال کے پورے عمل کا تجزیہ بھی ہے۔ عندلیب بانو ایک فرد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پورے سماج کی نمائندہ ہے۔ اس کی بیٹی **عنبرین** اس سے بالکل مختلف نئی نسل کی نمائندگی کرتی ہے۔ عنبرین اپنے ورثے سے فاصلہ پیدا کرنا چاہتی ہے، جب کہ اس کی ماں اپنے ماضی اور تہذیبی ورثے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اس فرق کی وجہ سے ماں اور بیٹی کے درمیان مختلف نوعیت کے تضادات پیدا ہوتے ہیں۔

عنبرین ڈاکٹر منصور سے محبت کرتی ہے، لیکن اس احساس کے ساتھ کہ اسے اپنی ماں کے ماضی اور اس کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ دوسرے جدید کردار بھی اسی نئے عہد کے نمائندے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق اعلیٰ طبقے سے ہے، لیکن **ڈاکٹر منصور کا شغری نچلے** متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور اسے اپنے طبقاتی پس منظر پر کوئی شرمندگی نہیں۔ وہ عنبرین سے محبت کرتا ہے اور شہوار سے بھی متاثر ہوتا ہے، لیکن جب شہوار کی منافقت سامنے آتی ہے تو وہ عنبرین کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس حصے کا اہم کردار **میاں جی** ہیں۔ ان کے ذریعے تصوف کی روایت کی تجدید کی گئی ہے۔ میاں جی ایک جدید صوفی ہیں اور ان کے عقیدت مندوں میں دلشاد علی خان اور کنور مینڈی جیسے لوگ شامل ہیں۔ ان کے کردار میں کراماتی پہلو بھی موجود ہے اور جدید منطقی پہلو بھی۔ امجد طفیل کے خیال کے مطابق قرۃ العین حیدر کی تحریر میں فرد وقت کے پنجے میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے، جب کہ میاں جی کا کردار اس شکنجے سے رہائی کی ایک صورت پیش کرتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرۃ العین حیدر نے اپنی طویل جستجو اور تلاش کے بعد تصوف میں ایک روحانی پناہ تلاش کی اور اپنی شناخت کو روحانیت کے حوالے سے دیکھنے کی کوشش کی۔

میاں جی کی کہانی اصل کہانی سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتی بلکہ کنور دلشاد علی خان، ڈاکٹر منصور، عندلیب، عنبرین اور نگار خانم کے حوالے سے سامنے آتی ہے۔ خصوصاً عنبرین کے میاں جی کے ذریعے روحانی علاج کے سلسلے میں یہ کردار اہم ہو جاتا ہے۔ ''گردشِ رنگِ چمن'' کے کردار زندگی کے مختلف رویوں کی عکاسی کرتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ کہانی کو آگے بڑھانے اور وسیع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ناظمہ نقوی کے مطابق قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں مرکزی خیال اور فضا تک پہنچنے کا ذریعہ واقعات سے زیادہ کردار بنتے ہیں۔ ان کے اکثر کردار سوانحی نوعیت رکھتے ہیں۔

وارث علوی کے خیال میں قرۃ العین حیدر کرداروں کے اندرون میں زیادہ گہرائی سے داخل نہیں ہوتیں بلکہ ان کے اعمال کو بیان کرتی ہیں۔ اس رائے سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ ان کے کردار زندگی ہی سے جنم لیتے ہیں اور زندگی

کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں کرداروں کا ایک ہجوم ضرور ہوتا ہے، لیکن ''گردشِ رنگِ چمن'' میں بھی ایسے کردار موجود ہیں جو اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں اور الگ سے پہچانے جاتے ہیں، مثلاً دلنواز، عندلیب، عنبرین، ڈاکٹر منصور اور کنور دلشاد علی خان۔

قرۃ العین حیدر ایک صاحبِ اسلوب ناول نگار ہیں۔ ان کے ناول نگاری کے سفر کا آغاز ''میرے بھی صنم خانے'' سے ہوا اور یہ ناول اپنی طرز کا ایک نیا تجربہ تھا۔ ان کا شاعرانہ اسلوب ''آگ کا دریا'' سے ہوتا ہوا ''گردشِ رنگِ چمن'' تک اپنی مختلف صورتیں دکھاتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک تخلیقی زبان کی فن کار ہیں۔

''گردشِ رنگِ چمن'' اسلوبِ بیان کے اعتبار سے بھی ایک اہم تجربہ ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان کے مطابق اس ناول میں مختلف اسالیب ایک ساتھ نظر آتے ہیں داستان گوئی کا اسلوب، حقیقت نگاری کا اسلوب اور حقیقت و تخیل کو باہم ملا دینے کا اسلوب۔ اتنے عناصر ایک ہی ناول میں اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ انہیں الگ الگ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے یہاں مشاہدے کی باریک بینی اور دستاویزات کے استعمال کی وجہ سے اسلوب میں ایک خاص گہرائی پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی اشاریت مکمل طور پر علامتی نہیں، لیکن اس میں اتنی معنویت ضرور ہے کہ نازک سے نازک مرحلہ بھی مؤثر انداز میں سامنے آ جاتا ہے اور کرداروں کی نفسیاتی کیفیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ قرۃ العین حیدر انگریزی الفاظ کے استعمال میں فراخ دلی سے کام لیتی ہیں۔ اس پر بعض ناقدین نے اعتراض بھی کیا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے بیشتر کردار جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم یافتہ ہیں۔ اس لیے ان کی زبان میں انگریزی الفاظ اور تراکیب کا استعمال ان کی نفسیاتی اور سماجی حقیقت نگاری میں مدد دیتا ہے۔

رضی عابدی کے مطابق قرۃ العین حیدر آج کے ہندوستان کے اعلیٰ طبقے کی اصل زبان استعمال کرتی ہیں، جس میں اردو، ہندی، فارسی، سنسکرت، انگریزی بلکہ فرانسیسی تک کے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ وہ ان الفاظ کو اس روانی سے استعمال کرتی ہیں کہ ان کی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی اور عبارت کے سیاق سے ان کے معنی بھی واضح رہتے ہیں۔ یہی ان کی تحریر کا ایک اہم فنی کمال ہے۔

قرۃ العین حیدر اکثر اشعار کے حوالے بھی دیتی ہیں اور مصرعوں کو اس طرح روانی سے استعمال کرتی ہیں کہ وہ ان کی زبان کا فطری حصہ محسوس ہونے لگتے ہیں۔ ناظمہ نقوی کے مطابق یہ اشعار اور مصرعے قرۃ العین حیدر کے اسلوب میں اس طرح تحلیل ہو جاتے ہیں کہ روایتی بیان میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے بجائے یہ اشعار خیال انگیز الفاظ اور استعارات کی صورت اختیار کر کے نثر کی طاقت میں اضافہ کرتے ہیں۔

مصنفہ نے دستاویزات کے ساتھ ساتھ تاریخی اشاروں اور علامتوں سے بھی کام لیا ہے۔ اس سے ان کے بیان میں گہری

رمزیت پیدا ہوتی ہے۔ شمیم حنفی کے خیال میں تاریخ سے ماخوذ اشارے، واقعات، مقامات، اشخاص، مدون مصرعے اور محاورے قرۃ العین حیدر کے یہاں ایک تخلیقی اور بھرپور تاثر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے ایک طرف بیان میں ایجاز پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف بغیر غیر ضروری رنگ آمیزی، جذباتیت اور مبالغے کے اظہار میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ''گردشِ رنگِ چمن'' میں قرۃ العین حیدر نے اس انداز سے بھرپور کام لیا ہے۔ ان کے بیان کا یہ ایجاز کبھی مجاز کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور پورے ناول کی وسعت کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کا وسیع مطالعہ اور مشاہدے کی باریک بینی ان کے تخلیقی عمل کا حصہ بن کر ان کے اسلوب کو توانائی عطا کرتی ہے۔ واقعات اور کرداروں کے ذریعے ایک عہد کے خاتمے اور دوسرے عہد کی ابتدا کو چابک دستی سے ایک دوسرے سے ملانا بھی ان کے اسلوب کا حصہ ہے۔

سراج منیر کے مطابق قرۃ العین حیدر کے یہاں تجسیم کے ساتھ ساتھ زیرِ لب گفتگو جیسا انداز بھی ملتا ہے، جس نے ان کی تحریر کو ایسی تازگی اور شگفتگی عطا کی ہے جو وقت گزرنے کے باوجود متاثر نہیں ہوتی۔ ایک ہی فقرے میں کئی معنی اور مختلف سطحوں کو اس طرح برتنا کہ بیک وقت المیہ اور طنزیہ اثر پیدا ہو، ایک غیر معمولی طور پر تربیت یافتہ لسانی تخیل کی شہادت ہے۔

زبان کے اس انداز کا بہترین اظہار مکالموں میں ہوا ہے۔ مکالمے ناول کی فکری اور فلسفیانہ گہرائی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ناظمہ نقوی کے مطابق مکالموں میں جذبے، احساس اور فکر کے ارتکاز کے ساتھ **Wit** کا عنصر بھی نہایت فعال ہے۔ ناول میں فلسفے کا براہِ راست بیان نہیں کیا گیا، لیکن اس کا انداز فلسفیانہ ہے۔ ناول کے کردار اپنی انفرادیت کا اظہار اپنے مکالموں کے تنوع کے ذریعے کرتے ہیں۔ سراج منیر کے خیال میں قرۃ العین حیدر نے لفظوں کے پوشیدہ تعلقات اور ان کی تہذیبی مناسبتوں کو اس ہنرمندی سے برتا ہے کہ اردو میں اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ انہوں نے انگریزی الفاظ کے ساتھ ساتھ برصغیر کی علاقائی زبانوں کے الفاظ کو بھی اپنے اسلوب کا خوب صورت حصہ بنایا ہے۔ ان کی زبان میں ایک خاص وقار ہے۔ وہ جملہ لکھنے اور اسے مکمل کرنے کا فن جانتی ہیں۔ سراج منیر کے مطابق ''گردشِ رنگِ چمن'' میں قرۃ العین حیدر نے نثری فقرے کی ساخت کو اعلیٰ درجے کی غزل کی بندش کے برابر پہنچا دیا ہے۔ ایک لفظ، ایک اشارہ یا کبھی ایک نامکمل فقرہ بھی احساس کے ایک پورے علاقے کو روشن کر دیتا ہے۔ معمولی اشاروں سے بڑے بڑے مسائل اور کئی جہتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ یہ خوبی تہذیبِ باطن میں اترے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

قرۃ العین حیدر کے فن کی انفرادیت کا ایک نمایاں پہلو ان کی زبان ہے، جس میں چستی کے ساتھ تہہ داری اور تنوع بھی موجود ہے۔ ان کے خوب صورت، رواں اور پُرآہنگ جملے خیال کی طرح رواں رہتے ہیں۔ وہ الفاظ کی ایمائی قوت سے ماحول کی

تخلیق کرتی ہیں، واقعیت کا رنگ ابھارتی ہیں اور کہانی کے تار و پود میں موجود فلسفیانہ حقائق کی طرف بھی قاری کی توجہ مبذول کراتی ہیں۔اس عمل میں اظہار کی سطح پر تازگی، نفاست اور نشاط قائم رہتی ہے۔قرۃ العین حیدر کے یہاں **شعور کی رو** کی تکنیک کا نمایاں استعمال ملتا ہے اور ''گردشِ رنگِ چمن'' میں بھی انہوں نے اس تکنیک سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔اگرچہ ناول میں دستاویزات کے ذریعے ٹھوس تاریخی حقائق پیش کیے گئے ہیں، لیکن مختلف واقعات اور سانحات کو ایک دوسرے سے جوڑنے میں شعور کی رو نے اہم کردار ادا کیا ہے۔قرۃ العین حیدر چیزوں کی ظاہری ہیئت کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ماہیت کو داخلی طور پر محسوس کرنے کی عادی ہیں۔ان کی قوتِ بصارت رنگوں، شکلوں اور خطوط کی کیفیت اور ہم آہنگی کو اپنے اندر جذب کرتی ہے، جب کہ قوتِ سماعت آوازوں کی کیفیت، زیر و بم اور داخلی موسیقی پر مرکوز رہتی ہے۔شعور کی رو کی تکنیک کے لیے اس قسم کی حساسیت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔قرۃ العین حیدر نے اس مغربی تکنیک کو بڑی خوبی سے اپنے ناولوں میں استعمال کیا اور اسے مشرقی تہذیبی روایت کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔وقار عظیم کے مطابق اردو ناول نگاروں میں قرۃ العین حیدر نے تکنیک کے اس مغربی انداز کو اپنایا اور اس کے عناصر کو مشرقی روایات میں اس خوبی سے سمویا کہ یہ ان کے فن کا ایک کامیاب نمونہ بن گیا۔ڈاکٹر احسن فاروقی بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ان کے خیال میں قرۃ العین حیدر پہلی ایسی فن کارہ ہیں جنہوں نے اردو ناول کو جدید فن کی خوبیوں سے مالا مال کیا۔وہ نہ صرف شعور کی رو کی تکنیک سے پوری طرح واقف تھیں بلکہ ان کی فطرت بھی اس تکنیک سے مناسبت رکھتی تھی۔

''گردشِ رنگِ چمن'' میں شعور کی رو کے ساتھ ساتھ ایک نمایاں **ڈرامائی عنصر** بھی موجود ہے۔یہ ناول 1857ء سے 1982ء تک کے طویل عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔اس میں ماضی بھی ہے، حال بھی اور حال کا سلسلہ مستقبل تک جا پہنچتا ہے۔یہ کئی نسلوں کی کہانی ہے، لیکن تاریخ، تہذیب اور وقت کا سفر ان تمام نسلوں کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھتا ہے۔ناول کی یہی وسعت اسے محض ایک خاندانی داستان بننے سے بچاتی ہے۔مختلف نسلوں کے کردار اپنے اپنے عہد کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کے ذریعے معاشرتی اور تہذیبی تبدیلیوں کا مطالعہ ممکن ہوتا ہے۔اس طرح فرد کی ذاتی زندگی تاریخ کے وسیع دھارے سے جڑ جاتی ہے۔

قرۃ العین حیدر نے اردو ناول کو ایک نئے معیار سے آشنا کیا۔نیم دستاویزی اور سوانحی نوعیت کے ناول لکھ کر انہوں نے اردو ناول کے موضوعاتی دائرے کو وسعت دی۔تاریخ، وقت اور تہذیب ان کے ناولوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں، لیکن وہ شرر کے روایتی مفہوم میں تاریخی ناول نہیں لکھتیں بلکہ تاریخی شعور کو اپنی تخلیق کی بنیاد بناتی ہیں۔برصغیر کی تہذیبی

تاریخ سے ان کی دلچسپی ''گردشِ رنگِ چمن'' میں جڑوں کی تلاش کا سفر بن جاتی ہے۔ ان کے تمام ناولوں میں عصریت ایک مشترک عنصر ہے۔ ان کے ہاں ایک اور مشترک نکتہ یہ ہے کہ قدریں بدلتی ہیں، معاشرہ بدلتا ہے، لیکن جو چیز مستقل رہتی ہے وہ **کرب کا لمحہ** ہے۔ یہ کرب اس وقت پیدا ہوتا ہے جب فرد کے داخلی جذبات و احساسات، ذہنی تصورات، معاشرتی قدروں اور باہمی رشتوں کے درمیان تصادم پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ اور وقت کی ان دیکھی قوتوں کے سامنے انسان کی بے بسی بھی قرۃ العین حیدر کے فکری نظام کا اہم حصہ ہے۔ ''گردشِ رنگِ چمن'' میں یہ کیفیت پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ اس ناول میں تہذیبی تبدیلی صرف خارجی واقعہ نہیں بلکہ فرد کے باطن کو متاثر کرنے والی قوت بھی ہے۔

''گردشِ رنگِ چمن'' قرۃ العین حیدر کے فن کا ایک اہم اور منفرد نمونہ ہے۔ اس میں تاریخ، تہذیب، وقت، شناخت، زوال، جدیدیت، تصوف، انسانی کرب اور معاشرتی تبدیلی جیسے مختلف موضوعات ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ کوئی ایک موضوع دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنفہ نے تاریخ کو محض واقعات کی فہرست بنانے کے بجائے انسانی زندگی کے تجربے کے طور پر پیش کیا ہے۔ 1857ء کا آشوب، مغلیہ تہذیب کا زوال، جاگیردارانہ معاشرت کی شکست، نوآبادیاتی اثرات، نئی تعلیم، نئی معاشرت، بدلتی ہوئی طبقاتی ساخت، مسلم تشخص کی تلاش اور جدید ہندوستانی معاشرے کی تشکیل یہ تمام عناصر فرد کی زندگی سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ حقیقی اور تخیلی کرداروں کا امتزاج، دستاویزات کا استعمال، زمانی ترتیب میں آگے پیچھے حرکت، شعور کی رو، ڈرامائی عنصر، مکالموں کی فکری گہرائی، شاعرانہ زبان، تاریخی اشارے اور مختلف زبانوں کے الفاظ اس ناول کو فنی اعتبار سے منفرد بناتے ہیں۔

اس کے باوجود ناول کی بعض فنی دشواریاں بھی ہیں۔ کرداروں کی کثرت، واقعات کی زمانی الجھاؤ، روایتی پلاٹ کی عدم موجودگی اور مختلف اسالیب کے امتزاج کی وجہ سے بعض مقامات پر قاری کو کہانی کے تسلسل کو سمجھنے میں دشواری پیش آ سکتی ہے۔ لیکن یہ دشواریاں بڑی حد تک مصنفہ کی مخصوص فنی تکنیک کا نتیجہ ہیں اور ناول کی مجموعی فنی اہمیت کو کم نہیں کرتیں۔ قرۃ العین حیدر کے نزدیک فرد اپنے ماضی، تہذیبی ورثے اور اجتماعی یادداشت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ''گردشِ رنگِ چمن'' میں ماضی بار بار حال میں واپس آتا ہے اور حال اپنے مستقبل کی طرف بڑھتے ہوئے ماضی سے مکالمہ کرتا ہے۔ اس پورے عمل میں انسانی زندگی ایک مسلسل گردش کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ ''گردشِ رنگِ چمن'' کو محض ایک خاندان، ایک طبقے یا چند کرداروں کی داستان قرار دینا اس کے وسیع فکری دائرے کو محدود کرنا ہوگا۔ یہ دراصل **برصغیر کی تہذیبی زندگی، مسلم تشخص، تاریخی شعور، تہذیبی زوال اور انسانی شناخت کی تلاش کا ایک وسیع تخلیقی بیانیہ** ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں تاریخ کو

تخیل، ماضی کو حال اور فرد کو تہذیب سے اس طرح مربوط کیا ہے کہ ''گردشِ رنگِ چمن'' اردو ناول کی تاریخ میں ایک منفرد اور قابلِ قدر مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے یہ ناول قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کے فکری اور فنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے۔ اس میں ان کی وسیع النظری، تاریخ شناسی، تہذیبی شعور، باریک مشاہدہ، زبان و بیان پر قدرت اور جدید ناول کی تکنیکوں سے واقفیت یکجا ہو گئی ہے۔ ان کی یہ کاوش اس بات کی روشن مثال ہے کہ اردو ناول کس طرح تاریخ، تہذیب، انسانی نفسیات اور جدید فنی تکنیک کو ایک ہی تخلیقی وحدت میں سمو سکتا ہے۔

7.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے **قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری** کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کر لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے **جوابات سرگرمی** سے رجوع کیجیے۔

1۔ قرۃ العین حیدر کا مشہور ناول _____ ہے، جس میں ہندوستانی تاریخ، تہذیب اور مختلف ادوار کی عکاسی کی گئی ہے۔

2۔ قرۃ العین حیدر کے ناول **''گردشِ رنگِ چمن''** میں تاریخ کے ساتھ ساتھ _____ زندگی کی عکاسی بھی ملتی ہے۔

3۔ قرۃ العین حیدر کے فنی اسلوب کی ایک اہم خصوصیت _____ تکنیک کا استعمال ہے، جس کے ذریعے ماضی کے واقعات کو حال کے بیان میں شامل کیا جاتا ہے۔

4۔ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری میں **ماضی، حال اور** _____ کے درمیان گہرا رشتہ قائم کیا گیا ہے۔

5۔ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری میں فرد اور _____ کے باہمی تعلق کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

3.3 عمومی جائزہ

اس سبق میں آپ نے **قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری** اور ان کے اہم ناول **''گردشِ رنگِ چمن''** کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ قرۃ العین حیدر اردو ناول کی ان ممتاز اور بااثر فن کاروں میں شمار ہوتی ہیں جنھوں نے ناول کو محض قصہ گوئی اور واقعات کی ترتیب تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے تاریخ، تہذیب، سماج، سیاست، انسانی نفسیات اور فرد کے داخلی مسائل کے اظہار کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ ان

کی ناول نگاری میں ہندوستانی تہذیب و تمدن کے مختلف ادوار، تہذیبی تبدیلیاں، انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں، ہجرت، شناخت کا مسئلہ اور ماضی سے وابستگی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔

اس سبق کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرۃ العین حیدر کا **تاریخی اور تہذیبی شعور** ان کے فن کی بنیادی خصوصیات میں شامل ہے۔ وہ تاریخ کو محض گزرے ہوئے واقعات کا مجموعہ نہیں سمجھتیں بلکہ اسے انسانی زندگی اور اجتماعی حافظے کا اہم حصہ قرار دیتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف تاریخی ادوار، تہذیبی رویے اور معاشرتی تبدیلیاں ان کے کرداروں کی زندگی اور ذہنی کیفیت پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ اس طرح ان کی ناول نگاری میں تاریخ اور زندگی ایک دوسرے سے جدا نہیں رہتے بلکہ باہم مربوط ہو کر ایک جامع فنی منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں۔

"گردشِ رنگِ چمن " کے تنقیدی مطالعے سے آپ نے یہ سمجھا کہ ناول میں تاریخی پس منظر کے ساتھ انسانی اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ ناول کے کردار اپنے عہد کے تہذیبی، سماجی اور تاریخی حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے بدلتے ہوئے معاشرے کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔ اس ناول میں تہذیبی تسلسل، تبدیلی، انسانی رشتوں، اجتماعی یادداشت اور وقت کے اثرات کو فنی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس سبق میں قرۃ العین حیدر کی **کردار نگاری** کا بھی جائزہ لیا گیا۔ ان کے کردار محض واقعات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں بلکہ اپنے عہد، تہذیب اور سماجی ماحول کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے کرداروں میں داخلی کشمکش، جذباتی پیچیدگی، احساسِ تنہائی، تہذیبی وابستگی اور شناخت کے مسائل مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کی زبان و بیان میں شائستگی، ادبی حسن، برجستگی اور تہذیبی رنگ نمایاں ہے۔ وہ مختلف تاریخی اور تہذیبی حوالوں کو اپنی نثر میں اس طرح سمو دیتی ہیں کہ ان کا اسلوب ایک وسیع تہذیبی فضا پیدا کرتا ہے۔

فنی اعتبار سے قرۃ العین حیدر نے **فلیش بیک، زمانی تقدیم و تاخیر، علامت، منظر نگاری، مکالمہ اور مختلف بیانیہ تکنیکوں** سے استفادہ کیا۔ ان تکنیکوں کے ذریعے وہ ماضی کے واقعات کو حال کے تجربات سے مربوط کرتی ہیں اور قاری کو مختلف زمانوں کے درمیان سفر کراتی ہیں۔ یہی فنی تجربات ان کے ناولوں کو روایتی ناول سے ممتاز کرتے ہیں اور اردو ناول میں جدید اسلوب اور تکنیک کے امکانات کو وسیع کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر اس سبق سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ **قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری تاریخ، تہذیب، سماج اور انسانی زندگی کے باہمی رشتوں کی عکاس ہے۔** ان کا ناول **"گردشِ رنگِ چمن "** بھی اسی وسیع فکری اور تہذیبی شعور کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کے مطالعے کے ذریعے آپ نے ناول کے موضوع، پلاٹ، کردار، تاریخی و تہذیبی پس منظر، زبان و اسلوب اور فنی خصوصیات کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اردو ناول کی جدید روایت میں قرۃ العین حیدر کے منفرد مقام کا تنقیدی جائزہ لیا۔

7.5 فرہنگ

۱۔**تاریخی شعور** ـــــ تاریخ کے واقعات، ادوار اور ان کے باہمی تعلق کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت۔

۲۔**تہذیبی شعور** ـــــ کسی معاشرے کی تہذیب، اقدار، روایات، رسم و رواج اور طرزِ زندگی سے آگاہی۔

۳۔**تاریخیت** ـــــ تاریخی واقعات اور ادوار کو ادبی تخلیق میں اہمیت کے ساتھ پیش کرنے کا رجحان۔

۴۔**تہذیب** ـــــ کسی معاشرے کے رہن سہن، اقدار، رسوم، روایات، فنون اور فکری رویوں کا مجموعہ۔

۵۔**ثقافت** ـــــ کسی قوم یا معاشرے کے رسم و رواج، عقائد، فنون، زبان اور طرزِ زندگی کی مجموعی صورت۔

۶۔**فلیش بیک** ـــــ ماضی کے واقعات کو حال کے بیان میں دوبارہ پیش کرنے کی فنی تکنیک۔

۷۔**شعور کی رو** ـــــ کردار کے ذہن میں آنے والے خیالات، یادوں، احساسات اور تاثرات کو مسلسل انداز میں پیش کرنے کی تکنیک۔

۸۔**نفسیاتی تجزیہ** ـــــ کردار کے ذہنی، جذباتی اور باطنی حالات کا گہرا مطالعہ۔

۹۔**نسلی حافظہ** ـــــ کسی خاندان، نسل یا قوم کے اجتماعی ماضی سے وابستہ یادوں اور تجربات کا شعوری یا لاشعوری تسلسل۔

۱۰۔**اجتماعی شعور** ـــــ کسی معاشرے یا گروہ کے مشترکہ خیالات، احساسات، اقدار اور تجربات۔

۱۱۔**ہجرت** ـــــ کسی فرد یا گروہ کا ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف مستقل یا عارضی طور پر منتقل ہونا۔

۱۲۔**نوآبادیاتی نظام** ـــــ کسی طاقتور ملک کا دوسرے ملک یا خطے پر سیاسی، معاشی اور تہذیبی تسلط۔

۱۳۔**تہذیبی تصادم** ـــــ دو مختلف تہذیبوں، اقدار یا معاشرتی نظاموں کے درمیان پیدا ہونے والا اختلاف۔

۱۴۔**تہذیبی ورثہ** ـــــ کسی قوم یا معاشرے سے نسل در نسل منتقل ہونے والی زبان، روایات، اقدار، فنون اور ثقافتی روایات۔

۱۵۔**بین تہذیبی شعور** ـــــ مختلف تہذیبوں کے باہمی تعلق، اختلاف اور اثرات کو سمجھنے کا شعور۔

7.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ **قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات** بیان کرتے ہوئے ان کے فنی و فکری مقام کا تعین کیجئے۔

۲۔ قرۃ العین حیدر کے ناول **"گردشِ رنگِ چمن "** کا موضوعاتی اور فنی مطالعہ پیش کیجیے۔

۳۔ **"گردشِ رنگِ چمن "** میں تاریخی اور تہذیبی شعور کی عکاسی کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۴۔قرۃالعین حیدر کے ناول **"گردشِ رنگِ چمن "**میں ماضی، حال اور مستقبل کے باہمی رشتے کی وضاحت کیجیے۔

۵۔**"گردشِ رنگِ چمن "**کی روشنی میں قرۃالعین حیدر کی کردار نگاری کا جائزہ لیجیے۔

7.7 مشقی سوالات

1۔قرۃالعین حیدر کی ناول نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔**"گردشِ رنگِ چمن "**کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

7.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔آگ کا دریا

2۔انسانی

3۔شعور کی رو

4۔ مستقبل

5۔معاشرہ

1۔قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

قرۃ العین حیدر اردو ادب کی ان ممتاز ناول نگاروں میں شمار ہوتی ہیں جنہوں نے اردو ناول کو تاریخی، تہذیبی اور فکری وسعت عطا کی۔ ان کی ناول نگاری میں ہندوستانی تہذیب و تمدن، تاریخ، معاشرت، انسانی نفسیات، ہجرت، تقسیم ہند اور شناخت جیسے موضوعات نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ان کا تخلیقی شعور صرف اپنے عہد تک محدود نہیں بلکہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک مسلسل تاریخی عمل کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہی وسیع تناظر ان کی ناول نگاری کو منفرد بناتا ہے۔قرۃ العین حیدر کے ناولوں کی سب سے نمایاں خصوصیت **تاریخی اور تہذیبی شعور** ہے۔ وہ تاریخ کو محض سنین، واقعات اور سیاسی تبدیلیوں کا مجموعہ نہیں سمجھتیں بلکہ اسے انسانی زندگی اور تہذیبی ارتقا کے ساتھ جوڑ کر دیکھتی ہیں۔ان کے یہاں مختلف تاریخی ادوار ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں اور انسان ان تاریخی تبدیلیوں کا حصہ بن کر سامنے آتا ہے۔

عینی آپا کی ناول نگاری میں **ہندوستانی تہذیب اور مشترکہ ثقافت** کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مختلف مذاہب، زبانوں، علاقوں اور تہذیبی روایات کے باہمی میل جول سے جو معاشرتی زندگی تشکیل پاتی ہے، اسے قرۃ العین حیدر نے بڑی گہرائی سے پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں تہذیب محض خارجی مظاہر کا نام نہیں بلکہ انسانی رویوں، اقدار، یادداشتوں اور اجتماعی شعور کا مجموعہ ہے۔ان کے فکشن کا ایک اہم موضوع **ہجرت اور تقسیمِ ہند** بھی ہے۔ تقسیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ذہنی، جذباتی اور تہذیبی بے یقینی نے ان کے کرداروں کی زندگی کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ان کے کردار صرف جغرافیائی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتے بلکہ اپنی تہذیبی شناخت اور ماضی سے بھی ایک پیچیدہ رشتہ قائم رکھتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری میں **انسانی شناخت** کا مسئلہ بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے کردار اپنے ماضی، تہذیب، خاندان، وطن اور بدلتے ہوئے معاشرے کے درمیان اپنی شناخت تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں فرد اور تاریخ کا تعلق بار بار سامنے آتا ہے۔

فنی اعتبار سے قرۃ العین حیدر کا اسلوب نہایت **وسیع، متنوع اور تجرباتی** ہے۔ وہ روایتی قصہ گوئی کے ساتھ ساتھ مختلف بیانیہ تکنیکوں سے بھی کام لیتی ہیں۔ تاریخی واقعات، یادداشت، مکالمہ، خط، منظر نگاری اور مختلف تہذیبی حوالوں کو اس طرح باہم مربوط کرتی ہیں کہ ناول کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ ان کی **زبان و بیان** میں بھی خاص انفرادیت ہے۔ ان کے یہاں اردو کے ساتھ فارسی، عربی اور انگریزی الفاظ و تراکیب کا استعمال ملتا ہے۔ مختلف علاقوں اور تہذیبی ماحول کے مطابق زبان کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے۔ ان کی نثر میں شعریت، شائستگی اور فکری گہرائی نمایاں ہے۔

قرۃ العین حیدر کی **کردار نگاری** بھی ان کی ناول نگاری کا اہم وصف ہے۔ ان کے کردار محض کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے عہد، تہذیب اور معاشرت کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ ان کے کرداروں کی داخلی کیفیت، ذہنی کشمکش اور بدلتے ہوئے حالات سے ان کا تعلق بڑی فن کاری سے پیش کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر قرۃ العین حیدر نے اردو ناول کو تاریخ، تہذیب، انسانی شناخت اور اجتماعی شعور سے جوڑ کر اس کے فکری امکانات میں نمایاں اضافہ کیا۔ ان کی ناول نگاری اردو فکشن میں ایک ایسی روایت کی نمائندگی کرتی ہے جس میں ماضی کی تہذیبی یادداشت، حال کے مسائل اور مستقبل کے امکانات ایک ساتھ موجود ہیں۔

2۔ ”گردشِ رنگِ چمن“ کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

”گردشِ رنگِ چمن“ قرۃ العین حیدر کی اہم تخلیقات میں شمار ہوتا ہے۔ اس ناول میں تاریخ، تہذیب، معاشرت اور انسانی زندگی کے باہمی تعلق کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ اس میں تاریخی تبدیلیوں کو انسانی تجربات اور تہذیبی شعور کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے ماضی کے مختلف حوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وقت کے ساتھ معاشرے، اقدار اور انسانی رشتے کس طرح تبدیل ہوتے ہیں۔ ناول میں **تاریخ اور تہذیب** کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرۃ العین حیدر کے نزدیک تاریخ محض ماضی کا قصہ نہیں بلکہ حال کو سمجھنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اسی لیے ناول میں تاریخی واقعات اور تہذیبی تبدیلیاں انسانی زندگی سے الگ دکھائی نہیں دیتیں۔ ناول کا ایک اہم موضوع **تہذیبی تبدیلی اور زوال** ہے۔ پرانی اقدار اور

روایات وقت کے ساتھ کمزور ہوتی دکھائی دیتی ہیں اور ان کی جگہ نئی اقدار جنم لیتی ہیں۔اس تبدیلی کے نتیجے میں انسان ایک طرح کی ذہنی اور تہذیبی بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے۔

قرۃ العین حیدر نے ناول میں **انسان اور تاریخ کے تعلق** کو بھی نمایاں کیا ہے۔تاریخی واقعات انسان کی زندگی پر اثرانداز ہوتے ہیں، لیکن انسان بھی اپنے اعمال اور فیصلوں کے ذریعے تاریخ کا حصہ بنتا ہے۔اس طرح فرد اور تاریخ کا تعلق ایک دوسرے سے مربوط نظر آتا ہے۔

ناول کی ایک اہم خصوصیت **تہذیبی منظر نگاری** ہے۔ مختلف مقامات، معاشرتی رویوں، رسم ورواج، رہن سہن اور تہذیبی مظاہر کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔اس سے ناول کی فضا میں حقیقت اور زندگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

کردار نگاری میں بھی قرۃ العین حیدر نے فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ کردار اپنے انفرادی مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے عہد اور تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان کی ذہنی کیفیت، جذباتی کشمکش اور بدلتے ہوئے حالات سے ان کا تعلق ناول کو معنویت عطا کرتا ہے۔

ناول کی **زبان اور اسلوب** بھی قابلِ توجہ ہے۔قرۃ العین حیدر کی نثر میں شائستگی، شعریت اور فکری گہرائی پائی جاتی ہے۔تاریخی اور تہذیبی موضوعات کے مطابق زبان کا انداز بھی بدلتا رہتا ہے۔یہی اسلوب ناول کے وسیع تہذیبی منظر نامے کو مؤثر بناتا ہے۔

مجموعی طور پر **"گردشِ رنگِ چمن "** ایک ایسا ناول ہے جس میں تاریخ اور تہذیب کے آئینے میں انسانی زندگی کو دیکھا گیا ہے۔اس کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ قاری کو ماضی اور حال کے درمیان تعلق پر غور کرنے اور تہذیبی تبدیلی کے انسانی اثرات کو سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔قرۃ العین حیدر نے اس ناول کے ذریعے اردو ناول کو تاریخی اور تہذیبی شعور کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔

7.9 امدادی کتب

۱۔ گردشِ رنگِ چمن۔قرۃ العین حیدر

۲۔راجہ گدھ۔ بانو قدسیہ

۳۔شب گزیدہ۔ قاضی عبدالستار

۴۔اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ڈاکٹر احسن فاروقی

۵۔ناول کا فن۔ای ایم فارسٹر۔ ترجمہ ابوالکلام قاسمی

۶۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول۔ڈاکٹر یوسف سرمست

۷۔داستان سے افسانے تک۔ وقار اعظیم

۸۔اُردو ناول کی تاریخ و تنقید۔ علی عباس حسینی
۹۔ادبی تخلیق اور ناول۔احسن فاروقی
۱۰۔قرۃ العین حیدر کا فن۔عبدالمغنی
۱۱۔اُردو ناول بیسویں صدی میں۔عبدالسلام
۱۲۔ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول۔ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۳۔ تفہیم و تعبیر۔ڈاکٹر محمد ریاض احمد

سبق نمبر ۸۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری اور ''راجہ گدھ'' کا تنقیدی جائزہ

ساخت

8.0 اغراض و مقاصد

8.1 تعارف

8.2 بانو قدسیہ کی ناول نگاری

8.2.0 ''راجہ گدھ'' کا تنقیدی جائزہ

8.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

8.4 عمومی جائزہ

8.5 فرہنگ

8.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

8.7 مشقی سوالات

3.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

8.9 امدادی کتب

8.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ **بانو قدسیہ کی ادبی شخصیت، ناول نگاری اور اردو ادب میں ان کے منفرد مقام** سے واقف ہو سکیں گے۔ آپ بانو قدسیہ کے فکری رجحانات، تخلیقی شعور اور ان کے ناولوں میں پیش کیے گئے سماجی، اخلاقی، تہذیبی اور نفسیاتی مسائل کو سمجھ سکیں گے۔ آپ ان کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات، بالخصوص **کردار نگاری، نفسیاتی تجزیے، علامت نگاری، مکالمہ نگاری، زبان واسلوب اور فلسفیانہ فکر** کا جائزہ لے سکیں گے۔ اس کے علاوہ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ بانو قدسیہ نے انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل، اخلاقی کشمکش، محبت، جنس، روحانیت، گناہ وثواب اور انسانی خواہشات کو کس طرح اپنے فکشن کا موضوع بنایا۔

اس سبق کے ذریعے آپ بانو قدسیہ کے معروف ناول **"راجہ گدھ "** کے موضوع، پلاٹ، کرداروں، فکری جہات اور فنی خصوصیات کا تفصیلی مطالعہ کر سکیں گے۔ آپ ناول میں **حلال وحرام، اخلاقی اقدار، انسانی خواہشات، نفسیاتی کشمکش، محبت، جنسی جذبات اور روحانی زندگی** کے باہمی تعلق کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ بھی تجزیہ کر سکیں گے کہ بانو قدسیہ نے انسانی کرداروں کے ذریعے اخلاقی زوال اور باطنی انتشار کو کس طرح پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ "راجہ گدھ" میں موجود **علامتی نظام، گدھ کی علامت، حیوانی اور انسانی فطرت کے تعلق** اور اس کے فکری مفہوم کا تنقیدی مطالعہ کر سکیں گے۔

آپ ناول کے کرداروں کے ذریعے انسانی نفسیات کی پیچیدگی، خواہشات اور اخلاقی فیصلوں کے اثرات کا جائزہ لے سکیں گے اور یہ سمجھ سکیں گے کہ بانو قدسیہ کس طرح فرد کے داخلی مسائل کو وسیع تر معاشرتی اور اخلاقی تناظر سے مربوط کرتی ہیں۔ اس سبق کے اختتام پر آپ **"راجہ گدھ "** کو محض ایک عشقیہ یا سماجی ناول کے بجائے ایک ایسے فکری اور علامتی ناول کے طور پر دیکھ سکیں گے جس میں انسانی زندگی، اخلاق، روحانیت اور معاشرتی اقدار کے اہم سوالات زیرِ بحث آتے ہیں۔

8.1 تعارف

اردو ناول کی تاریخ میں **بانو قدسیہ** کا نام ایک ایسی ممتاز اور منفرد ناول نگار کی حیثیت سے لیا جاتا ہے جنہوں نے انسانی زندگی کے ظاہری واقعات کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی، نفسیاتی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ ان کی تحریروں میں فرد کی داخلی کشمکش، محبت، تنہائی، خواہش، اخلاقی اقدار، مذہبی احساس، روحانی تجربہ اور معاشرتی رویے ایک

دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا فکشن قاری کو صرف واقعات سے آگاہ نہیں کرتا بلکہ اسے انسانی زندگی کے بنیادی سوالات پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔

بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں **نفسیاتی بصیرت** کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے خارجی اعمال کے ساتھ ان کے اندرونی احساسات، ذہنی الجھنوں، خواہشات اور محرومیوں کا بھی مطالعہ کرتی ہیں۔ ان کے کردار مکمل طور پر اچھے یا برے نہیں بلکہ انسانی کمزوریوں اور تضادات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کردار نگاری میں زندگی کی پیچیدگی اور انسانی فطرت کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

بانو قدسیہ کے فنی اسلوب میں **علامت اور تمثیل** کا استعمال بھی اہم ہے۔ وہ بعض اوقات کسی کردار، واقعے یا شے کو وسیع تر انسانی اور اخلاقی مفہوم کا حامل بنا دیتی ہیں۔ ان کے ہاں مذہبی اور روحانی تصورات بھی محض وعظ یا نصیحت کی صورت میں سامنے نہیں آتے بلکہ کرداروں کی زندگی اور ان کے تجربات کے ذریعے ان کی معنویت واضح ہوتی ہے۔ ان کی زبان سادہ، رواں، بامعنی اور مکالماتی ہے، جب کہ بعض مقامات پر فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں **"راجہ گدھ "** کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ناول انسانی فطرت، اخلاقی اقدار، حلال و حرام، خواہشات اور روحانی زندگی کے باہمی تعلق کو موضوع بناتا ہے۔ ناول کے کرداروں اور واقعات کے ذریعے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ انسان کی اخلاقی زندگی اس کے باطن اور اس کے اعمال پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ **گدھ** کی علامت کے ذریعے انسانی حرص، اخلاقی انحطاط اور مردار کی طرف رغبت جیسے تصورات کو معنوی وسعت دی گئی ہے۔

"راجہ گدھ " کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں محبت اور انسانی تعلقات کو محض جذباتی سطح پر نہیں دیکھا گیا بلکہ انہیں اخلاقی اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ کرداروں کے درمیان تعلقات، ان کی خواہشات، فیصلے اور داخلی کشمکش ناول کے فکری ڈھانچے کو تشکیل دیتے ہیں۔ اس طرح بانو قدسیہ نے انسانی زندگی کے جذباتی، سماجی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے ایک ایسی فضا پیدا کی ہے جس میں قاری کو کرداروں کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے اور اپنی ذات پر بھی غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اس سبق میں پہلے **بانو قدسیہ کی ناول نگاری** کا مطالعہ کیا جائے گا، جس میں ان کی ادبی شخصیت، فکری رجحانات، موضوعات اور فنی خصوصیات پر گفتگو ہو گی۔ اس کے بعد **"راجہ گدھ" کا تنقیدی جائزہ** پیش کیا جائے گا، جس میں اس کے

موضوع، پلاٹ، کردار نگاری، نفسیاتی تجزیے، علامت نگاری، زبان واسلوب اور فکری واخلاقی پہلوؤں کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے گا۔اس طرح آپ بانو قدسیہ کے فن اور ''راجہ گدھ'' کی اردو ناول کی روایت میں اہمیت کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

8.2 بانو قدسیہ کی حیات اور ناول نگاری

بانو قدسیہ ۲۸ر نومبر ۱۹۲۸ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئیں۔اپنی پیدائش کے بارے میں بانو قدسیہ کا ایک انٹرویو ملاحظہ ہوں:

> ''۲۸ر نومبر ۱۹۲۸ء فیروز پور شہر کے ایک اسپتال میں پیدا ہوئی۔ جس کا اس وقت مجھے نام یاد نہیں، میں نے سنا ہے کہ جب میں پیدا ہوئی تو اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور ملٹری بینڈ چلنے لگ گیا تھا۔ وہاں پر ایک جوتشی بیٹھا تھا۔ کہتا ہے کہ اس لمحے اس اسپتال میں کوئی بھگت پیدا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات کسی اور سے منسوب ہو لیکن میں نے اس بات کو خود سے منسوب کر لیا اور مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔''

بانو قدسیہ کا سفرِ حیات و فن (انٹرویو)، مشمولہ ماہنامہ: قومی ڈائجسٹ، لاہور، دسمبر ۱۹۹۰، ص ۴۳۔

والدہ نے ان کا نام قدسیہ بانو رکھا تھا لیکن ادب میں وہ بانو قدسیہ کے نام سے معروف ہوئیں۔ بانو قدسیہ کے والد کا نام بدر الزماں اور والدہ کا نام ذاکرہ چٹھہ تھا۔اس کا تعلق جاٹ خاندان کی چٹھہ شاخ سے ہے۔ان کے والد ایک گورمنٹ فارم کے ڈائریکٹر تھے ۔ بانو قدسیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبے میں حاصل کی۔ماں کے خیال میں وہ ساتوں جماعت تک کوئی ذہین طالبہ نہ تھیں کیونکہ ابتدائی عمر میں گھر پر انہیں کسی بزرگ مرد کی سرپرستی بھی حاصل نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے باطن میں شدید احساسِ کمتری پیدا ہو گئی۔ لیکن خوش قسمتی سے ان کی زندگی میں ایک انقلابی تبدیلی کا سبب پیدا ہو گیا۔ وہ کہتی ہیں:

> ''ساتویں جماعت میں میری ملاقات ایک ہندوستانی بزرگ سے ہوئی۔ جن کی سرپرستی نے میرے انداز کی دنیا بدل دی، میں اپنے خول سے بتدریج باہر نکلتی گئی۔ میں اپنی نظروں میں بلند ہو گئی اور میرے اندر کسی قدر اعتماد پیدا ہو گیا۔آٹھویں جماعت میں اول آئی۔ دسویں میں بھی اول آئی''۔

میٹرک کے بعد بانو قدسیہ کا تعلیم جاری رکھنے کا سلسلہ تشویش ناک صورت حال کا شکار ہو گیا۔ دھرمسالہ میں لڑکیوں

کے لیے علیٰحدہ کالج نہیں تھا وہاں مخلوط تعلیم کی بنا پر بانو قدسیہ کے بھائی ان کی مزید تعلیم کے حق میں نہ تھے۔ جبکہ لڑکیوں کا کالج صرف لاہور میں تھا۔ ان حالات میں ان کی والدہ انھیں مزید پڑھانا چاہتی تھیں اور اپنی آنکھوں سے دور لاہور بھیجنا بھی نہ چاہتی تھیں۔ ایسے میں بانو قدسیہ کی صاحب بصیرت والدہ نے دانشمندی کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے کچھ تعلیم یافتہ روشن خیالات کے مالک والدین کی معاونت سے دھرمسالہ میں ہی لڑکیوں کا ایک کالج کھول لیا جس میں دوسری بہت سی لڑکیوں کے ساتھ ساتھ بانو قدسیہ بھی تعلیم حاصل کرنے لگیں۔

بانو قدسیہ کو بچپن سے ہی کہانیاں لکھنے کا شوق تھا اور پانچویں جماعت سے انھوں نے باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ایک ڈرامے سے کیا تھا جو انھوں نے اپنے اسکول کے ایک ڈرامافیسٹول کے لئے لکھا تھا۔ جس پر ان کو فرسٹ پرائز ملا اس حوصلہ افزائی کے بعد وہ دسویں جماعت تک افسانے اور ڈرامے ہی لکھتی رہیں۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور گئیں۔ بانو قدسیہ کی ایک خالہ لاہور میں رہتی تھیں۔ ۱۹۴۹ء میں انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔اے اردو کیا۔ یہاں اشفاق احمد ان کے ہم جماعت تھے دونوں کی مشترکہ دلچسپی ادب پڑھنا اور لکھنا تھا۔ طویل عرصے تک وہ اپنی کہانیوں کی اشاعت پر توجہ نہ دے پائیں اور ایم۔اے اردو کرنے کے دوران اشفاق احمد کی حوصلہ افزائی پر ان کا افسانہ ''داماندگی شوق''اس وقت کے ایک مشہور ادبی جریدے ''ادب لطیف''میں شائع ہوا۔ یہ ان کا پہلا اور شہرت یافتہ افسانہ تھا۔ اس میں سماج کے ایک اہم مسئلے کو پیش کیا گیا ہے۔ قدامت اور جدت کا تصادم اس کا موضوع ہے۔

بانو قدسیہ سیدھی سادی مذہبی روایات کی پابند اور مغربی اقدار سے دور ایک گھریلو خاتون ہیں۔ جدید تعلیم سے آراستہ ہونے کے باوجود سادہ طرزِ زندگی کی قائل ہیں۔ مگر ادبی میدان میں بڑی دقیق النظر ہیں اور اپنے افسانوں، ناولوں اور ڈراموں میں زندگی کے ہر پہلو کا اس باریک بینی سے مشاہدہ کرتی ہیں کہ جزئیات نگاری میں ایک خاص مقام کی حامل قرار پاتی ہیں۔ اپنی خوبیوں پر سے وہ خود پردہ اٹھاتی ہیں:

> ''میں ایک ادنیٰ سی ادیب ہوں۔ مشاہدے کے عمل سے گزر کر جو کچھ تخیل کے چوکھٹے پر فٹ کر سکتی ہوں وہاں تصویر سجا دیتی ہوں۔ میں کوئی ریفارمر نہیں ہوں کیونکہ ابلاغ کا تعلق تو جرنلزم سے ہے۔ ادیب کو ابلاغ کی فکر نہیں ہوتی۔ ایک ادیب یا افسانہ نگار معاشرے کا نباض ہوتا ہے۔ آج کے ادب کو جانچنے کے لیے وقت درکار ہے کیونکہ ادب کی اہمیت کافی وقت گزر جانے کے بعد ہی پتا چلتی ہے۔''

بانو قدسیہ شخصیت اور فن از عفت افضل حیدر آباد ۲۰۰۳، ص

۴۸

بانو قدسیہ نے افسانوں، ناولوں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے علاوہ تقریباً ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ ان کے دو مشہور ناول بھی ہیں۔ ایک ''شہر بے مثال''(۱۹۶۷)اور دوسرا ''راجہ گدھ''۔ ۱۹۸۱ء میں شائع ہونے والا ان کا ناول ''راجہ گدھ'' بانو قدسیہ کی اصل شہرت کا باعث بنا۔ موضوع کے لحاظ سے یہ ناول ہمارے معاشرے کے مسائل کا ایک ایسا تجزیہ ہے جو اسلامی روایت کے عین مطابق ہے۔ اس ناول میں انھوں نے رزق حلال کی اہمیت اور رزق حرام کے اثرات کو واضع کیا ہے۔

بانو قدسیہ نے ۲۷ کے قریب ناول، کہانیاں، اور ڈرامے لکھے۔ ''راجہ گدھ'' کے علاوہ ''بازگشت''، ''کچھ اور نہیں''، ''امر بیل''، ''دوسرا دروازہ''، ''تمثیل''، ''حاصل گھاٹ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انھیں ۲۰۰۳ء میں ''ستارۂ امتیاز'' اور ۲۰۱۰ء میں ''ہلالِ امتیاز'' سے نوازا ہے۔ اس کے علاوہ ٹی۔ وی ڈراموں پر انھوں نے کئی ایوارڈ اپنے نام کئے۔ بانو قدسیہ وفات سے پہلے دس روز سے لاہور کے اسپتال میں زیرِ علاج تھیں اور آخر کار دنیائے ادب کا یہ چراغ ۴ر فروری ۲۰۱۷ء میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بُجھ گیا۔

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنے منفرد انداز سے اس عہد کے دیگر ناول نگاروں میں اپنے لئے راستہ بنایا۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں کئی سماجی، تہذیبی، معاشرتی، اور معاشی تحریروں کا جائزہ لیا اور ان کا ماہرانہ تجزیہ پیش کیا۔ ان کا شمار ایک سنجیدہ اور گہری سوچ رکھنے والے تخلیق کاروں کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

بانو قدسیہ کی ناول نگاری

بانو قدسیہ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا اور بعد ازاں ناولٹ اور ناول کی طرف متوجہ ہوئیں۔ انہوں نے ڈراما نگاری میں بھی طبع آزمائی کی، تاہم انہیں سب سے زیادہ شہرت ناول نگاری کے حوالے سے حاصل ہوئی۔ بالخصوص ان کا ناول ''راجہ گدھ'' ان کی ادبی شناخت کا نمایاں حوالہ بن گیا۔ ان کے معروف ناولٹوں اور ناولوں میں ''ایک دن''، ''پروا''، ''موم کی گلیاں''، ''حاصل گھاٹ'' اور ''شہرِ بے مثال'' قابل ذکر ہیں۔ ان کی بعض مختصر تخلیقات ابتدا میں رسالہ ''داستان گو'' میں قسط وار شائع ہوتی رہیں۔ بعد میں قارئین کی پسند اور مقبولیت کے پیش نظر ان میں سے بعض ناولٹوں کو یکجا کر کے ''چہار چمن'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ ان تخلیقات میں زندگی کے مختلف تجربات، انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں، معاشرتی مسائل اور فرد کی داخلی کشمکش کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ حجم کے اعتبار سے یہ مختصر تخلیقات ہیں، لیکن ان میں زندگی کے

وسیع تجربات اور انسانی نفسیات کے مختلف پہلو سموئے ہوئے ہیں۔ بعض اہلِ فن نے فنی ساخت کے اعتبار سے انہیں ناول کے بجائے ناولٹ قرار دیا ہے، تاہم صنفی اختلاف سے ان کی ادبی اہمیت اور افادیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

بانو قدسیہ کی تخلیقی شخصیت اور ان کے فکشن کو سمجھنے کے لیے ان کے مخصوص تصورِ حیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی نگاہِ مشاہدہ کے پس پشت ایک ایسا فکری نظام موجود ہے جس میں رومانیت، نفسیات، مذہب اور روحانیت کے عناصر باہم پیوست نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں محبت محض ایک جذباتی جذبے کے طور پر سامنے نہیں آتی بلکہ اس میں ایثار، قربانی، وفاداری اور ذمہ داری کے عناصر بھی شامل ہیں۔ وہ انسانی تعلقات کو محض جسمانی یا جذباتی سطح پر نہیں دیکھتیں بلکہ ان کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو بھی اہمیت دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار اکثر داخلی کشمکش، احساسِ جرم، محبت، محرومی اور اخلاقی فیصلوں کی پیچیدہ صورتِ حال سے گزرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بانو قدسیہ کرداروں کے ظاہری اعمال کے ساتھ ان کے باطن اور نفسیاتی کیفیت کو بھی سامنے لاتی ہیں، جس سے ان کے کردار زیادہ جاندار اور حقیقت سے قریب محسوس ہوتے ہیں۔

بانو قدسیہ اردو فکشن کی ان اہم تخلیق کاروں میں شامل ہیں جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ادبی دنیا میں اپنی منفرد شناخت برقرار رکھی۔ ان کے افسانوں اور ناولوں میں رومان اور تصوف کا ایسا امتزاج دکھائی دیتا ہے جو ان کے فنی اسلوب کو دوسرے فکشن نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کی تخلیقات میں ایک مخصوص رومانوی فضا ابتدا سے آخر تک قائم رہتی ہے، تاہم یہ رومان صرف عشق و محبت تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کے مختلف جذباتی، اخلاقی اور روحانی تجربات سے مربوط ہے۔ ان کے فکشن میں جنسی حقیقت نگاری، انسانی ہمدردی، معاشرتی ناہمواری، طبقاتی مسائل، معاشرتی منافقت اور اخلاقی زوال جیسے موضوعات بھی جگہ پاتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انسانی نفسیات اور معاشرتی زندگی کا گہرا مشاہدہ رکھتی تھیں۔ مسلسل محنت، ادب سے وابستگی اور تخلیقی جستجو نے انہیں اردو ادب میں ایک ممتاز مقام عطا کیا۔ ان کے اسلوب اور فکری انداز سے متاثر ہونے والے بہت سے نئے لکھنے والے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

بانو قدسیہ کی تخلیقی شخصیت پر اشفاق احمد کی رفاقت اور فکری ماحول کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلو ان کی تخلیقات میں منعکس ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا افسانہ ''واماندگیٔ شوق'' رسالہ ''ادبِ لطیف'' میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ان کی متعدد تصانیف منظر عام پر آئیں جن میں ''راجہ گدھ''، ''امر بیل''، ''دوسرا قدم''، ''حاصل گھاٹ''، ''دوسرا دروازہ'' اور ''آسے پاسے'' جیسی تخلیقات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ممتاز مفتی نے بانو قدسیہ کی شخصیت کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کی ظاہری شخصیت سادہ دکھائی دیتی ہے، لیکن اس کے اندر فکری اور تخلیقی رنگوں کی ایک وسیع دنیا آباد ہے۔ یہی داخلی

تنوع ان کی شخصیت اور فن دونوں کو کشش عطا کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی ادبی شناخت اس قدر مستحکم ہوئی کہ وہ صرف اپنے نام سے نہیں بلکہ ''بانو آپا'' کے محبت بھرے نام سے بھی جانی جانے لگیں۔

ناول کی فنی کامیابی میں کردار نگاری بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کرداروں ہی کے ذریعے واقعات آگے بڑھتے ہیں اور انسانی جذبات، خیالات اور رویوں کا اظہار ہوتا ہے۔ پریم چند نے بھی ناول کو انسانی کردار کی مصوری قرار دیتے ہوئے اس امر پر زور دیا تھا کہ انسان کے کردار اور اس کے پوشیدہ اسرار کو آشکار کرنا ناول کا اہم مقصد ہے۔ بانو قدسیہ کے ناولوں میں کردار اسی فنی تصور کی عملی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر کردار کسی غیر معمولی یا خیالی دنیا سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ عام زندگی کے مسائل میں گھرے ہوئے انسان ہیں۔ وہ معاشرتی، معاشی، جذباتی اور نفسیاتی مسائل کا سامنا کرتے ہیں اور انہی مسائل کے ذریعے ان کی شخصیت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ بانو قدسیہ کی کردار نگاری کا اہم وصف یہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو محض واقعات کا حصہ نہیں بناتیں بلکہ ان کے باطن، نفسیاتی کشمکش اور جذباتی کیفیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔

عورت کے کردار کو بھی بانو قدسیہ نے اپنے مخصوص زاویۂ نظر سے پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں عورت کا تصور محض احتجاج یا بغاوت پر مبنی نہیں بلکہ وہ اسے خاندان اور معاشرے کے مجموعی نظام کا اہم حصہ سمجھتی ہیں۔ ان کے نزدیک مرد اور عورت ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے معاون اور تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ بانو قدسیہ کے نسوانی کردار اپنے مسائل، جذبات اور محرومیوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں، تاہم وہ معاشرتی اقدار اور خاندانی نظام کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ اس اعتبار سے ان کی نسوانی فکر جدید مغربی نسوانیت کے بعض تصورات سے مختلف نظر آتی ہے۔ وہ عورت کے احترام اور مقام کو تسلیم کرتے ہوئے اسے معاشرتی ذمہ داریوں کے ساتھ مربوط کرتی ہیں۔

بانو قدسیہ کے فکشن میں تصوف اور روحانیت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تخلیقات میں انسانی زندگی کے مسائل کو صرف مادی یا سماجی سطح پر نہیں دیکھا گیا بلکہ ان کے روحانی اور اخلاقی اسباب پر بھی غور کیا گیا ہے۔ تصوف کے حوالے سے ان پر قدرت اللہ شہاب کے اثرات کا ذکر بھی ملتا ہے اور انہوں نے قدرت اللہ شہاب کی شخصیت و فکر سے متعلق ''مردِ ابریشم'' جیسی تحریر بھی پیش کی۔ ان کے معروف ناول ''راجہ گدھ'' میں حلال و حرام کا تصور اسی روحانی اور اخلاقی فکر کا نمایاں اظہار ہے۔ اس ناول میں حرام رزق کو انسانی شخصیت کے اخلاقی اور روحانی زوال سے جوڑا گیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک انسان کے اعمال اور اس کے رزق کے ذرائع اس کی باطنی کیفیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جب فرد اخلاقی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اس کے اثرات اس کی شخصیت کے ساتھ ساتھ معاشرے پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

''راجہ گدھ'' میں انسانی تخلیق، فکری ارتقا، جنسی نفسیات، تہذیب، مذہب، اخلاق اور تصوف جیسے مختلف موضوعات ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ بانو قدسیہ انسانی مسائل کے حل کو محض مادی یا نفسیاتی نظریات تک محدود نہیں کرتیں بلکہ روحانی زندگی کو بھی بنیادی اہمیت دیتی ہیں۔ ناول کے کردار اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کے نتائج سے فرار حاصل نہیں کر پاتے بلکہ ان کی داخلی کشمکش اور احساسِ جرم انہیں مسلسل اپنے احتساب کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح یہ کردار محض انفرادی شخصیتیں نہیں رہتے بلکہ اجتماعی معاشرتی رویوں اور اخلاقی صورتِ حال کی علامت بن جاتے ہیں۔

''راجہ گدھ'' میں حلال و حرام کے تصور کو پرندوں کی تمثیل کے ذریعے بھی واضح کیا گیا ہے۔ گدھ اس حوالے سے ایک اہم علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ گدھ کا مردار سے خوراک حاصل کرنا ایسے انسان کی علامت قرار پاتا ہے جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ اس کے مقابل بعض دوسرے پرندے پاکیزگی، محنت اور بلند اخلاقی اقدار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پرندوں کی یہ تمثیلی دنیا دراصل انسانی معاشرے کے مختلف رویوں کی عکاسی کرتی ہے۔ اس طرح بانو قدسیہ نے حلال و حرام کے تصور کو محض مذہبی حکم کے طور پر نہیں بلکہ انسانی اخلاق، نفسیات اور معاشرتی زندگی سے وابستہ کر کے پیش کیا ہے۔ ناول کا بنیادی فکری رجحان یہ ہے کہ انسان جتنا روحانی اور اخلاقی اقدار سے دور ہوتا جائے گا، اس کی داخلی اور خارجی زندگی میں اتنا ہی انتشار پیدا ہو گا۔

بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں رومانویت اور روحانیت کا امتزاج ایک ایسی فضا پیدا کرتا ہے جو ان کی تخلیقات کو منفرد بناتا ہے۔ ''راجہ گدھ'' اسی امتزاج کی سب سے نمایاں مثال ہے۔ اس ناول میں محبت اور انسانی جذبات کے ساتھ مذہب، اخلاق، تصوف اور روحانیت کے سوالات بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔ یہی فکری وسعت اسے محض ایک رومانی داستان بننے سے روکتی ہے اور اسے انسانی زندگی کے بنیادی مسائل سے بحث کرنے والی تخلیق میں تبدیل کر دیتی ہے۔

اسلوب کے اعتبار سے بھی بانو قدسیہ کی نثر میں سادگی، روانی اور برجستگی نمایاں ہے۔ وہ پیچیدہ خیالات کو نسبتاً آسان زبان میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان کی تحریر میں قصہ پن موجود ہے جس کی وجہ سے قاری مسلسل کہانی کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ جدید شہری زندگی اور تعلیم یافتہ طبقے کی عکاسی کے لیے ان کے ہاں بعض انگریزی الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ یہ طرزِ اظہار کرداروں کے معاشرتی پس منظر اور ماحول کو حقیقت سے قریب کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان کی زبان نہ تو غیر ضروری طور پر ثقیل ہے اور نہ ہی مصنوعی؛ بلکہ روزمرہ زندگی کے قریب ہونے کی وجہ سے قاری پر فوری اثر ڈالتی ہے۔

مکالمہ نگاری بھی بانو قدسیہ کے فنی کمالات میں شامل ہے۔ ناول میں مکالمہ محض گفتگو کا ذریعہ نہیں بلکہ کرداروں کی

شخصیت، ذہنی کیفیت اور فکری رویوں کو ظاہر کرنے کا ایک اہم وسیلہ ہوتا ہے۔ بانو قدسیہ کے مکالمے کرداروں کے سماجی پس منظر اور نفسیاتی کیفیت کے مطابق تشکیل پاتے ہیں اور اکثر کہانی کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ کردار کے باطن کو بھی آشکار کرتے ہیں۔ ''شہرِ بے مثال'' میں انوری اور رشو کے درمیان ہونے والی گفتگو اس حوالے سے قابل توجہ ہے۔ انوری کے شہر سے گاؤں جانے، خاندان کی مرضی سے شادی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے بسی کے اظہار سے عورت کی معاشرتی صورتِ حال اور اس کے داخلی اضطراب کو نمایاں کیا گیا ہے۔ رشو کی گفتگو کے ذریعے بھی اس معاشرے کی تصویر سامنے آتی ہے جہاں عورت سے اطاعت، خدمت اور خاموشی کی توقع کی جاتی ہے۔ انوری کے آنسو اور اس کی جذباتی کیفیت اس مکالمے کو محض گفتگو نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے ایک گہری نفسیاتی اور جذباتی صورت عطا کرتی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو بانو قدسیہ اردو فکشن کی ایک اہم اور منفرد تخلیق کار ہیں۔ انہوں نے افسانے، ناولٹ، ناول اور ڈرامے سمیت مختلف اصناف میں اپنے تخلیقی جوہر کا اظہار کیا اور اپنی مخصوص فکری جہت اور اسلوب کے باعث ایک مستقل ادبی شناخت قائم کی۔ ان کے یہاں محبت، رومان، انسانی نفسیات، معاشرتی مسائل، مذہبی اقدار، اخلاقی کشمکش اور روحانی تجربات ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کردار نگاری میں گہرا مشاہدہ، نفسیاتی بصیرت اور زندگی سے قربت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے مرکزی کرداروں کے ساتھ ساتھ ضمنی کرداروں کو بھی مناسب اہمیت دیتی ہیں اور مکالمے، واقعہ نگاری اور نفسیاتی تجزیے کے ذریعے ان کے خدوخال واضح کرتی ہیں۔ ان کا حکایتی اور سادہ اسلوب پیچیدہ فکری مباحث کو بھی قاری کے لیے قابلِ فہم اور دل چسپ بنا دیتا ہے۔

بانو قدسیہ کی ادبی عظمت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے معاشرتی مسائل کو محض خارجی سطح پر بیان نہیں کیا بلکہ ان کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں پر بھی غور کیا۔ ان کے فکشن میں انسان اپنی خواہشات، کمزوریوں، محبتوں، محرومیوں اور گناہوں کے ساتھ موجود ہے اور مسلسل اپنے باطن سے مکالمہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی داخلی جہت ان کے فن کو محض قصہ گوئی سے بلند کر کے فکری اور نفسیاتی سطح عطا کرتی ہے۔ اگرچہ بانو قدسیہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں، تاہم ان کی افسانہ نگاری اور ناول نگاری نے اردو ادب پر جو گہرے نقوش ثبت کیے ہیں وہ دیر تک قائم رہیں گے۔ ان کی تخلیقات آنے والے زمانوں میں بھی انسانی زندگی، اخلاق، محبت، روحانیت اور معاشرتی اقدار کے حوالے سے مطالعے اور بحث کا موضوع بنی رہیں گی۔ اسی اعتبار سے بانو قدسیہ کا نام اردو فکشن کی تاریخ میں ایک ایسے تخلیق کار کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جس نے رومانویت، روحانیت، نفسیات اور معاشرتی شعور کو اپنے منفرد اسلوب میں یکجا کر کے اردو ناول کو ایک مخصوص فکری اور فنی شناخت عطا کی۔

8.2.0 ''راجہ گدھ'' کا تنقیدی جائزہ

ناول ''راجہ گِدھ'' ۱۹۸۱ میں شائع ہوا جس کا موضوع ہجرت کے ساتھ ساتھ رزقِ حلال و حرام بھی ہے۔ بانو قدسیہ نے اپنے اس ناول میں، مرکزی کردار قیوم کے حوالے سے ہجرت کرنے والوں کے مسائل اور ان کی نفسیات کی کہانی پیش کی ہے۔ قیوم اپنے سرسبز و شاداب ''چندر اگاؤں'' سے ہجرت کر کے لاہور آیا تھا تاکہ وہ اپنے مستقبل کو شان دار اور تابناک بنا سکے۔ اس کا اپنا گاؤں چندر اکچھ عرصہ پہلے تک ایک ہرا بھرا خوش حال گاؤں تھا۔ کھیت فصلوں سے بھرپور ہوتے تھے اور گھر عورتوں اور بچوں سے اور مویشیوں سے آباد رہتا تھا۔ لیکن تقسیم ہند کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کا گاؤں اُجڑ گیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسرے محفوظ علاقوں میں ہجرت کر گئے۔ زیادہ تر لوگ اپنے گھروں کو یوں ہی کھلا چھوڑ کر چلے گئے تھے کیونکہ اب ان کے گھروں میں ایسا کچھ نہیں بچا تھا جسے لوٹا جا سکے یا جس کی چوری کا ڈر ہو۔ بانو قدسیہ نے اس اجڑے گاؤں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

> ''سارا گاؤں بے آباد پڑا تھا، کسی آنگن سے دُھواں اٹھ رہا تھا لیکن گلیاں سونی پڑی تھیں بہت سے کچے پکے گھروں کے دروازے، جانے والے مکینوں کی یاد میں کھلے پڑے تھے اب ان گھروں میں چرانے کو بھی کچھ نہ تھا۔''
>
> راجا گِدھ؛ ص۔ ۱۸۰، شان ہند پبلیکیشنز دریا گنج نئی دہلی۔

بانو قدسیہ نے اپنے ناول راجا گدھ میں پاکستانی سماج میں پھیلی ہوئی بد عنوانیوں کا پردہ فاش کیا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا لیکن پاکستان کے حریص اور خود غرض لوگ وہ سارے کام کر رہے تھے جنہیں کرنے سے دین اسلام نے منع کیا ہے۔ اسی لئے بعض لوگوں کے نزدیک ناول ''راجا گدھ'' کا اصل موضوع ''رزقِ حلال و حرام'' ہے جسے بانو قدسیہ نے بڑی جرت مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ خود بانو قدسیہ نے ایک انٹرویو میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ اس ناول کا موضوع رزقِ حرام اور حلال کا مسئلہ ہے۔ نیلم فرزانہ نے اپنی کتاب ''اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار'' میں ہو بہو اس انٹرویو کو نقل کیا ہے:

سوال: ''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ''راجہ گدھ کا مرکزی خیال رزقِ حلال کے اسلامی تصور

سے عبارت ہے۔ انفرادی سطح پر معاشرہ اخلاقی اور روحانی زوال سے اس لیے دوچار ہے کہ رزقِ حرام کو فروغ مل رہا ہے۔''

جواب: ''جی ہاں اس ناول کا بنیادی خیال یہی ہے۔ میں سمجھتی ہوں استدلال کی سطح پر ہی سہی لیکن ہمارے لئے اہل مغرب کو رزقِ حلال کی اہمیت سمجھانا اور قائل کرنا ممکن نہیں۔ مذہب کے بہت سے احکامات ایسے ہیں جن کا ادراک محال ہے۔ اسی لئے ادب میں ماننے کا مقام ہے، جاننے کا نہیں۔۔۔۔۔ میں نے اپنے ناول میں یہی کہنا چاہا ہے کہ اگر ہم مغرب کے اثرات سے نکل کر رزقِ حلال کے عادی ہو جائیں تو صرف اسی ایک تبدیلی کے زیر اثر ہماری معاشرتی زندگی سے تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں کیونکہ انسانی زندگی میں ان تمام بے چینیوں کا سبب جو بالآخر لوگوں کو جرائم اور خودکشی کی طرف مائل کرتا ہے رزق حرام ہے میں نے ناول میں رزق حرام کے مختلف روپ دکھائے ہیں۔ زنا بھی اسی کا ایک روپ ہے جو انسان کو آخر کار مایوسی اور ناکامی کے اندھیرے میں دھکیل دیتا ہے۔''

انٹرویو۔ مشمولہ، اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار از نیلم فرزانہ، ص ۳۰۹

''راجا گدھ'' کی کہانی کا آغاز تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے نام نہاد اسلامی معاشرے میں پھلنے پھولنے والی برائیوں کی نشاندہی سے ہوتا ہے۔ پاکستان کی نوجوان نسل مادہ پرستی کی طرف راغب ہے۔ اسے دنیاوی عیش و آرام کی طلب ہے اور اس کے لئے وہ جائز اور ناجائز کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس ناول میں پاکستان کے زوال پزیر سماج کی کہانی آفتاب، سیمی شاہ اور قیوم کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ یہ تینوں ہم جماعت ہیں اور ایک دوسرے سے بے تکلف بھی ہیں۔ ان تین کرداروں کو ناول میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن قیوم کا کردار ان میں سب سے نمایاں ہے اور صحیح معنوں میں قیوم ہی پاکستان کے نئے سماج کا ''راجا گِدھ'' ہے۔ آفتاب ایک ذہین اور پُرکشش نوجوان ہے۔ ابتدا میں آفتاب سیمی شاہ سے عشق کرتا ہے لیکن پھر جب اس کا دل سیمی شاہ سے بھر جاتا ہے تو وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے اور ایک دوسری لڑکی سے شادی کر کے لندن چلا جاتا ہے۔ قیوم

پہلے سے ہی سیمی شاہ کی محبت میں گرفتار تھا۔ لیکن آفتاب اور سیمی شاہ کی محبت سے آگاہ ہونے کی وجہ سے وہ خاموش تماشائی بنا رہتا ہے۔ لیکن جب آفتاب لندن چلا جاتا ہے تو قیوم، سیمی شاہ کا ہمدرد اور غم گسار ہونے کا ناٹک کر کے اس کے ساتھ قریبی تعلق قائم کر لیتا ہے۔ سیمی شاہ اپنی سادگی میں، قیوم کے فریب کو سمجھ نہیں پاتی ہے اور قیوم بڑی چالاکی سے سیمی شاہ کا جنسی استحصال بھی کرتا ہے۔ سیمی شاہ آفتاب کی بے وفائی سے اتنی بد دل ہو چکی تھی کہ اسے اپنا جسم کیا اپنی زندگی کی بربادی کی بھی کوئی فکر نہیں ہوتی ہے اور قیوم کسی ''راجا گِدھ'' کی طرح اس کے جسم کو نوچتا رہتا ہے۔ لیکن آخر کار راجا گدھ قیوم کا حشر بھی عبرتناک ہوتا ہے۔

بانو قدسیہ نے اس ناول میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مذہب کے نام پر جذباتی مسلمان رہنماؤں نے ہندوستان کے دو ٹکڑے کر کے پاکستان بنا تو لیا لیکن پاکستان بنے کے بعد قیوم جیسے حریص اور مادہ پرست لوگ مجبور اور ستائے ہوئے لوگوں کا استحصال کرتے رہے گِدھوں کی طرح انہیں نوچتے رہے۔ راجا گدھ میں بانو قدسیہ نے تبلیغ تو نہیں کی ہے لیکن قارئین کو یہ ضرور باور کروایا ہے کہ پاکستان ہو یا کوئی اور سماج اس کی مثبت تعمیر و تشکیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس سماج، یا ملک کے لوگ جائز اور ناجائز، حرام اور حلال کے فرق کا شعور نہیں حاصل کر لیں گے۔ ڈاکٹر غلام محی الدین سالک کے مطابق:

> ''بانو قدسیہ نے راجا گدھ میں جو اختیار کیا ہے وہ اس دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ انہوں نے پُر وقار تخلیقی زبان استعمال کی ہے جس میں نہ ثقیل الفاظ ہیں اور نہ بوجھل فقرے بلکہ اس میں تہہ داری اور حسن و اثر کی دلکشی نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''راجا گدھ'' فضا بندی ماحول آفرینی اور بے مثال انداز بیان کی وجہ سے عوام و خواص میں بے حد پسند کیا گیا۔ اس ناول کا زمانہ تقسیم ہند (۱۹۴۷) کے بعد کا زمانہ ہے۔ راجا گِدھ کے تمام کردار جو زبان بولتے ہیں اور جن اشیا کا ذکر کرتے ہیں اس سے مادہ پرست معاشرے کی تصویر واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔''

ہندو پاک کی خواتین ناول نگار، ڈاکٹر محی الدین سالک، ص۔ ۲۱۷، شاہد پبلی کیشنز دریا گنج نئی دہلی، ۲۰۰۸۔

مجموعی طور پر ''راجہ گدھ'' میں قیام پاکستان کے بعد نچلے اور متوسط طبقے کے لوگوں کی شکستگی کی تصویر کشی نئے انداز میں کی ہے۔ مذہب کی بنیاد پر وجود میں آنے والے پاکستان میں کس طرح مذہب کے نام پر عوام کا استحصال کیا جاتا رہا

ہے بانو قدسیہ نے اپنے ناول میں اس کا حقیقت پسندانہ اظہار کیا ہے۔ مصنفہ نے انسان کو کرگھس یعنی گدھ سے تشبیہ دی ہے۔ کبھی کبھی انسان اپنے اندر گدھ کے اوصاف پیدا کر لیتا ہے۔ جس طرح گدھ مردار (مرے ہوئے جانور) کو کھاتا ہے، نوچتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان اپنے سے کمزور انسانوں کی مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان کو اس ناول میں گدھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بانو قدسیہ نے ہماری زندگیوں پر حرام اور حلال رزق سے مرتب ہونے والے اثرات کے تصور کی وضاحت بہت عمدہ طریقے سے کی ہے۔ میری رائے میں مصنفہ بانو قدسیہ نے اپنے ناول ًراجہ گدھ میں معاشرے کے منفی رویوں پر روشنی ڈالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس نفسا نفسی کے دور میں ہر انسان اپنی زندگی میں Short Cuts ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے اور محنت سے دور بھاگتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت اور اس سے خریدا ہوا رزق، حرام ہو جاتا ہے۔ ہم وہی رزق کھا رہے ہیں۔ ہم پر اور ہماری آنے والی نسلوں پر اس کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

8.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ وطالبات!

آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ **بانو قدسیہ کی ناول نگاری** کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کر لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے **جوابات سرگرمی** سے رجوع کیجیے۔

1۔ بانو قدسیہ کے سب سے زیادہ شہرت یافتہ ناول کا نام _____ ہے۔

2۔ بانو قدسیہ کے ایک اور معروف ناول کا نام _____ ہے، جس میں انسانی رشتوں اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

3۔ بانو قدسیہ کے ایک مشہور ناولٹ کا نام _____ ہے۔

8.4 عمومی جائزہ

بانو قدسیہ اردو فکشن کی ان ممتاز تخلیق کاروں میں شمار ہوتی ہیں جنھوں نے ناول اور افسانے کے ذریعے انسانی زندگی کے **نفسیاتی، اخلاقی، سماجی، تہذیبی اور روحانی** مسائل کو موضوع بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں فرد کی داخلی کشمکش، محبت، خواہش، تنہائی، رشتوں کی پیچیدگی، اخلاقی اقدار اور روحانی جستجو بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ انسانی کردار کو صرف اس کے ظاہری اعمال کی بنیاد پر نہیں

دیکھتیں بلکہ اس کے باطن، احساسات، ذہنی اضطراب اور اخلاقی فیصلوں کے پس منظر کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے فکشن میں نفسیاتی تجزیے اور فکری گہرائی کا نمایاں امتزاج ملتا ہے۔

بانو قدسیہ کے ناولوں میں **انسان اور معاشرے کے باہمی تعلق** کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے کردار اپنے معاشرتی ماحول، خاندانی روایات، تہذیبی اقدار اور اخلاقی پابندیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ بدلتے ہوئے معاشرے میں فرد کی شناخت، جذبات اور اقدار کے مسائل کو فنی انداز میں پیش کرتی ہیں۔ ان کے یہاں محبت محض رومانوی جذبہ نہیں بلکہ انسانی شخصیت، اخلاق اور روحانی زندگی سے وابستہ ایک پیچیدہ تجربہ بن جاتی ہے۔

ان کی ناول نگاری کی ایک اہم خصوصیت **علامت نگاری** ہے۔ وہ مختلف کرداروں، اشیا اور واقعات کو وسیع تر معنوی مفاہیم سے وابستہ کرتی ہیں۔ ان کے ہاں مذہبی، اخلاقی اور صوفیانہ تصورات بھی فکشن کے اندر علامتی اور تمثیلی انداز میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی علامتی انداز ان کی تحریروں کو سطحی واقعاتی بیان سے بلند کر کے فکری اور معنوی وسعت عطا کرتا ہے۔

بانو قدسیہ کا معروف ناول **"راجہ گدھ "** ان کے فنی اور فکری شعور کی اہم مثال ہے۔ اس ناول میں انسانی خواہشات، اخلاقی زوال، حلال و حرام، محبت، جنسی کشمکش، نفسیاتی اضطراب اور روحانی اقدار جیسے موضوعات کو باہم مربوط کیا گیا ہے۔ ناول کے کردار اپنے جذبات اور خواہشات کے ساتھ ساتھ اخلاقی فیصلوں کے نتائج سے بھی دوچار ہوتے ہیں۔ اس طرح ناول انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتا ہے جہاں خواہش، اخلاق اور روحانیت ایک دوسرے سے متصادم نظر آتے ہیں۔

"راجہ گدھ " میں گدھ ایک اہم علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ گدھ مردار کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس لیے اسے انسانی حرص، اخلاقی انحطاط اور ناپاک یا حرام ذرائع کی طرف رغبت کے علامتی مفہوم سے جوڑا گیا ہے۔ اس علامت کے ذریعے مصنفہ نے انسانی کردار اور اخلاقی رویوں کے درمیان تعلق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناول کا فکری نظام اسی علامتی تصور کے گرد کئی سطحوں پر تشکیل پاتا ہے۔

بانو قدسیہ کی **کردار نگاری** بھی ان کے فن کا اہم وصف ہے۔ ان کے کردار یک رخے اور جامد نہیں بلکہ مختلف جذبات، خواہشات، کمزوریوں اور ذہنی الجھنوں کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ کرداروں کی داخلی دنیا کو ان کے مکالموں، اعمال، احساسات اور نفسیاتی کشمکش کے ذریعے نمایاں کرتی ہیں۔ اس طرح قاری کرداروں کے ظاہری رویوں کے ساتھ ان کے باطن سے بھی واقف ہوتا ہے۔

ان کی **زبان واسلوب** میں سادگی، روانی اور برجستگی کے ساتھ فکری اور فلسفیانہ رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ وہ مکالمے کو محض گفتگو کا ذریعہ نہیں بناتیں بلکہ اس کے ذریعے کرداروں کی ذہنی کیفیت اور فکری موقف کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ بعض مقامات پر ان کا اسلوب صوفیانہ اور روحانی رنگ اختیار کرتا ہے، جب کہ بعض مقامات پر معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کا تجزیہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں **عورت اور مرد کے تعلقات**، محبت اور ازدواجی زندگی کے مسائل بھی اہم موضوعات ہیں۔ وہ انسانی رشتوں میں موجود کشمکش، وابستگی، محرومی اور جذباتی پیچیدگیوں کو نمایاں کرتی ہیں۔ ان کے کردار اکثر ایسے فیصلوں کے سامنے آتے ہیں جہاں ذاتی خواہش اور سماجی یا اخلاقی ذمہ داری کے درمیان انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ یہی کشمکش ان کے فکشن کو نفسیاتی گہرائی عطا کرتی ہے۔

مجموعی طور پر بانو قدسیہ کی ناول نگاری **نفسیاتی بصیرت، اخلاقی شعور، روحانی فکر، علامت نگاری، کردار نگاری اور تہذیبی احساس** کا امتزاج ہے۔ انہوں نے انسانی زندگی کے ظاہری واقعات کے ساتھ اس کے باطنی مسائل کو بھی اہمیت دی اور ناول کو فرد کے اخلاقی، نفسیاتی اور روحانی تجربات کے اظہار کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ **"راجہ گدھ "** اسی فکری اور فنی روایت کا نمایاں نمونہ ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بانو قدسیہ کے نزدیک انسانی زندگی صرف خواہشات اور مادی ضرورتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ اخلاق، روحانیت، ذمہ داری اور باطن کی پاکیزگی بھی انسانی وجود کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

8.5 فرہنگ

۱۔ **ناول** نثری ادب کی وہ صنف جس میں زندگی کے واقعات، کرداروں اور معاشرتی حالات کو تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

۲۔ **فکشن** تخیلی نثر پر مبنی ادب، جس میں ناول اور افسانہ وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ **تہذیب** کسی معاشرے کے رہن سہن، اقدار، رسم و رواج اور فکری رویوں کا مجموعہ۔

۴۔ **تاریخی شعور** ماضی کے واقعات اور ان کے اثرات کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت۔

۵۔ **تاریخی ناول** ایسا ناول جس میں تاریخی واقعات، شخصیات اور ادوار کو تخلیقی انداز میں پیش کیا جائے۔

۶۔ **کردار نگاری** ناول کے کرداروں کی شخصیت، عادات، جذبات اور نفسیاتی کیفیات کی فنکارانہ عکاسی۔

۷۔ **مکالمہ نویسی** کرداروں کے درمیان گفتگو کو فنی اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کا فن۔

۸۔ **منظر نگاری** مقامات، مناظر اور ماحول کی ایسی لفظی تصویر کشی جس سے قاری کے سامنے پورا منظر ابھر آئے۔

۹۔ **فضا سازی** کسی واقعے، مقام یا عہد کے مخصوص ماحول کو فنکارانہ انداز میں پیدا کرنا۔

۱۰۔رومانویت محبت، حسن، جذبات اور تخیل کو اہمیت دینے والا فکری و ادبی رجحان۔

۱۱۔روحانیت انسانی زندگی کے باطنی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے متعلق تصور۔

۱۲۔تصوف روحانی پاکیزگی، معرفت اور خدا سے قرب حاصل کرنے کا فکری و روحانی نظام۔

۱۳۔داخلیت انسان کی داخلی کیفیات، جذبات اور باطنی احساسات کو اظہار کا مرکز بنانا۔

۱۴۔نفسیات انسانی ذہن، جذبات، خواہشات اور رویوں کا مطالعہ۔

۱۵۔داخلی کشمکش انسان کے اندر مختلف خواہشات، جذبات یا خیالات کے درمیان پیدا ہونے والا تضاد۔

۱۶۔جاگیر دارانہ نظام زمین اور سماجی اقتدار پر مبنی ایسا معاشرتی نظام جس میں جاگیر دار طبقہ غالب ہو۔

۱۷۔تہذیبی زوال کسی تہذیب کی روایات، اقدار اور معاشرتی نظام کے کمزور یا منتشر ہونے کا عمل۔

۱۸۔معاشرتی تغیر معاشرے کے حالات، اقدار، رویوں اور نظام میں رونما ہونے والی تبدیلی۔

۱۹۔شناخت فرد یا قوم کے تشخص اور اپنی تہذیبی و سماجی پہچان کا احساس۔

۲۰۔ارضیت کسی مخصوص خطے، زمین، ماحول اور مقامی تہذیب سے گہرا تعلق۔

۲۱۔علامت کسی خیال یا تصور کو کسی کردار، شے، واقعے یا منظر کے ذریعے ظاہر کرنا۔

۲۲۔معنی آفرینی الفاظ، واقعات اور کرداروں کے ذریعے نئے اور گہرے معانی پیدا کرنے کی صلاحیت۔

۲۳۔اسلوب کسی ادیب کے مخصوص طرزِ اظہار اور زبان و بیان کا انفرادی انداز۔

8.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری کے فکری و فنی امتیازات پر روشنی ڈالتے ہوئے **"راجہ گدھ "** کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3۔ **"راجہ گدھ "**میں حلال و حرام، روحانیت اور انسانی نفسیات کے باہمی تعلق کو واضح کیجیے۔

8.7 مشقی سوالات

۱۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری کے **فکری اور فنی خصوصیات** کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۲۔ بانو قدسیہ کے ناول **"راجہ گدھ "** کے موضوع اور بنیادی فکر پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

۳۔ **"راجہ گدھ "**میں انسانی نفسیات، اخلاقی کشمکش اور روحانی اقدار کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۴۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں **علامت نگاری** کی اہمیت واضح کیجیے اور "راجہ گدھ" کی روشنی میں بحث کیجیے۔

۵۔ **"راجہ گدھ "** کے اہم کرداروں کی کردار نگاری کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

8.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

۱۔ راجہ گدھ

۲۔ راجہ گدھ

۳۔ امر بیل

سوال ۱۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری کے فکری اور فنی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

بانو قدسیہ اردو فکشن کی ممتاز ناول نگاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں انسانی زندگی کے سماجی، نفسیاتی، اخلاقی، تہذیبی اور روحانی مسائل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ وہ انسان کو صرف خارجی حالات کے حوالے سے نہیں دیکھتیں بلکہ اس کے

باطن، جذبات، خواہشات، ذہنی کشمکش اور اخلاقی فیصلوں کا بھی گہرا مطالعہ کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں انسانی شخصیت کی پیچیدگیاں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔

بانو قدسیہ کے فکری موضوعات میں محبت، انسانی رشتے، اخلاقی اقدار، گناہ و ثواب، حلال و حرام، روحانیت، جنس، تنہائی اور انسانی خواہشات اہم ہیں۔ ان کے یہاں فرد اور معاشرے کا تعلق بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ دکھاتی ہیں کہ معاشرتی اقدار، خاندانی روایات اور اخلاقی پابندیاں فرد کی شخصیت اور اس کے فیصلوں پر کس طرح اثرانداز ہوتی ہیں۔

ان کی ناول نگاری کا ایک اہم وصف نفسیاتی بصیرت ہے۔ وہ کرداروں کے ذہنی اور جذباتی حالات کو بڑی گہرائی سے پیش کرتی ہیں۔ کرداروں کی خواہشات، محرومیاں، خوف، محبت، اضطراب اور احساسِ گناہ ان کے باطن کی تشکیل کرتے ہیں۔ اس طرح کردار محض واقعات کا حصہ نہیں رہتے بلکہ مکمل انسانی شخصیت بن کر سامنے آتے ہیں۔ فنی اعتبار سے بانو قدسیہ نے کردار نگاری، مکالمہ نگاری، علامت نگاری، منظر نگاری اور نفسیاتی تجزیے سے مؤثر طور پر کام لیا ہے۔ ان کی زبان سادہ، رواں اور بامعنی ہے۔ مکالمے کرداروں کی ذہنی کیفیت اور فکری موقف کو واضح کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں کہیں فلسفیانہ اور کہیں صوفیانہ رنگ بھی نمایاں ہوتا ہے۔

علامت نگاری ان کے فن کا ایک اہم پہلو ہے۔ وہ بعض کرداروں اور اشیا کو وسیع تر فکری مفہوم عطا کرتی ہیں۔ ''راجہ گدھ'' میں گدھ اسی علامتی نظام کی نمایاں مثال ہے۔ بانو قدسیہ نے اس علامت کے ذریعے انسانی حرص، اخلاقی زوال اور حرام و حلال کے تصور کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو بعض مقامات پر بانو قدسیہ کے فکر میں وعظ اور فلسفیانہ گفتگو کا عنصر فنی بہاؤ پر غالب محسوس ہوتا ہے، تاہم ان کی نفسیاتی بصیرت، کردار نگاری، علامتی انداز اور انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل سے گہری وابستگی ان کے فن کو منفرد بناتی ہے۔ مجموعی طور پر بانو قدسیہ نے اردو ناول کو نفسیاتی، اخلاقی اور روحانی فکر سے مالا مال کیا اور اردو ناول نگاری میں ایک مستقل اور نمایاں مقام حاصل کیا۔

سوال ۲۔ بانو قدسیہ کے ناول ''راجہ گدھ'' کے موضوع اور بنیادی فکر پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

''راجہ گدھ'' بانو قدسیہ کا معروف اور اہم ناول ہے جس میں انسانی زندگی کے اخلاقی، نفسیاتی اور روحانی مسائل کو بنیادی موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول میں محبت، انسانی خواہشات، اخلاقی اقدار، حلال و حرام، گناہ، روحانیت اور انسانی کردار کے مختلف پہلوؤں کو باہم مربوط کیا گیا ہے۔ ناول کی بنیادی فکر یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس کے اخلاقی اعمال اور انتخاب سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ انسان جب اپنی خواہشات کو اخلاقی اصولوں پر ترجیح دیتا ہے تو اس کے باطن میں اضطراب اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ''راجہ

گدھ ''انسانی خواہش اور اخلاقی ذمہ داری کے درمیان کشمکش کی داستان بھی ہے۔ناول میں محبت کو بھی ایک پیچیدہ انسانی تجربے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کردار محبت، خواہش اور سماجی و اخلاقی پابندیوں کے درمیان الجھتے نظر آتے ہیں۔ان کے فیصلے ان کی داخلی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔اس طرح محبت محض رومانوی جذبہ نہیں رہتی بلکہ اخلاقی اور نفسیاتی مسئلہ بن جاتی ہے۔

ناول کا ایک اہم فکری پہلو حلال و حرام کا تصور ہے۔ بانو قدسیہ انسانی زندگی میں جائز اور ناجائز ذرائع کے اثرات کو اہمیت دیتی ہیں اور یہ سوال اٹھاتی ہیں کہ انسان کے اعمال اس کی شخصیت اور روحانی کیفیت کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔

ناول کا عنوان بھی اپنے اندر گہری علامتی معنویت رکھتا ہے۔ گدھ ایک ایسا پرندہ ہے جو مردار کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ناول میں یہ انسانی حرص، اخلاقی گراوٹ اور ناپاک خواہشات کی علامت بن جاتا ہے۔اس طرح عنوان پوری ناول کی بنیادی فکر سے مربوط ہو جاتا ہے۔

مجموعی طور پر ''راجہ گدھ ''ایک ایسا فکری ناول ہے جس میں انسانی زندگی کے جذباتی، نفسیاتی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو یکجا کیا گیا ہے۔ بانو قدسیہ نے اس کے ذریعے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان کی حقیقی کامیابی صرف مادی آسائش میں نہیں بلکہ اخلاقی پاکیزگی، روحانی اطمینان اور درست انسانی اقدار میں بھی پوشیدہ ہے۔

سوال ۳۔ ''راجہ گدھ ''میں انسانی نفسیات، اخلاقی کشمکش اور روحانی اقدار کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

''راجہ گدھ'' کی نمایاں خصوصیات میں انسانی نفسیات کا گہرا مطالعہ شامل ہے۔ بانو قدسیہ نے کرداروں کی داخلی کیفیات، خواہشات، محرومیوں، محبت، خوف، اضطراب اور احساسِ گناہ کو بڑی باریکی سے پیش کیا ہے۔ان کے کردار بیرونی حالات کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بھی ایک مسلسل کشمکش سے گزرتے ہیں۔ناول میں اخلاقی کشمکش بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ کردار اپنی خواہشات اور اخلاقی اصولوں کے درمیان فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بعض کردار اپنی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ بعض اخلاقی اور روحانی اقدار کی پاس داری کی کوشش کرتے ہیں۔یہی اختلاف ان کے کردار اور انجام پر اثر انداز ہوتا ہے۔

بانو قدسیہ انسانی خواہشات کو فطری حقیقت کے طور پر تسلیم کرتی ہیں، لیکن ان کے بے قابو ہو جانے کے نتائج بھی سامنے لاتی ہیں۔ محبت، جنس، دولت، خواہش اور خود غرضی جب اخلاقی حدود سے تجاوز کرتی ہیں تو انسان ذہنی اضطراب اور روحانی بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے۔ناول میں روحانی اقدار بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ مذہب، اخلاق، حلال و حرام، پاکیزگی اور باطنی اطمینان جیسے

تصورات کرداروں کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ بانو قدسیہ کے نزدیک انسان کی تکمیل صرف مادی کامیابی سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے باطن کی پاکیزگی اور اخلاقی شعور بھی ضروری ہے۔

گدھ کی علامت کے ذریعے بھی انسانی نفسیات اور اخلاقی زندگی کے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ جس طرح گدھ مردار کی طرف راغب ہوتا ہے، اسی طرح انسان بھی بعض اوقات اپنی ناپاک خواہشات اور ناجائز مفادات کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس علامت میں انسانی باطن کے ایک تاریک پہلو کی نمائندگی ملتی ہے۔ اس طرح ''راجہ گدھ'' میں نفسیات، اخلاق اور روحانیت ایک دوسرے سے الگ موضوعات نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ ناول انسانی کردار کے ذریعے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ خواہشات کے مقابلے میں اخلاقی شعور کس طرح انسان کی شخصیت اور زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔

سوال ۴۔ بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں علامت نگاری کی اہمیت واضح کیجیے اور ''راجہ گدھ'' کی روشنی میں بحث کیجیے۔

بانو قدسیہ کی ناول نگاری میں علامت نگاری کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ وہ بعض اشیا، کرداروں اور واقعات کو محض ظاہری حیثیت میں پیش نہیں کرتیں بلکہ ان کے ذریعے وسیع تر فکری اور معنوی تصورات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اس طرزِ اظہار سے ان کے ناولوں میں معنوی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔

''راجہ گدھ'' میں گدھ سب سے اہم اور مرکزی علامت ہے۔ گدھ عام طور پر مردار کھانے والا پرندہ سمجھا جاتا ہے۔ بانو قدسیہ نے اس خصوصیت کو انسانی اخلاق اور خواہشات کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ گدھ انسانی حرص، اخلاقی زوال، ناپاک خواہشات اور ناجائز ذرائع کی طرف میلان کی علامت بن جاتا ہے۔ ناول کے عنوان ''راجہ گدھ'' میں بھی اسی علامتی مفہوم کی وسعت موجود ہے۔ ''راجہ'' اقتدار اور برتری کا احساس پیدا کرتا ہے، جب کہ ''گدھ'' اخلاقی گراوٹ اور مردار خوری کی علامت ہے۔ دونوں الفاظ کا امتزاج انسانی شخصیت کے ایک ایسے تضاد کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں ظاہری برتری کے باوجود باطنی سطح پر اخلاقی زوال موجود ہو سکتا ہے۔

بانو قدسیہ کی علامت نگاری کا مقصد صرف خوب صورت اندازِ بیان پیدا کرنا نہیں بلکہ انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل کو گہرے معنوی انداز میں پیش کرنا ہے۔ حلال و حرام، اخلاقی پاکیزگی، خواہش، گناہ اور روحانی زوال جیسے تصورات کو علامتوں کے ذریعے زیادہ مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

تاہم علامت نگاری کے ساتھ ساتھ ناول میں براہِ راست فکری اور فلسفیانہ گفتگو بھی موجود ہے، جس کے باعث بعض مقامات پر علامتی اظہار کی تہہ داری کم محسوس ہو سکتی ہے۔اس کے باوجود ''راجہ گدھ'' میں علامت کا استعمال ناول کی بنیادی فکر کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

سوال ۵۔ ''راجہ گدھ'' کے اہم کرداروں کی کردار نگاری کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

''راجہ گدھ'' کی کامیابی میں اس کے کرداروں کی اہمیت بنیادی ہے۔ بانو قدسیہ نے کرداروں کو محض واقعات کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ ان کے ذریعے انسانی نفسیات، محبت، خواہش، اخلاقی کشمکش اور روحانی مسائل کو نمایاں کیا ہے۔ ناول کے کردار مختلف ذہنی اور اخلاقی رویوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

قیسر اناول کا ایک اہم کردار ہے۔اس کے کردار کے ذریعے محبت، جذباتی وابستگی اور انسانی خواہشات کی پیچیدگیوں کو پیش کیا گیا ہے۔اس کی شخصیت میں جذباتی اضطراب اور داخلی کشمکش نمایاں ہے۔ قیسر اکی زندگی کے تجربات ناول کی فکری سمت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

آفتاب ایک تعلیم یافتہ اور ذہین کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔اس کی شخصیت میں جدید تعلیم، ذہنی صلاحیت اور جذباتی و اخلاقی مسائل کا امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ وہ انسانی زندگی کے مختلف تقاضوں اور خواہشات کے درمیان کشمکش کی نمائندگی کرتا ہے۔

سیمیں کا کردار بھی ناول میں اہم ہے۔اس کے ذریعے محبت، جذباتی تعلق اور انسانی خواہشات کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔اس کا کردار عورت کے جذبات، تعلقات اور سماجی و اخلاقی ماحول کے باہمی اثرات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

امامہ ناول کے روحانی اور اخلاقی پہلو کی نمائندگی کرنے والا اہم کردار ہے۔اس کے کردار کے ذریعے مذہبی شعور، اخلاقی اقدار اور روحانی زندگی کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ وہ ان کرداروں کے مقابل ایک مختلف اخلاقی اور روحانی نقطۂ نظر پیش کرتی ہے جو خواہشات اور مادی زندگی میں زیادہ الجھے ہوئے ہیں۔

ناول کے مختلف کردار مجموعی طور پر انسانی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کسی کردار میں محبت اور خواہش غالب ہے، کسی میں عقل و دانش، کسی میں جذباتی اضطراب اور کسی میں اخلاقی و روحانی شعور۔اس طرح بانو قدسیہ نے کرداروں کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف رویوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھا ہے۔

بانو قدسیہ کی کردار نگاری کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہ کرداروں کی باطنی دنیا کو اہمیت دیتی ہیں۔ان کے جذبات، خیالات، خواہشات اور ذہنی کشمکش کرداروں کو نفسیاتی گہرائی عطا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''راجہ گدھ'' کے کردار محض قصے کے عناصر نہیں بلکہ

ناول کی فکری ساخت کے بنیادی ستون بن جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر ''راجہ گدھ'' کی کردار نگاری بانو قدسیہ کی نفسیاتی بصیرت کی عکاس ہے۔ کرداروں کے ذریعے انسانی خواہش، محبت، اخلاق، گناہ اور روحانیت کے مسائل کو پیش کیا گیا ہے اور یہی کردار ناول کے مرکزی فکری تصور کو واضح کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

9.9 امدادی کتب

۱۔ حاصلِ گھاٹ۔ بانو قدسیہ
۲۔ راجہ گدھ۔ بانو قدسیہ
۳۔ امر بیل۔ بانو قدسیہ
۴۔ اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی
۵۔ ناول کا فن۔ ای ایم فارسٹر۔ ترجمہ ابوالکلام قاسمی
۶۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول۔ ڈاکٹر یوسف سرمست
۷۔ داستان سے افسانے تک۔ وقار اعظیم
۸۔ اُردو ناول کی تاریخ و تنقید۔ علی عباس حسینی
۹۔ ادبی تخلیق اور ناول۔ احسن فاروقی
۱۰۔ قرۃ العین حیدر کا فن۔ عبدالمغنی
۱۱۔ اُردو ناول بیسویں صدی میں۔ عبدالسلام
۱۲۔ ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۳۔ تفہیم و تعبیر۔ ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۴۔ 1970 کے بعد کے اہم فکشن نگار۔ ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

سبق نمبر۹۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری اور ''شب گزیدہ'' کا فنی مطالعہ

ساخت

9.0 اغراض ومقاصد

9.1 تعارف

9.2 قاضی عبدالستار کی ناول نگاری

9.2.0 ''شب گزیدہ'' کا فنی مطالعہ

9.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

9.4 عمومی جائزہ

9.5 فرہنگ

9.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

9.7 مشقی سوالات

9.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

9.9 امدادی کتب

9.0 اغراض ومقاصد

اس باب کے مطالعے کے بعد آپ:

- قاضی عبدالستار کی ادبی شخصیت اور اردو ناول نگاری میں ان کے اہم مقام سے واقف ہو سکیں گے۔
- قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کے فکری رجحانات اور نمایاں فنی خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔
- ان کے ناولوں میں تاریخی شعور، تہذیبی آگہی، سماجی حقیقت نگاری اور انسانی نفسیات کے باہمی تعلق کا جائزہ لے سکیں گے۔
- قاضی عبدالستار کے فن میں تاریخ اور تخیل کے امتزاج کی اہمیت کو سمجھ سکیں گے۔
- ان کے ناولوں میں ہندوستانی تہذیب، معاشرت، طبقاتی نظام اور انسانی رشتوں کی عکاسی کا مطالعہ کر سکیں گے۔
- قاضی عبدالستار کی کردار نگاری کی خصوصیات اور ان کے کرداروں کی نفسیاتی و جذباتی پیچیدگیوں کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- ان کے اسلوبِ بیان، زبان، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور قصہ پن کی نمایاں خصوصیات سے واقف ہو سکیں گے۔
- قاضی عبدالستار کے ناول **''شب گزیدہ ''** کے موضوع، مرکزی فکر اور فنی ساخت کو سمجھ سکیں گے۔
- **''شب گزیدہ ''** کے تاریخی، تہذیبی اور سماجی پس منظر کا تنقیدی مطالعہ کر سکیں گے۔
- ''شب گزیدہ'' کے اہم کرداروں، ان کے باہمی تعلقات، جذبات اور نفسیاتی کیفیات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- ''شب گزیدہ'' میں پیش کیے گئے معاشرتی مسائل، انسانی کشمکش اور بدلتی ہوئی اقدار کو واضح کر سکیں گے۔
- اس ناول کے پلاٹ، واقعاتی ترتیب، مکالموں، منظر نگاری اور زبان و بیان کی فنی خصوصیات کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- قاضی عبدالستار کے ہاں تاریخ، تہذیب اور انسانی زندگی کے باہمی رشتے کو سمجھ سکیں گے۔
- **''شب گزیدہ ''** کے ذریعے اردو ناول میں تاریخی و تہذیبی شعور کی معنویت کا تنقیدی جائزہ پیش کر سکیں گے۔
- قاضی عبدالستار کے ناول میں فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق، انسانی اقدار اور سماجی تبدیلی کے اثرات کا تجزیہ کر سکیں گے۔

9.1تعارف

قاضی عبدالستار اردو کے ممتاز ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اردو فکشن بالخصوص ناول کو تاریخی شعور، تہذیبی آگہی، انسانی نفسیات اور سماجی حقیقتوں سے مربوط کرتے ہوئے ایک منفرد اسلوب عطا کیا۔ ان کی تحریروں میں ماضی کے تاریخی واقعات محض واقعاتی تفصیل کے طور پر سامنے نہیں آتے بلکہ ان کے ذریعے انسانی زندگی، معاشرتی رویوں، تہذیبی اقدار اور انسانی کردار کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کے فن میں تاریخ اور تخیل، حقیقت اور افسانویت، فرد اور معاشرے کے درمیان ایک گہرا رشتہ قائم نظر آتا ہے۔

قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخی اور تہذیبی پس منظر کو انسانی زندگی کے تجربات کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ ان کے یہاں ماضی ایک جامد تصویر نہیں بلکہ زندہ انسانی تجربہ بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ مختلف تاریخی ادوار، معاشرتی طبقات، رسم و رواج، تہذیبی اقدار اور انسانی رشتوں کو اپنے مخصوص تخلیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے کردار محض تاریخی واقعات کا حصہ نہیں ہوتے بلکہ اپنی خواہشات، محرومیوں، جذبات، کمزوریوں اور کشمکش کے ساتھ ایک مکمل انسانی وجود رکھتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کے اسلوب میں داستانوی شان، شگفتگی، برجستگی اور زبان کی دل کشی نمایاں ہے۔ ان کی زبان میں اردو کی کلاسیکی روایت کی جھلک بھی ملتی ہے اور روزمرہ زندگی کی روانی بھی۔ مکالمہ نگاری ان کے فن کا اہم وصف ہے، جس کے ذریعے کرداروں کی شخصیت، ذہنی کیفیت اور معاشرتی پس منظر نمایاں ہوتا ہے۔ اسی طرح منظر نگاری کے ذریعے وہ اپنے ناولوں کی فضا کو مؤثر اور جاندار بناتے ہیں۔

اس باب میں آپ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کے مختلف فکری اور فنی پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔ آپ یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ انہوں نے تاریخی اور تہذیبی مواد کو کس طرح تخلیقی سطح پر استعمال کیا اور انسانی زندگی کے مختلف مسائل کو کس انداز سے ناول کا حصہ بنایا۔ اس کے ساتھ **"شب گزیدہ "** کا تفصیلی فنی و فکری مطالعہ کیا جائے گا، جس میں اس کے موضوع، پلاٹ، کردار نگاری، تاریخی و تہذیبی پس منظر، زبان و اسلوب اور دیگر فنی عناصر کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ قاضی عبدالستار کے ناول کے امتیازات اور اردو ناول کی روایت میں ان کی ادبی اہمیت کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

9.2 قاضی عبدالستار کی ناول نگاری

اردو ادب میں ناول نگاری کی روایت تقریباً دو صدیوں پر محیط ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے عہد سے لے کر عصرِ حاضر تک اردو میں اصلاحی، معاشرتی، سیاسی، رومانی، جاسوسی اور تاریخی موضوعات پر بے شمار ناول لکھے گئے۔ ان میں بعض ناول اپنے موضوع، فن، اسلوب اور فنی ساخت کے اعتبار سے اردو ناول کی تاریخ میں مستقل اہمیت حاصل کر چکے ہیں۔ تاریخی ناول نگاری کے حوالے سے قاضی عبدالستار کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے تاریخی ناول کو محض ماضی کے واقعات کی بازگشت بنانے کے بجائے اسے تہذیب، ثقافت، انسانی نفسیات، سیاسی کشمکش اور اجتماعی زندگی کے مطالعے کا وسیلہ بنایا۔ ان کے تاریخی ناولوں میں ماضی صرف ایک پس منظر کی حیثیت سے موجود نہیں بلکہ ایک زندہ تہذیبی تجربے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اسی بنا پر انہیں اردو کے ممتاز تاریخی فکشن نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

قاضی عبدالستار کو اپنے موضوعات کے ماحول، تہذیبی فضا اور تاریخی جزئیات کو فنکارانہ انداز میں پیش کرنے پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ وہ جس عہد کو موضوع بناتے ہیں، اس عہد کی معاشرت، رسوم و رواج، رہن سہن، سیاسی حالات، جنگی ماحول، محلاتی زندگی اور تہذیبی اقدار کو اس باریک بینی سے پیش کرتے ہیں کہ ماضی کی تصویریں قاری کی آنکھوں کے سامنے متحرک ہو جاتی ہیں۔ ان کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخ کو محض واقعات کے تسلسل کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ تاریخ کے پس پردہ کارفرما انسانی جذبات، نفسیاتی کشمکش اور تہذیبی رویوں کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے ناولوں میں تاریخ اور فکشن ایک دوسرے سے اس طرح ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کہ دونوں کے درمیان حدِ فاصل بہت کم محسوس ہوتی ہے۔

قاضی عبدالستار کا خاص میدان تاریخ رہا ہے اور تاریخی ناول نگاری میں ان کا شمار صفِ اول کے فن کاروں میں کیا جاتا ہے۔ اردو کے تاریخی ناول کی روایت میں عبدالحلیم شرر کا نام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے بعد صادق سردھنوی، نسیم حجازی، اسلم راہی اور عنایت اللہ التمش وغیرہ نے اس روایت کو آگے بڑھایا، لیکن قاضی عبدالستار نے اس روایت کو محض آگے بڑھانے کے بجائے اس میں اپنی منفرد فنی شناخت پیدا کی۔ پروفیسر عبدالغنی کے نزدیک تاریخی ناول نگاری میں قاضی عبدالستار کا اپنا ایک خاص مقام ہے۔ ان کے مطابق قاضی عبدالستار کو ایسی روایت ورثے میں ملی جس کے قابلِ ذکر بانی عبدالحلیم شرر تھے اور جسے نسیم حجازی نے وسعت اور مقبولیت عطا کی، لیکن قاضی عبدالستار کسی کے مقلد نہیں بلکہ اپنی مستقل فنکارانہ شناخت رکھتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کے تاریخی ناولوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کو بادشاہوں اور جنگوں تک محدود نہیں رکھا۔ ان کے یہاں تاریخ کے ساتھ تہذیب، معاشرت اور انسانی زندگی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ ان کے ناولوں میں ایک طرف

اسلامی تاریخ اور دوسری طرف ہندوستان کی سیاسی و تہذیبی تاریخ جلوہ گر ہوتی ہے۔ان کے اہم تاریخی ناولوں میں **''صلاح الدین ایوبی''**، **''داراشکوہ''**، **''غالب''** اور **''خالد بن ولید ''** خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان ناولوں کو موضوع کے اعتبار سے دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک طرف اسلامی تاریخ سے متعلق ناول ہیں، جن میں **''صلاح الدین ایوبی ''** اور **''خالد بن ولید ''** شامل ہیں، جبکہ دوسری طرف ہندوستان کی سیاسی اور تہذیبی تاریخ سے متعلق ناول ہیں، جن میں **''داراشکوہ ''** اور **''غالب ''** کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ان ناولوں کے عہد، ماحول اور مرکزی کردار ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن ان سب میں قاضی عبدالستار کا تاریخی شعور، تہذیبی بصیرت اور مخصوص اسلوب نمایاں طور پر موجود ہے۔

صلاح الدین ایوبی

''صلاح الدین ایوبی'' قاضی عبدالستار کا اہم تاریخی ناول ہے جس میں اسلامی تاریخ کے ایک عظیم مجاہد اور فاتح صلاح الدین ایوبی کی زندگی اور صلیبی جنگوں کے پس منظر کو موضوع بنایا گیا ہے۔یہ ناول اسلامی تاریخ کے اس دور کی عکاسی کرتا ہے جب مشرقِ وسطیٰ سیاسی انتشار اور صلیبی حملوں کی زد میں تھا۔ناول میں صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کو صرف ایک فاتح اور سپہ سالار کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ انہیں ایک ایسے تاریخی کردار کے طور پر سامنے لایا گیا ہے جو عزم، بہادری، سیاسی بصیرت اور دینی وابستگی کا مظہر ہے۔ریختہ کے مطابق بھی یہ ناول تاریخی صنف سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں تاریخی ماحول، کردار نگاری، منظر کشی اور مکالمہ خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

ناول کی کہانی دوسری صلیبی جنگ سے شروع ہوتی ہے اور تیسری صلیبی جنگ تک پہنچتی ہے، جو صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں لڑی گئی۔اس طرح ناول میں ایک ایسے عہد کی تصویر سامنے آتی ہے جس میں اسلامی دنیا کو بیرونی حملہ آوروں کے ساتھ ساتھ اندرونی سیاسی اختلافات کا بھی سامنا تھا۔ قاضی عبدالستار نے اس تاریخی صورتِ حال کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے خاندان، ان کے بچپن، ان کے سیاسی سفر اور مصر و شام کی سیاسی صورتِ حال کے مختلف مراحل کو ناول کے تاریخی پس منظر میں جگہ دی گئی ہے۔صلاح الدین کا تعلق کرد خاندان سے تھا اور ان کے والد نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیر کوہ کا تعلق بھی اس دور کی سیاسی زندگی سے گہرا تھا۔صلاح الدین کی عملی سیاسی زندگی اس وقت نمایاں ہوئی جب وہ اپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ مصر کی مہم میں شریک ہوئے۔بعد میں شیر کوہ کے انتقال کے بعد مصر کی وزارت انہیں حاصل ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ایک طاقتور حکمران اور سپہ سالار کی حیثیت سے ابھرے۔

قاضی عبدالستار نے اس ناول میں صرف جنگی واقعات کو پیش نہیں کیا بلکہ عرب معاشرے کی تہذیب، ثقافت، عادات واطوار، رہن سہن، سیاسی نظام اور مذہبی ماحول کو بھی اجاگر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول پڑھتے ہوئے قاری صرف ایک تاریخی واقعے سے واقف نہیں ہوتا بلکہ پورے عرب معاشرے اور اس عہد کی تہذیبی فضا سے آشنا ہوتا ہے۔

ناول میں صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کی بے بسی، عیسائی حکمرانوں کی فرقہ واریت، جنگی مظالم اور انسانی المیوں کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ قاضی عبدالستار نے جنگ کو محض سیاسی یا عسکری واقعہ نہیں بنایا بلکہ اس کے انسانی اثرات کو بھی نمایاں کیا ہے۔ اس طرح ناول میں تاریخ کے ساتھ انسانی المیہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور احمد کے مطابق ''صلاح الدین ایوبی'' کی اہمیت صرف اس بات میں نہیں کہ اس میں تاریخی صفحات کو بڑی باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے، بلکہ اس میں عربوں کی تاریخ و تمدن، اسلامی ماحول، عادات واطوار، مکالموں اور طرزِ بیان کو جس فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے، وہ اسے دوسرے تاریخی ناولوں سے ممتاز کرتا ہے۔ قاضی عبدالستار نے اس ناول میں **فلیش بیک اور شعور کی رو** جیسی جدید تکنیکوں سے بھی کام لیا ہے۔ اس طرح ماضی کے واقعات محض زمانی ترتیب کے مطابق بیان نہیں ہوتے بلکہ کرداروں کی یادداشت اور ذہنی کیفیت کے ذریعے بھی سامنے آتے ہیں۔ یہی فنی تکنیک تاریخی واقعات میں ڈرامائی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

قاضی عبدالستار کا کمال یہ ہے کہ وہ پورے ناول میں تاریخی فضا کو قائم رکھتے ہیں اور اسے کہیں بھی بوجھل نہیں ہونے دیتے۔ انہوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ اور صلیبی جنگوں کو جس ڈرامائی اور پُراثر انداز میں پیش کیا ہے، وہ ان کی فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ ان کے یہاں تاریخی واقعات، جنگی مناظر، مکالمے اور خطیبانہ انداز مل کر ایک ایسا بیانیہ تشکیل دیتے ہیں جو قاری کو مسلسل اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔

داراشکوہ

''داراشکوہ'' قاضی عبدالستار کا ایک نہایت اہم تاریخی ناول ہے۔ اس میں مغل شہزادے اور ولی عہد داراشکوہ کی سیاسی زندگی، عروج و زوال، مذہبی نظریات اور اورنگ زیب کے ساتھ اس کی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔ داراشکوہ شاہجہان کا بڑا بیٹا اور اورنگ زیب کا بھائی تھا۔ قاضی عبدالستار نے اس کی شخصیت کے ذریعے مغلیہ سلطنت کے اس دور کو پیش کیا ہے جب اقتدار کی کشمکش نے ایک پورے سیاسی اور تہذیبی نظام کو متاثر کیا۔

ناول میں داراشکوہ کی تخت نشینی کی توقع، شاہجہان کے بڑھاپے، جہاں آرا کی سیاسی بصیرت، اورنگ زیب کی اقتدار طلبی، قندھار کی جنگ، درباری سازشوں اور مغلیہ سلطنت کے اندرونی اختلافات کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ داراشکوہ ایک ایسے کردار کے طور

پر سامنے آتا ہے جو مذہبی رواداری، صوفیانہ فکر اور مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کا قائل ہے، جب کہ اورنگ زیب اقتدار کے حصول کے لیے اس کے مذہبی تصورات کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

شاہجہان کے کمزور ہونے کے بعد جہاں آرا دارا شکوہ کو تخت سنبھالنے کا مشورہ دیتی ہے، لیکن دارا شکوہ اس مشورے پر عمل نہیں کرتا۔ اس کے نتیجے میں اقتدار کی کشمکش شدت اختیار کرتی ہے۔ اورنگ زیب دارا شکوہ کے خلاف عوامی رائے ہموار کرتا ہے اور اسے مذہب دشمن ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بالآخر ساموگڑھ کی جنگ فیصلہ کن مرحلہ ثابت ہوتی ہے اور دارا شکوہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ساموگڑھ کی شکست صرف ایک شہزادے کی شکست نہیں بلکہ مغلیہ سلطنت کے سیاسی اور تہذیبی مزاج میں ایک بڑی تبدیلی کی علامت بن جاتی ہے۔ اکبر سے دارا شکوہ تک جس مذہبی رواداری اور نسبتاً وسیع النظر سیاسی مزاج کی روایت قائم ہوئی تھی، اورنگ زیب کی تنگ نظری کے ساتھ اس میں تبدیلی آتی ہے۔ اس اعتبار سے ناول میں دارا شکوہ کی شکست کو ایک فرد کے زوال کے ساتھ ساتھ ایک تہذیبی رویے کے زوال کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

دارا شکوہ کے مذہبی مزاج کے بارے میں شمس الرحمن فاروقی نے اختلافی رائے پیش کی ہے اور یہ سوال اٹھایا ہے کہ قاضی عبدالستار نے دارا شکوہ کو جس حد تک ہندو نواز یا روادار دکھایا ہے، تاریخی شواہد اس کی مکمل تائید نہیں کرتے۔ دارا شکوہ کے زیورات اور ان پر ہندو علامتوں کے استعمال کے حوالے سے بھی بحث کی گئی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر معاصرین اور تاریخی مطالعے میں دارا شکوہ کو ایک وسیع النظر اور نسبتاً سیکولر مزاج رکھنے والی شخصیت کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ فنی اعتبار سے ''دارا شکوہ'' قاضی عبدالستار کی غیر معمولی فنی صلاحیت کا مظہر ہے۔ اس میں جنگی حکمتِ عملی، فوجی صف آرائی، گھوڑوں اور ہاتھیوں کا استعمال، سپہ سالاروں کے خطابات، میدانِ جنگ کی فضا، محلاتی سازشیں، نظامِ معاشرت اور طرزِ سیاست کی جیتی جاگتی تصویریں موجود ہیں۔ قاضی عبدالستار نے عظمتِ رفتہ اور مغلیہ شان و شوکت کو الفاظ کے ذریعے اس طرح زندہ کیا ہے کہ قاری خود کو اس عہد میں موجود محسوس کرتا ہے۔ تاریخی فضاسازی اور منظر نگاری ان کی اس ناول میں نمایاں فنی کامیابی ہے۔

غالب

قاضی عبدالستار کا ''غالب'' تاریخی اور سوانحی ناول کی سرحدوں پر قائم ایک منفرد تخلیق ہے۔ اس میں اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کی زندگی، ان کے عہد، مغلیہ تہذیب کے زوال، مالی پریشانیوں، عشق، ادبی چشمک اور 1857ء کے انقلاب کے اثرات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اسی لیے بعض ناقدین اسے تاریخی ناول اور بعض سوانحی ادبی ناول کے قریب قرار دیتے ہیں۔ ناول غالب

کے زمانے کی مغلیہ تہذیب اور دہلی کی معاشرتی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔اس میں مرزا غالب کی شخصیت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ایک طرف وہ دور اندیش، حکیمانہ بصیرت رکھنے والے اور اپنے عہد کے عظیم شاعر ہیں، تو دوسری طرف حسن پرست، مے نوش، عیش پسند اور بعض اوقات خود غرض انسان بھی دکھائی دیتے ہیں۔ قاضی عبدالستار نے غالب کی شخصیت کو یک رخی بنانے کے بجائے اس کے متضاد پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا ہے۔

ناول میں 1857ء کے خونی واقعات، دہلی کی تباہی، انگریزی اقتدار، بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور رنگون کی جلاوطنی جیسے تاریخی واقعات بھی شامل ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور دہلی کی تہذیبی تباہی کو غالب کی ذاتی زندگی کے المیے کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا ہے۔یوں ایک فرد کی زندگی ایک پورے عہد کے زوال کی علامت بن جاتی ہے۔ناول چار ابواب میں تقسیم ہے۔پہلے باب میں دہلی کی تباہی، بہادر شاہ ظفر کی رنگون میں قید، غالب کا انتظارِ مرگ اور فلیش بیک کے ذریعے غالب کی زندگی کے سابقہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ دوسرے باب میں فلیش بیک کے ذریعے غالب کی زندگی، ترک بیگم سے ان کے تعلق اور اس تعلق کے المیہ انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں اکبر شاہ ثانی کی وفات، بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی اور 1857ء سے پہلے کے حالات کے ساتھ غالب اور ان کے ہم عصر شعرا کی ادبی چشمک نمایاں ہوتی ہے۔ چوتھے باب میں 1857ء کے ناکام انقلاب، ہندوستانیوں اور انگریزوں کے باہمی تعلقات اور بدلتی ہوئی سیاسی صورتِ حال کو پیش کیا گیا ہے۔

اس ناول کی فنی خصوصیت یہ ہے کہ قاضی عبدالستار نے فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے ماضی اور حال کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا ہے۔ موجودہ حالات ماضی کی یادوں کو متحرک کرتے ہیں اور ماضی حال کی معنویت میں اضافہ کرتا ہے۔یوں غالب کی ذاتی زندگی اور ہندوستان کی اجتماعی تاریخ ایک دوسرے کا آئینہ بن جاتی ہیں۔

''غالب'' میں تشبیہات واستعارات، منظر نگاری اور قصہ پن کی بھی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔تاہم اس کا اندازِ بیان قاضی عبدالستار کے اسلامی تاریخی ناولوں سے مختلف ہے۔ یہاں مغلیہ تہذیب کے زوال، دہلی کی بربادی اور غالب کی شخصی زندگی کے دکھ کو ایک مخصوص تہذیبی حسیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

خالد بن ولید

''خالد بن ولید'' قاضی عبدالستار کے اہم تاریخی ناولوں میں شامل ہے اور اسلامی تاریخ کے ایک عظیم سپہ سالار کی زندگی کو مرکز بناتا ہے۔ خالد بن ولید کو ''سیف اللہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ان کا تعلق قریش کے قبیلے سے تھا اور اسلامی تاریخ میں وہ اپنی جنگی صلاحیت، بہادری، بصیرت اور فتوحات کی وجہ سے غیر معمولی مقام رکھتے ہیں۔ناول میں خالد بن ولید کی سیرت، ان کے

جنگی کارناموں، عربوں کی تاریخ و تہذیب اور اسلام کے ابتدائی دور کی سیاسی و عسکری صورتِ حال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قاضی عبدالستار نے خالد بن ولید کو صرف ایک جنگجو کے طور پر نہیں بلکہ ایک دیانت دار، نیک سیرت، صاحبِ بصیرت اور اسلام کے مخلص خادم کے طور پر پیش کیا ہے۔ ناول کی کہانی رسول اکرم ﷺ کے آخری دور کے تاریخی ماحول سے شروع ہو کر خالد بن ولید کی زندگی کے اہم واقعات کو محیط ہوتی ہے۔ عرب کے مختلف قبائل، ان کی سیاسی صورتِ حال، اسلام سے انحراف، خلافت کے استحکام اور مختلف جنگوں میں خالد بن ولید کی کامیابیوں کو ناول کے پلاٹ میں شامل کیا گیا ہے۔ ان کی عسکری صلاحیت اور جنگی حکمتِ عملی ناول کا اہم حصہ ہے۔ خالد بن ولید کی شخصیت کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ناول میں ایک مقام پر یہ تاثر سامنے آتا ہے کہ دنیا میں ان سے بڑا ماہرِ فنونِ جنگ اور فتح نصیب جنرل موجود نہیں اور ان کے مقابلے میں آنا انتہائی مشکل ہے۔ اس طرح خالد کی شخصیت کو ایک عظیم تاریخی اور عسکری کردار کے طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ قاضی عبدالستار کی فنی مہارت یہاں بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے عرب کی ابتدائی اسلامی تہذیب، جنگی ماحول، قبائلی زندگی، سیاسی کشمکش اور مذہبی جذبے کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں تاریخی واقعات خشک بیانیہ نہیں بنتے بلکہ کرداروں کے عمل، مکالموں اور جنگی مناظر کے ذریعے ایک زندہ داستان میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کے تاریخی ناولوں کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی **تاریخی فضا سازی** ہے۔ وہ جس عہد کو موضوع بناتے ہیں، اس عہد کی زبان، تہذیب، معاشرت، سیاست، لباس، رہن سہن، جنگی طریقۂ کار اور اجتماعی نفسیات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری ماضی کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ ریختہ کے مطابق ان کے یہاں فضا بندی، منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ اور بیانیہ اسلوب خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کا تاریخی شعور صرف واقعات کی صحت تک محدود نہیں۔ وہ تاریخی واقعات کے نفسیاتی اور تہذیبی اثرات کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں بادشاہوں کی زندگی کے ساتھ عام انسان، درباری، سپاہی، عورتیں، مذہبی شخصیات اور معاشرتی طبقے بھی کسی نہ کسی سطح پر موجود رہتے ہیں۔ اس طرح تاریخ ایک وسیع انسانی تجربہ بن جاتی ہے۔ ان کے ناولوں میں **تخیل اور تاریخ** کا امتزاج بھی نہایت اہم ہے۔ چونکہ ان کے بیشتر مرکزی کردار تاریخی طور پر معروف ہیں، اس لیے ان کے بارے میں تخیل کی گنجائش محدود تھی۔ اس کے باوجود قاضی عبدالستار نے ان کرداروں کو محض تاریخی کتابوں کے صفحات سے نکال کر ایک فکشنل دنیا میں زندہ کر دیا۔ ان کا کمال یہی ہے کہ تاریخی کردار اپنی تاریخی شناخت بھی برقرار رکھتے ہیں اور ناول کے تخلیقی تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔

ان کے یہاں **فلیش بیک** کا استعمال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ''غالب'' میں اس تکنیک کے ذریعے حال اور ماضی کو مربوط کیا گیا ہے، جب کہ ''صلاح الدین ایوبی'' اور دوسرے ناولوں میں بھی زمانی سطحوں کو فنی ضرورت کے مطابق استعمال کیا گیا ہے۔ اس تکنیک سے واقعات میں تجسس اور ڈرامائیت پیدا ہوتی ہے۔ قاضی عبدالستار کے ناولوں میں **مکالمہ** بھی ایک اہم فنی وسیلہ ہے۔ ان کے مکالمے محض گفتگو نہیں بلکہ کردار کی شخصیت، عہد کی زبان اور فکری رویے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کا خطیبانہ طرزِ تخاطب، لفظیات کی فراوانی اور جملوں کا شکوہ ان کے اسلوب کو ممتاز بناتا ہے۔ انہیں اردو نثر میں ان کی مخصوص لفظیات اور اسلوبیاتی قوت کی وجہ سے منفرد مقام حاصل ہے۔ ان کی زبان موضوع اور ماحول کے مطابق تبدیل ہوتی ہے۔ جب وہ مغلیہ دور کو پیش کرتے ہیں تو زبان میں شاہانہ جاہ و جلال اور تہذیبی وقار پیدا ہو جاتا ہے؛ جب عرب کے اسلامی عہد کو موضوع بناتے ہیں تو عرب تہذیب، شجاعت اور مذہبی جذبے کی شان و شوکت زبان کا حصہ بن جاتی ہے؛ اور جب زوال پذیر جاگیر دارانہ معاشرے کو بیان کرتے ہیں تو اسلوب میں نوحہ گری اور المیہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ موضوع کے مطابق زبان بدلنے کی قدرت ان کے فن کی بڑی خصوصیت ہے۔ قاضی عبدالستار کی زبان میں شعری آہنگ، تشبیہات، استعارات، محاورات اور نادر الفاظ کی فراوانی ہے۔ ان کے جملوں میں خطیبانہ شان اور داستانوی کشش دونوں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تاریخی ناولوں میں جنگی مناظر بھی محض واقعات نہیں رہتے بلکہ ادبی اور جمالیاتی تجربہ بن جاتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کی **منظر نگاری** بھی غیر معمولی ہے۔ محلات، دربار، میدانِ جنگ، گھوڑے، ہاتھی، لشکر، سپہ سالار، عرب کے صحرا، مغلیہ دہلی اور شاہی ماحول سب ان کے قلم سے ایک جیتی جاگتی تصویر کی صورت سامنے آتے ہیں۔ ''داراشکوہ'' میں میدانِ جنگ اور مغلیہ دربار کی منظر نگاری اس کی واضح مثال ہے۔ قاضی عبدالستار کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ وہ تاریخ کو محض فاتحین اور حکمرانوں کی داستان نہیں بناتے بلکہ تہذیب اور معاشرت کو بھی تاریخ کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کے تاریخی ناولوں میں مختلف عہدوں کی تہذیبی زندگی، رسم و رواج، مذہبی تصورات، طبقاتی نظام، سیاسی کشمکش اور انسانی رشتوں کی تصویریں موجود ہیں۔ اسی لیے ان کے ناول تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی معلومات کا قیمتی ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کی تاریخی ناول نگاری کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ محض بادشاہوں کی شکست و فتح نہیں۔ ان کے یہاں تاریخ انسانی قوتوں، تہذیبی اقدار، سیاسی نظاموں اور اجتماعی خواہشات کی کشمکش کا نام ہے۔ ان کے تاریخی ناولوں میں حکمرانوں کے فیصلوں کے ساتھ ان فیصلوں کے عوامی اور تہذیبی اثرات بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تاریخی ناول محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ حال کے لیے بھی معنی پیدا کرتے ہیں۔

ان کے یہاں ماضی اور حال کے درمیان ایک فکری رشتہ موجود ہے۔ تاریخی کرداروں اور واقعات کے ذریعے وہ انسانی فطرت، اقتدار، مذہب، جنگ، محبت، وفاداری، غداری، تہذیبی زوال اور انسانی عظمت جیسے مستقل مسائل کو سامنے لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول محض تاریخی دلچسپی کی چیز نہیں رہتے بلکہ انسانی زندگی کے وسیع تر سوالات سے جڑ جاتے ہیں۔ قاضی عبدالستار کی انفرادیت اس بات میں بھی ہے کہ انہوں نے عبدالحلیم شرر کی تاریخی ناول نگاری کی روایت سے استفادہ کیا، لیکن اسے اپنے مخصوص اسلوب اور تہذیبی شعور کے ذریعے ایک نئی صورت دی۔ ان کے ناولوں میں تاریخ نگاری، قصہ گوئی اور فکشن تینوں ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ ان کی تحریر میں تاریخی معلومات کی علمی بنیاد بھی ہے اور ناول کی تخلیقی کشش بھی۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو قاضی عبدالستار اردو کے ان تاریخی ناول نگاروں میں شامل ہیں جنہوں نے تاریخی ناول کو محض واقعاتی اور روایتی سطح سے بلند کر کے ایک مکمل تہذیبی اور فنی تجربہ بنا دیا۔ ان کے ناولوں میں تاریخ، تہذیب، ثقافت، سیاست، مذہب، انسانی نفسیات اور قصہ گوئی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط نظر آتے ہیں۔ ''صلاح الدین ایوبی'' میں اسلامی تاریخ اور صلیبی جنگوں کا وسیع منظر نامہ سامنے آتا ہے؛ ''خالد بن ولید'' میں اسلام کے ابتدائی دور کی جنگی اور تہذیبی زندگی اور ایک عظیم سپہ سالار کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے؛ ''داراشکوہ'' میں مغلیہ سلطنت کی سیاسی کشمکش، مذہبی رواداری اور اقتدار کی جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے؛ جبکہ ''غالب'' میں مغلیہ تہذیب کے زوال، 1857ء کے سانحے اور ایک عظیم شاعر کی شخصی زندگی کو باہم مربوط کیا گیا ہے۔

قاضی عبدالستار کے تاریخی ناولوں میں بعض مقامات پر تاریخی واقعات کی تعبیر یا کرداروں کی پیش کش کے بارے میں اختلافِ رائے کی گنجائش موجود ہے۔ ''داراشکوہ'' میں داراشکوہ کے مذہبی رجحانات کی تعبیر کے حوالے سے تنقیدی اختلاف اس کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح تاریخی ناول نگار کے لیے تخیل اور تاریخی حقیقت کے درمیان توازن قائم رکھنا ہمیشہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ قاضی عبدالستار نے اس مشکل کام کو بڑی حد تک کامیابی سے انجام دیا، اگرچہ بعض مقامات پر ان کی تخلیقی ترجیحات تاریخی تعبیر پر غالب آتی ہوئی محسوس ہو سکتی ہیں۔

اس کے باوجود ان کے تاریخی ناولوں کی مجموعی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ ان کا اصل کمال یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کو خشک اور بے جان مواد نہیں بننے دیا بلکہ اسے کرداروں، مکالموں، منظر نگاری، ڈرامائیت، تہذیبی فضا اور شاندار زبان کے ذریعے زندہ تجربہ بنا دیا۔ ان کے یہاں تاریخی کردار گوشت پوست کے انسانوں کی طرح سامنے آتے ہیں اور تاریخی واقعات انسانی جذبات اور نفسیاتی کشمکش سے بھر جاتے ہیں۔ قاضی عبدالستار کا اسلوب ان کے فن کی سب سے نمایاں شناخت ہے۔ انہیں موضوع اور ماحول کے

مطابق زبان استعمال کرنے پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کے تاریخی ناولوں میں زبان کبھی شاہانہ، کبھی خطیبانہ، کبھی داستانوی اور کبھی جذباتی والمیہ کیفیت اختیار کرتی ہے۔ ان کے الفاظ میں شکوہ، جملوں میں آہنگ اور بیان میں ڈرامائیت ہے۔ اسی لیے ان کے ناولوں کا مطالعہ محض تاریخی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک جمالیاتی اور ادبی تجربہ بھی بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضی عبدالستار نے اردو تاریخی ناول کو اپنی مخصوص لفظیات، تہذیبی شعور، تاریخی بصیرت، منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور قصہ گوئی کے ذریعے ایک الگ شناخت عطا کی۔ انہوں نے تاریخ کے مختلف ادوار کو اپنے فن کے ذریعے اس طرح زندہ کیا کہ قاری ماضی کو صرف پڑھتا نہیں بلکہ اسے محسوس بھی کرتا ہے۔ یہی ان کی تاریخی ناول نگاری کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

لہٰذا اردو کے تاریخی ناول کی روایت میں قاضی عبدالستار کا مقام نہایت اہم اور منفرد ہے۔ انہوں نے عبدالحلیم شرر سے چلی آنے والی تاریخی ناول نگاری کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے اسے اپنی فنی شخصیت کے مطابق نئی جہت عطا کی۔ ان کے تاریخی ناول تاریخ، تہذیب اور فکشن کے حسین امتزاج کی مثال ہیں۔ **''صلاح الدین ایوبی''، ''داراشکوہ''، ''غالب'' اور ''خالد بن ولید''** اردو کے تاریخی فکشن میں ان کی شناخت کے بنیادی ستون ہیں۔ ان ناولوں میں تاریخی شعور، تخیل، قصہ پن، تہذیبی بصیرت اور زبان کی جادو گری باہم مل کر ایک ایسی ادبی دنیا تخلیق کرتے ہیں جس نے قاضی عبدالستار کو اردو کے ممتاز تاریخی ناول نگاروں کی صف میں مستقل مقام عطا کیا ہے۔

9.2.0 ''شب گزیدہ'' کا فنی مطالعہ

''شب گزیدہ'' قاضی عبدالستار کا ایک اہم اور قابلِ ذکر ناول ہے جس میں مصنف نے اودھ کے زوال پذیر جاگیر دارانہ معاشرے، بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی حالات، قدیم تہذیبی اقدار کے انتشار اور ایک ایسے طبقے کی شکست خوردگی کو موضوع بنایا ہے جو وقت کی رفتار کے ساتھ خود کو تبدیل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ یہ قاضی عبدالستار کا دوسرا ناول قرار دیا جاتا ہے اور ابتدا میں 1959ء میں رسالہ ''نقوش'' میں شائع ہوا، جب کہ بعد میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول میں مصنف نے کسی ایک فرد کی داستان بیان کرنے کے بجائے ایک پورے عہد کی تہذیبی اور معاشرتی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اودھ کی جاگیر دارانہ زندگی، اس کی شان و شوکت، رسم و رواج، طبقاتی تقسیم، گھریلو نظام، معاشی مسائل، بدلتی ہوئی سیاسی فضا اور آزادی کی تحریک کے اثرات سب مل کر ناول کی فضا تشکیل دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے ''شب گزیدہ'' کو محض ایک معاشرتی ناول کہنا کافی نہیں بلکہ یہ زوال پذیر جاگیر دارانہ تہذیب کی ایک مکمل داستان بھی ہے۔

ناول کا بنیادی مسئلہ جاگیر دارانہ نظام کے زوال اور اس سے وابستہ ذہنی و تہذیبی بحران ہے۔ قاضی عبدالستار نے جاگیر دارانہ معاشرے کو صرف استحصالی نظام کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اس کے تہذیبی، جمالیاتی اور انسانی پہلوؤں کو بھی سامنے رکھا ہے۔ ان کے یہاں جاگیر دارانہ زندگی اپنی تمام خامیوں کے باوجود ایک مخصوص تہذیبی نظم، روایات، رکھ رکھاؤ، تعلقات اور اقدار کی حامل نظر آتی ہے۔ دوسری طرف جدید سیاسی اور سماجی تبدیلیاں اس پورے نظام کو اندر سے متزلزل کر رہی ہیں۔ یہی کشمکش ''شب گزیدہ'' کی بنیادی فکری اساس بن جاتی ہے۔ ناول میں ایک طرف پرانے نظام سے وابستہ افراد ہیں جو اپنی روایات اور طرزِ زندگی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں، اور دوسری طرف نئی نسل ہے جو بدلتے ہوئے حالات کو محسوس کرتی ہے اور زندگی کے نئے امکانات کی تلاش میں ہے۔ اس طرح قدیم اور جدید کے درمیان تصادم ناول کی معنوی ساخت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

''شب گزیدہ'' کا ہیرو جمیؔ اس فکری کشمکش کا اہم نمائندہ ہے۔ وہ اپنے والد کی ریاست کے انتظام وانصرام میں تبدیلی لانے کا خواہش مند ہے اور اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ وقت بدل چکا ہے، اس لیے پرانے طریقۂ زندگی کو جوں کا توں برقرار رکھنا ممکن نہیں۔ اس کے مقابلے میں اس کا باپ ایک ایسے جاگیر دارانہ نظام کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنی پرانی شان، روایت اور طرزِ زندگی سے مضبوطی سے وابستہ ہے اور جدید تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کی صلاحیت تقریباً کھو چکا ہے۔ یہی باپ اور بیٹے کا فکری اختلاف دراصل دو عہدوں کے درمیان کشمکش بن جاتا ہے۔ ایک طرف ماضی ہے جو اپنی پوری قوت سے قائم رہنا چاہتا ہے اور دوسری طرف مستقبل ہے جو نئے امکانات اور تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے جمیؔ محض ناول کا ایک کردار نہیں بلکہ نئی نسل کی بیدار ہوتی ہوئی فکر کی علامت بن جاتا ہے۔ قاضی عبدالستار نے اس کردار کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ تبدیلی کو محسوس کرنا اور اسے قبول کرنا دو مختلف باتیں ہیں اور زوال پذیر طبقہ اکثر پہلی منزل تک تو پہنچ جاتا ہے مگر دوسری منزل طے نہیں کر پاتا۔

ناول میں جاگیر دارانہ معاشرے کی تصویر کشی نہایت وسیع تناظر میں ہوئی ہے۔ جاگیر دار صرف زمین اور دولت کا مالک نہیں بلکہ ایک مکمل معاشرتی نظام کا مرکز ہے۔ اس کے گرد وفادار ملازمین، کسان، رعایا، خاندان کے افراد، متعلقین اور دوسرے طبقاتی کردار موجود ہیں۔ ان تمام کرداروں کے ذریعے مصنف نے اس نظام کی داخلی ساخت کو واضح کیا ہے۔ کہیں جاگیر دارانہ رعب و دبدبہ ہے، کہیں رعایا کی مجبوری، کہیں پرانی وفاداریوں کا احساس اور کہیں نئے حالات سے پیدا ہونے والی بے یقینی۔ اس طرح ''شب گزیدہ'' میں جاگیر داری صرف معاشی ادارہ نہیں رہتی بلکہ ایک تہذیبی اور نفسیاتی نظام کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی وجہ سے ناول میں جاگیر دار طبقے کے زوال کا دکھ صرف دولت اور زمین کے چھن جانے کا دکھ نہیں بلکہ ایک پورے طرزِ زندگی

کے ختم ہو جانے کا المیہ بن جاتا ہے۔ بعض ناقدین نے بھی اس ناول کو اسی زوال پذیر جاگیر دارانہ تہذیب کے آخری منظر نامے کے طور پر دیکھا ہے۔

قاضی عبدالستار کی اہم خوبی یہ ہے کہ وہ جاگیر دارانہ نظام کے بارے میں یک طرفہ فیصلہ صادر نہیں کرتے۔ان کے ہاں اس نظام کی خرابیاں بھی موجود ہیں اور اس کی تہذیبی کشش بھی۔ وہ استحصال اور طبقاتی نابرابری کو نظر انداز نہیں کرتے، لیکن ساتھ ہی اس معاشرے کے آداب، وضع داری، تعلقات اور تہذیبی حسن کو بھی محفوظ کرتے ہیں۔ یہی فکری کشمکش ان کی حقیقت نگاری کو زیادہ معتبر بناتی ہے۔ اگر مصنف صرف جاگیر دارانہ نظام کی مذمت کرتے تو ناول ایک نظریاتی دستاویز بن کر رہ جاتا، لیکن انہوں نے اس نظام کے انسانی اور تہذیبی پہلوؤں کو بھی دکھایا، جس سے ناول میں زندگی کی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ اسی لیے ''شب گزیدہ'' میں کہیں قاری کو مصنف کی ہمدردی محسوس ہوتی ہے اور کہیں اس نظام کی خامیوں پر تنقیدی نگاہ بھی دکھائی دیتی ہے۔

ناول کا ایک اہم پہلو اس کا سیاسی پس منظر بھی ہے۔ایک طرف اودھ کی جاگیر دارانہ زندگی اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف ہندوستان کی سیاسی زندگی میں بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ آزادی کی تحریک کا اثر بھی ناول کے پس منظر میں موجود ہے۔ اس سیاسی تبدیلی نے ہندو اور مسلمان دونوں طبقات کی زندگی کو متاثر کیا اور پرانے تعلقات اور نئی سیاسی شناختوں کے درمیان کشمکش پیدا ہوئی۔ ''شب گزیدہ'' میں ہندو مسلم تعلقات کو بھی محض فرقہ وارانہ کشمکش کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ مشترکہ تہذیب، انسانی رشتوں اور باہمی اخوت کے حوالے سے بھی دیکھا گیا ہے۔ ناول کے مختلف مقامات پر ہندو مسلم تہذیب اور مشترکہ ثقافت کی جھلک قومی یک جہتی کے تصور کو تقویت دیتی ہے۔ اس اعتبار سے ''شب گزیدہ'' میں ہندوستانی تہذیب کی مشترکہ اساس کا تصور بھی اہم ہے۔ مصنف نے یہ احساس پیدا کیا ہے کہ مذہبی اختلاف کے باوجود صدیوں کے معاشرتی اور تہذیبی میل جول نے دونوں قوموں کے درمیان ایسے رشتے قائم کیے تھے جنہیں محض سیاسی تبدیلیوں کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں انسانی رشتوں، دوستی، بھائی چارے اور باہمی احترام کی صورتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس پہلو سے ناول صرف جاگیر داری کے زوال کی داستان نہیں رہتا بلکہ بدلتے ہوئے ہندوستان میں انسانی اور تہذیبی رشتوں کی تلاش بھی بن جاتا ہے۔

''شب گزیدہ'' کی ایک بڑی فنی خوبی اس کی کردار نگاری ہے۔ قاضی عبدالستار کرداروں کو محض واقعات کے تابع نہیں رکھتے بلکہ ان کی نفسیاتی کیفیت، طبقاتی حیثیت، تہذیبی پس منظر اور زبان کے ذریعے ان کی مکمل شخصیت سامنے لاتے ہیں۔ جمیّ

کے علاوہ اس کے والد اور دوسرے جاگیر دارانہ معاشرے سے وابستہ کردار اپنے اپنے انداز میں اس نظام کی مختلف ذہنی کیفیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کہیں ماضی سے وابستگی ہے، کہیں تبدیلی کا خوف، کہیں نئی زندگی کی خواہش اور کہیں پرانی اقدار کے تحفظ کی کوشش۔ یہی مختلف ذہنی رویے ناول کو نفسیاتی گہرائی عطا کرتے ہیں۔ قاضی عبدالستار کی کردار نگاری کے بارے میں یہ بات خاص طور پر اہم ہے کہ وہ کرداروں کی ظاہری صورت کے ساتھ ان کے باطن کو بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کے کردار سوچتے، محسوس کرتے، خوف زدہ ہوتے، فیصلہ کرتے اور اپنے حالات سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کے کرداروں کی زبان بھی ان کی شخصیت کا اہم حصہ بن جاتی ہے۔ وہ ہر کردار کو ایک ہی زبان میں گفتگو نہیں کرواتے بلکہ کردار کے طبقے، تعلیم، علاقے اور معاشرتی پس منظر کے مطابق اس کے لہجے اور الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ ''شب گزیدہ'' میں اودھی بولی کا استعمال خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ نچلے طبقے اور دیہی ماحول سے وابستہ کرداروں کی گفتگو میں مقامی زبان، محاورے اور مخصوص لہجہ ناول کی فضا کو حقیقی بناتے ہیں۔ اس طرح زبان محض اظہار کا ذریعہ نہیں رہتی بلکہ کردار اور ماحول دونوں کی شناخت بن جاتی ہے۔ قاضی عبدالستار کی یہی فنی بصیرت ان کے کرداروں کو مصنوعی ہونے سے بچاتی ہے اور انہیں زندگی سے قریب لے آتی ہے۔

''شب گزیدہ'' میں مکالمہ نگاری بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مکالموں کے ذریعے نہ صرف واقعات آگے بڑھتے ہیں بلکہ کرداروں کے خیالات، جذبات اور طبقاتی شعور بھی نمایاں ہوتا ہے۔ خاص طور پر دیہی اور نچلے طبقے کے کرداروں کی گفتگو میں مقامی محاورات اور اودھی الفاظ کا استعمال ناول کو ایک مخصوص علاقائی رنگ عطا کرتا ہے۔ قاضی عبدالستار کردار کی زبان کو اس کے مزاج کے مطابق ڈھالتے ہیں؛ اس لیے کسی تعلیم یافتہ، شہری یا جاگیر دار کردار کی گفتگو اور کسی دیہی یا نچلے طبقے کے کردار کی گفتگو میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے۔ یہی لسانی تنوع ناول کے فنی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ ناقدین نے بھی ''شب گزیدہ'' کے اسلوب میں مقامی اور محاوراتی زبان کے استعمال کو خاص طور پر قابل توجہ قرار دیا ہے۔

ناول کی منظر نگاری بھی قاضی عبدالستار کی فنی صلاحیت کا اہم ثبوت ہے۔ اودھ کی بستیوں، حویلیوں، دیہی زندگی، جاگیر دارانہ ماحول، میلوں، تہواروں اور روزمرہ معاشرت کو انہوں نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ ایک مخصوص تہذیبی فضا قاری کے سامنے مجسم ہو جاتی ہے۔ حویلی صرف ایک عمارت نہیں رہتی بلکہ ایک پورے طبقے کی تہذیبی علامت بن جاتی ہے۔ اسی طرح دیہات، راستے، میلے اور عوامی زندگی کے مناظر محض خارجی منظر نہیں بلکہ ناول کے تہذیبی ماحول کا حصہ ہیں۔ یہی فضا سازی ''شب گزیدہ'' کو ایک علاقائی اور تہذیبی ناول کی حیثیت عطا کرتی ہے۔

قاضی عبدالستار کی ارضیت بھی اسی تناظر میں قابلِ ذکر ہے۔ اودھ ان کے لیے محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی دنیا ہے۔ اس دنیا کی زبان، رہن سہن، لباس، رسم و رواج، تعلقات، طبقاتی ساخت اور معاشرتی رویے ناول کے مختلف حصوں میں اپنی پوری شدت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ خاص طور پر اودھی زبان کے استعمال سے مقامی ثقافت اور ماحول کو حقیقت کے قریب لانے میں مدد ملتی ہے۔ اس اعتبار سے ''شب گزیدہ'' اردو کے ان ناولوں میں شامل ہے جہاں علاقائی ثقافت محض پس منظر نہیں بلکہ خود تخلیقی اظہار کا بنیادی وسیلہ بن جاتی ہے۔ ناول کا عنوان ''شب گزیدہ'' بھی علامتی معنویت رکھتا ہے۔ ''شب'' تاریکی، زوال، اضطراب اور ایک ایسے عہد کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے، جب کہ ''گزیدہ'' میں زخمی یا ڈسے جانے کا مفہوم موجود ہے۔ اس طرح عنوان پورے ناول کی داخلی کیفیت کی علامت بن جاتا ہے۔ یہ صرف ایک خاندان یا جاگیر دار طبقے کے زوال کی بات نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرتی اور تہذیبی نظام کی تصویر ہے جو بدلتے ہوئے زمانے کے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہے۔ ماضی کی شان و شوکت موجود ہے لیکن اس کے اندر شکست اور زوال کے آثار بھی نمایاں ہیں۔ عنوان کی یہی علامتی قوت ناول کے مجموعی تاثر کو مزید گہرا کرتی ہے۔

''شب گزیدہ'' میں حقیقت نگاری بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ قاضی عبدالستار نے نہ تو ماضی کو مکمل طور پر مثالی بنا کر پیش کیا ہے اور نہ جدید دور کو مکمل نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ ان کے سامنے بنیادی مسئلہ انسانی زندگی اور معاشرتی تبدیلی کا ہے۔ جاگیر دارانہ نظام میں استحصال اور طبقاتی تفاوت موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک تہذیبی نظم بھی ہے؛ جدید دور تبدیلی اور آزادی کے امکانات لے کر آتا ہے، لیکن اس کے ساتھ نئی بے یقینی اور سماجی انتشار بھی پیدا ہوتا ہے۔ اسی پیچیدگی کے باعث ناول کی حقیقت نگاری محض خارجی واقعات تک محدود نہیں رہتی بلکہ معاشرتی نفسیات تک پھیل جاتی ہے۔ قاضی عبدالستار کے فنی اسلوب کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ وہ موضوع کے مطابق زبان اور طرزِ بیان اختیار کرتے ہیں۔ ان کے تاریخی ناولوں کا اسلوب ان کے معاشرتی ناولوں سے مختلف ہوتا ہے اور ''شب گزیدہ'' میں ان کا اندازِ بیان خاص طور پر علاقائی، تہذیبی اور محاوراتی رنگ اختیار کرتا ہے۔ ایک طرف ان کی نثر میں شائستگی، لفظی جمال اور ادبی وقار موجود ہے، تو دوسری طرف مقامی زبان اور روزمرہ محاورے اسے زندگی سے جوڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی نثر میں بیک وقت ادبی حسن اور معاشرتی صداقت پیدا ہوتی ہے۔ قاضی عبدالستار کے اسلوب کے بارے میں یہ رائے بھی سامنے آئی ہے کہ وہ اپنے موضوع کی مناسبت سے اسلوب تشکیل دینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔

''شب گزیدہ''کاایک اہم فکری پہلوماضی اور حال کے درمیان کشمکش ہے۔پرانا طبقہ اپنی اقدار، روایات اور طرزِ زندگی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، جب کہ نئی نسل تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔یہ کشمکش دراصل ہر اس معاشرے کی کہانی ہے جو ایک تاریخی دور سے دوسرے دور میں داخل ہوتا ہے۔ قاضی عبدالستار نے اسی تاریخی عبوری کیفیت کو ایک خاندان اور ایک علاقے کی کہانی کے ذریعے پیش کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ناول کا موضوع محض اودھ یا ہندوستان تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں عالمگیر انسانی تجربہ شامل ہو جاتا ہے۔ہر وہ معاشرہ جو تبدیلی کے مرحلے سے گزرتا ہے،اس میں پرانے اور نئے کے درمیان ایسی ہی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔

فنی اعتبار سے ناول کی کامیابی اس بات میں ہے کہ قاضی عبدالستار نے تاریخی اور معاشرتی تبدیلی کو خشک معلومات یا براہِ راست تبصرے کے ذریعے بیان کرنے کے بجائے کرداروں، واقعات، مکالموں اور ماحول کے ذریعے پیش کیا ہے۔یہی ناول کے فنی حسن کا بنیادی سبب ہے۔ قاری کو کہیں ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ مصنف محض تاریخ کا سبق دے رہا ہے؛ بلکہ تاریخ، تہذیب اور معاشرتی تبدیلی انسانی زندگی کے واقعات کے اندر جذب ہو کر سامنے آتی ہے۔اس طرح ناول میں تاریخ اور تخیل کے درمیان ایک متوازن رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔تاہم تنقیدی اعتبار سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جاگیر دارانہ تہذیب کے حسن اور اس کے زوال کے المیے کو قاضی عبدالستار نے جس ہمدردانہ نگاہ سے دیکھا ہے،اس کے باعث بعض مقامات پر جاگیر دار طبقے کے انسانی اور تہذیبی پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس نظام کے استحصالی پہلو نسبتاً پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہی چیز ان کے فن کی ایک پیچیدگی بھی ہے، کیونکہ وہ اپنے موضوع کے ساتھ جذباتی وابستگی رکھتے ہوئے بھی اسے مکمل طور پر مثالی نہیں بناتے۔ ناقدین نے بھی اس فکری کشمکش کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قاضی عبدالستار کے ہاں جاگیر دارانہ نظام کے زوال کے حوالے سے ہمدردی اور تنقید دونوں موجود ہیں۔

مجموعی طور پر ''شب گزیدہ'' قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کا ایک اہم سنگِ میل ہے۔اس میں اودھ کی زوال پذیر جاگیر دارانہ تہذیب، بدلتے ہوئے سیاسی حالات، نئی اور پرانی نسل کی کشمکش، آزادی کی تحریک، ہندو مسلم تہذیبی اشتراک، طبقاتی مسائل، انسانی رشتوں، نفسیاتی کشمکش اور اخلاقی قدروں کو ایک وسیع فنی کینوس پر پیش کیا گیا ہے۔اس ناول کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ مصنف نے ایک مخصوص تاریخی اور علاقائی معاشرے کی کہانی کو انسانی زندگی کے ایک آفاقی تجربے میں تبدیل کر دیا ہے۔ قاضی عبدالستار نے کردار نگاری، مکالمہ نویسی، منظر نگاری، زبان و بیان، ارضیت نگاری اور تہذیبی شعور کے امتزاج سے ایک ایسی فضا تخلیق کی ہے جس میں قاری نہ صرف ایک زوال پذیر معاشرے کو دیکھتا ہے بلکہ اس کے دکھ، اضطراب اور

شکست کو محسوس بھی کرتا ہے۔ ''شب گزیدہ''اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ قاضی عبدالستار کی اس تخلیقی شخصیت کا تعارف کراتا ہے جس نے بعد میں تاریخی اور تہذیبی ناول نگاری میں غیر معمولی مقام حاصل کیا۔ ان کے یہاں ماضی محض گزرے ہوئے زمانے کا نام نہیں بلکہ حال کو سمجھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ وہ زوال پذیر تہذیب کے ملبے میں انسانی اقدار، تہذیبی یادداشت اور رشتوں کی معنویت تلاش کرتے ہیں۔ اسی لیے ''شب گزیدہ'' کا المیہ صرف ایک جاگیر دار خاندان یا ایک طبقے کا المیہ نہیں رہتا بلکہ ایک پوری تہذیبی دنیا کے بکھرنے کا استعارہ بن جاتا ہے۔ یہی فکری وسعت، تہذیبی گہرائی، کرداروں کی زندگی اور زبان و بیان کی انفرادیت ''شب گزیدہ'' کو اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم اور قابلِ مطالعہ تخلیق بناتی ہے۔

9.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ وطالبات!

آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے **قاضی عبدالستار کی ناول نگاری** کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کر لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جاننے کے لیے **جوابات سرگرمی** سے رجوع کیجیے۔

1۔ قاضی عبدالستار کا ناول ''شب گزیدہ'' بنیادی طور پر _____ معاشرے کے زوال کی عکاسی کرتا ہے۔

2۔ ''شب گزیدہ'' میں قدیم اور جدید _____ کے درمیان کشمکش کو نمایاں کیا گیا ہے۔

3۔ قاضی عبدالستار کے ناولوں میں _____ تہذیب، اس کے رسم و رواج اور معاشرتی اقدار کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

3۔ ''داراشکوہ'' میں مغل شہزادے داراشکوہ کی سیاسی زندگی اور _____ کے ساتھ اس کی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔

4۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کا ایک نمایاں وصف _____ نگاری ہے، جس کے ذریعے وہ ماضی کے ماحول کو زندہ کرتے ہیں۔

9.4 عمومی جائزہ

اس باب میں آپ نے **قاضی عبدالستار کی ناول نگاری** اور ان کے معروف ناول **''شب گزیدہ ''** کا فکری و فنی مطالعہ کیا۔ قاضی عبدالستار اردو کے اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے تاریخ، تہذیب، معاشرت اور انسانی نفسیات کو اپنے تخلیقی

اظہار کا بنیادی حصہ بنایا۔ان کی ناول نگاری میں تاریخی شعور کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی گہری عکاسی ملتی ہے۔ انہوں نے مختلف تاریخی ادوار اور ان سے وابستہ معاشرتی زندگی کو اس انداز سے پیش کیا کہ ماضی کے واقعات محض تاریخی معلومات نہیں رہتے بلکہ انسانی تجربات اور جذبات کی زندہ صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کے فن کی ایک اہم خصوصیت **تاریخ اور تخیل کا امتزاج** ہے۔ وہ تاریخی ماحول، تہذیبی روایات، معاشرتی اقدار اور انسانی رشتوں کو ناول کے واقعات اور کرداروں کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ان کے کردار اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی شخصیت میں ان حالات کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔اسی وجہ سے ان کی کردار نگاری میں نفسیاتی گہرائی اور انسانی زندگی کی حقیقت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔آپ نے یہ بھی دیکھا کہ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری میں **تہذیبی شعور** کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ان کے ناولوں میں رہن سہن، رسم و رواج، زبان، معاشرتی اقدار اور مختلف طبقوں کی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ان کا تہذیبی مطالعہ صرف ماضی کی یاد نہیں بلکہ انسانی زندگی اور معاشرتی تبدیلیوں کو سمجھنے کا وسیلہ بھی بن جاتا ہے۔

''شب گزیدہ '' کے مطالعے سے آپ نے اس بات کو سمجھا کہ ناول میں تاریخی و تہذیبی ماحول کس طرح کرداروں اور واقعات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ناول کے ذریعے انسانی رشتوں، جذبات، معاشرتی رویوں اور بدلتی ہوئی اقدار کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ کردار اپنے عہد کے حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں پیدا ہونے والی کشمکش کے ذریعے فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ فنی اعتبار سے **پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور زبان و بیان** ''شب گزیدہ'' کے اہم عناصر ہیں۔ قاضی عبدالستار کا اسلوب کلاسیکی شائستگی، داستانوی رنگ، برجستگی اور ادبی حسن سے متصف ہے۔ان کے مکالمے کرداروں کی شخصیت اور معاشرتی پس منظر کو واضح کرنے میں مدد دیتے ہیں، جب کہ منظر نگاری ناول کی فضا کو جاندار اور مؤثر بناتی ہے۔

مجموعی طور پر اس باب کے مطالعے سے آپ اس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں کہ قاضی عبدالستار نے اردو ناول کو **تاریخی شعور، تہذیبی آگہی، انسانی نفسیات اور فنی حسن** سے مالا مال کیا۔ ''شب گزیدہ'' کے ذریعے ان کے اسلوب، کردار نگاری اور تاریخی و تہذیبی بصیرت کا بہتر انداز میں مطالعہ ممکن ہوتا ہے۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری اردو فکشن میں اس اعتبار سے اہم ہے کہ انہوں نے ماضی اور حال، فرد اور معاشرے، تاریخ اور انسانی زندگی کے درمیان ایک بامعنی رشتہ قائم کیا۔

9.5 فرہنگ

۱۔تاریخی ناول ——ایسا ناول جس میں کسی مخصوص تاریخی عہد، واقعے، شخصیت یا تہذیبی پس منظر کو فکشن کے ذریعے پیش کیا جائے۔

۲۔تاریخی شعور ——تاریخی واقعات، ادوار، شخصیات اور ان کے باہمی اثرات کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت۔

۳۔تہذیبی شعور ——کسی معاشرے کی تہذیب، اقدار، روایات، رسم ورواج اور طرزِ زندگی سے گہری آگاہی۔

۴۔تاریخی فضاسازی ——کسی مخصوص تاریخی عہد کے ماحول، معاشرت، رسوم، سیاست اور طرزِ زندگی کو اس طرح پیش کرنا کہ ماضی زندہ محسوس ہو۔

۵۔تہذیبی فضا ——کسی معاشرے کے رسم ورواج، اقدار، رہن سہن، زبان اور معاشرتی رویوں سے تشکیل پانے والا مجموعی ماحول۔

۶۔جاگیرداری ——زمین اور زرعی وسائل پر بااثر طبقے کے تسلط پر مبنی معاشرتی اور معاشی نظام۔

۷۔جاگیردارانہ تہذیب ——جاگیرداری نظام سے وابستہ رسم ورواج، اقدار، رہن سہن، طبقاتی تعلقات اور طرزِ زندگی کا مجموعہ۔

۸۔طبقاتی نظام ——معاشرے کی مختلف معاشی، سماجی اور سیاسی حیثیت رکھنے والے طبقات میں تقسیم۔

۹۔طبقاتی تفاوت ——معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان دولت، وسائل، حقوق اور مراعات کا غیر مساوی ہونا۔

۱۰۔استحصال ——کسی فرد یا طبقے کے حقوق، محنت یا وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔

۱۱۔تہذیبی زوال ——کسی تہذیب کی روایات، اقدار، اداروں اور طرزِ زندگی کے بتدریج کمزور یا ختم ہونے کی کیفیت۔

۱۲۔تہذیبی انتشار ——کسی معاشرے کی مروجہ تہذیبی اقدار اور روایات کے بکھرنے یا کمزور ہونے کی صورتِ حال۔

۱۳۔تہذیبی ورثہ ——کسی قوم یا معاشرے سے نسل در نسل منتقل ہونے والی زبان، روایات، اقدار، فنون اور معاشرتی طریقے۔

۱۴۔عظمتِ رفتہ ——ماضی کی وہ شان وشوکت، عظمت اور تہذیبی وقار جو وقت گزرنے کے ساتھ ختم یا کمزور ہو چکا ہو۔

۱۵۔تہذیبی کشمکش ——قدیم اور جدید تہذیبی اقدار یا مختلف تہذیبی رویوں کے درمیان پیدا ہونے والا تصادم۔

۱۶۔عبوری کیفیت ——ایک تاریخی، سیاسی یا معاشرتی دور سے دوسرے دور میں منتقل ہونے کی حالت۔

۱۷۔فکری کشمکش ——مختلف نظریات، خیالات یا اقدار کے درمیان پیدا ہونے والا ذہنی اور نظریاتی تصادم۔

۱۸۔تاریخی پس منظر ——وہ تاریخی حالات، واقعات اور سیاسی و معاشرتی ماحول جس میں کوئی ادبی تخلیق تشکیل پاتی ہے۔

۱۹۔ سیاسی کشمکش ——اقتدار، سیاسی اختیار یا مختلف سیاسی نظریات کے درمیان پیدا ہونے والا تصادم۔

۲۰۔ محلاتی سازش ——شاہی یا درباری ماحول میں اقتدار کے حصول یا سیاسی مفاد کے لیے کی جانے والی خفیہ تدبیریں۔

9.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کے **فکری اور فنی خصوصیات** کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

2۔ قاضی عبدالستار کے تاریخی ناولوں میں **تاریخی شعور، تہذیبی بصیرت اور انسانی نفسیات** کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

3۔ قاضی عبدالستار کے ناول **"شب گزیدہ "** کے موضوع، بنیادی فکر اور تہذیبی پس منظر پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

4۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے **"شب گزیدہ "** کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

5۔ **"شب گزیدہ "** کی **زبان، اسلوب، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری** کا فنی مطالعہ کیجیے۔

9.7 مشقی سوالات

ا۔ قاضی عبدالستار کے ناول **"شب گزیدہ "** میں **ہندو مسلم مشترکہ تہذیب، انسانی رشتوں اور سماجی تبدیلی** کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۲۔ **''شب گزیدہ ''** کی **زبان، اسلوب، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری** کا فنی مطالعہ کیجیے۔
۳۔ **''شب گزیدہ ''** کے عنوان کی **علامتی معنویت** واضح کرتے ہوئے ناول کے مجموعی فکری تصور سے اس کا تعلق بیان کیجیے۔
۴۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری میں **تاریخ، تہذیب، تخیل اور فکشن** کے باہمی امتزاج کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ **جاگیردارانہ**

2۔ **نسلوں**

3۔ **اودھ**

4۔ **اورنگ زیب**

5۔ **تاریخی و تہذیبی منظر**

سوال ا۔ قاضی عبدالستار کے ناول ''شب گزیدہ'' میں ہندو مسلم مشترکہ تہذیب، انسانی رشتوں اور سماجی تبدیلی کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

قاضی عبدالستار کا ناول **''شب گزیدہ ''** ایک ایسے معاشرتی اور تہذیبی ماحول کی عکاسی کرتا ہے جس میں اودھ کی زوال پذیر جاگیردارانہ تہذیب، بدلتے ہوئے سیاسی حالات، ہندو مسلم تعلقات اور انسانی رشتوں کی مختلف صورتیں ایک دوسرے سے مربوط نظر آتی ہیں۔ مصنف نے ناول میں کسی ایک طبقے یا مذہبی گروہ کی زندگی کو مرکز نہیں بنایا بلکہ ایک ایسے معاشرے کی مجموعی تصویر پیش کی ہے جس میں مختلف طبقات، مذاہب اور معاشرتی گروہوں کے افراد صدیوں سے باہمی تعلقات کے ساتھ زندگی گزارتے رہے ہیں۔

''شب گزیدہ'' میں **ہندو مسلم مشترکہ تہذیب** ایک اہم فکری پہلو کی حیثیت رکھتی ہے۔ اودھ کی تہذیبی زندگی میں مذہبی اختلافات کے باوجود دونوں برادریوں کے درمیان معاشرتی اور ثقافتی میل جول موجود ہے۔ رسم و رواج، زبان، رہن سہن، تہذیبی آداب، انسانی تعلقات اور باہمی احترام نے ایک ایسی مشترکہ ثقافت تشکیل دی ہے جس میں مذہبی شناخت کے ساتھ ساتھ مشترکہ تہذیبی شناخت بھی نمایاں ہے۔ مصنف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ صدیوں کے باہمی میل جول نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایسے انسانی اور تہذیبی رشتے قائم کیے تھے جو محض سیاسی تبدیلیوں سے آسانی سے ختم نہیں ہو سکتے۔

ناول میں **انسانی رشتوں** کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ خاندانی تعلقات، باپ اور بیٹے کا رشتہ، دوستی، وفاداری، محبت، باہمی احترام اور معاشرتی وابستگی مختلف کرداروں کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ خاص طور پر جمیؔ اور اس کے والد کا تعلق صرف ایک خاندانی رشتہ نہیں بلکہ دو مختلف ذہنی اور تہذیبی ادوار کی نمائندگی کرتا ہے۔ باپ پرانی جاگیر دارانہ اقدار اور روایات سے وابستہ ہے، جب کہ جمیؔ بدلتے ہوئے حالات کو سمجھنے اور نئے تقاضوں کے مطابق زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح خاندانی رشتہ ایک وسیع سماجی اور تاریخی کشمکش کی علامت بن جاتا ہے۔

سماجی تبدیلی ''شب گزیدہ'' کا بنیادی موضوع ہے۔ اودھ کا روایتی جاگیر دارانہ معاشرہ سیاسی، معاشی اور سماجی تبدیلیوں کے باعث اپنے زوال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ نئی نسل پرانی اقدار کو سوالیہ نگاہ سے دیکھتی ہے اور زندگی کے نئے امکانات تلاش کرتی ہے۔ دوسری طرف پرانا طبقہ اپنی روایات، شان و شوکت اور طرزِ زندگی کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس صورتِ حال سے ایک ایسی کشمکش پیدا ہوتی ہے جو صرف خاندان تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے معاشرے کی تبدیلی کا استعارہ بن جاتی ہے۔

آزادی کی تحریک اور بدلتے ہوئے سیاسی حالات بھی اس سماجی تبدیلی کو تیز کرتے ہیں۔ پرانے سیاسی اور معاشرتی نظام کے کمزور ہونے کے ساتھ نئی سیاسی شعور اور نئی سماجی شناختیں ابھرنے لگتی ہیں۔ اس تبدیلی کے اثرات ہندو اور مسلمان دونوں طبقات پر پڑتے ہیں۔ یوں ناول ایک ایسے تاریخی مرحلے کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں پرانی دنیا آہستہ آہستہ ختم اور نئی دنیا وجود میں آ رہی ہے۔

قاضی عبدالستار کی اہم خوبی یہ ہے کہ وہ سماجی تبدیلی کو محض سیاسی واقعات کے ذریعے بیان نہیں کرتے بلکہ اسے **انسانی زندگی اور رشتوں** کے ذریعے محسوس کراتے ہیں۔ پرانے نظام کے خاتمے سے صرف زمین، دولت اور اقتدار ہی متاثر نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کے باہمی تعلقات، ذہنی رویے، تہذیبی تصورات اور مستقبل کے بارے میں ان کے احساسات بھی تبدیل ہوتے ہیں۔

مجموعی طور پر ''شب گزیدہ'' میں ہندو مسلم مشترکہ تہذیب، انسانی رشتوں اور سماجی تبدیلی کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے پیش کیا گیا ہے۔ ناول یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ تہذیب صرف سیاسی اقتدار کا نام نہیں بلکہ انسانی تعلقات، مشترکہ یادداشت، زبان، روایات اور باہمی احترام سے تشکیل پاتی ہے۔ اس اعتبار سے ''شب گزیدہ'' اودھ کی ایک مخصوص تہذیبی دنیا کے زوال کے ساتھ ساتھ انسانی رشتوں اور مشترکہ ثقافت کی معنویت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

سوال ۲۔ ''شب گزیدہ'' کی زبان، اسلوب، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری کا فنی مطالعہ کیجیے۔

قاضی عبدالستار کی ناول نگاری میں **زبان واسلوب** کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ''شب گزیدہ'' میں انہوں نے موضوع، ماحول، کردار اور علاقائی تہذیب کے تقاضوں کے مطابق ایسی زبان اختیار کی ہے جو ایک طرف ادبی حسن رکھتی ہے اور دوسری طرف معاشرتی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کرتی ہے۔ان کی نثر میں شائستگی، ادبی وقار، محاوراتی رنگ، شعری آہنگ اور مقامی لفظیات کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

''شب گزیدہ'' کی زبان میں **اودھی اور مقامی زبان کے اثرات** خاص طور پر نمایاں ہیں۔ دیہی اور نچلے طبقے کے کرداروں کی گفتگو میں مقامی الفاظ، محاورے اور لہجے استعمال کیے گئے ہیں۔اس سے کرداروں کی معاشرتی شناخت واضح ہوتی ہے اور ناول کی علاقائی فضا میں حقیقت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ قاضی عبدالستار ہر کردار کو اس کے طبقے، تعلیم، ماحول اور ذہنی سطح کے مطابق زبان دیتے ہیں۔

ان کے **اسلوب** میں داستانوی کشش کے ساتھ ساتھ منظر نگاری اور جذباتی کیفیت بھی موجود ہے۔ کہیں زبان شائستہ اور تہذیبی ہے، کہیں محاوراتی اور عوامی، اور کہیں المیہ و جذباتی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اسلوب کی یہی تبدیلی ناول کے مختلف ماحول اور کرداروں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔

مکالمہ نگاری قاضی عبدالستار کے فن کا ایک اہم پہلو ہے۔ ''شب گزیدہ'' کے مکالمے محض واقعات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں بلکہ کرداروں کے خیالات، جذبات، طبقاتی حیثیت اور ذہنی رویوں کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ جمیؔ اور اس کے والد کے درمیان اختلافِ رائے کے ذریعے پرانی اور نئی نسل کی فکری کشمکش واضح ہوتی ہے۔اسی طرح دیہی کرداروں کے مکالموں میں مقامی زبان کا استعمال ان کے معاشرتی ماحول کو حقیقی بناتا ہے۔

قاضی عبدالستار کے مکالموں میں **برجستگی، محاورہ بندی اور فطری پن** پایا جاتا ہے۔ مکالمے کردار کی شخصیت سے ہم آہنگ ہوتے ہیں، اس لیے قاری کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ مختلف کردار ایک ہی لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ یہی فنی خوبی کردار نگاری کو بھی مضبوط بناتی ہے۔

منظر نگاری ''شب گزیدہ'' کی ایک نمایاں فنی خصوصیت ہے۔ اودھ کی حویلیاں، دیہات، راستے، بستیاں، جاگیردارانہ ماحول، میلوں، تہواروں اور روزمرہ زندگی کے مناظر قاری کے سامنے ایک جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں۔ مصنف محض خارجی مناظر بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعے پورے معاشرتی اور تہذیبی ماحول کو مجسم کرتے ہیں۔

حویلی ناول میں محض ایک رہائشی عمارت نہیں بلکہ **جاگیر دارانہ تہذیب کی علامت** بن جاتی ہے۔اس کے اندر موجود شان و شوکت، رسم و رواج، طبقاتی فاصلے اور خاندانی نظام اس معاشرے کی مجموعی ساخت کی نمائندگی کرتے ہیں۔اسی طرح دیہی مناظر اور عوامی زندگی کے نقشے ناول کو ارضی اور علاقائی رنگ عطا کرتے ہیں۔ قاضی عبدالستار کی منظر نگاری میں **جزئیات نگاری** بھی اہم ہے۔ لباس، رہن سہن، زبان، رسم و رواج، معاشرتی آداب اور ماحول کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کے ذریعے وہ ایک مخصوص عہد کو زندہ کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ''شب گزیدہ'' پڑھتے ہوئے قاری صرف کہانی نہیں پڑھتا بلکہ ایک مکمل تہذیبی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

مجموعی طور پر ''شب گزیدہ'' کی زبان میں مقامی رنگ، اسلوب میں ادبی شکوہ، مکالموں میں فطری پن اور منظر نگاری میں جزئیات کی فراوانی موجود ہے۔ زبان و اسلوب، مکالمہ اور منظر نگاری ایک دوسرے سے مربوط ہو کر ناول کے فنی حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔یہی خصوصیات ''شب گزیدہ'' کو ایک مؤثر علاقائی، معاشرتی اور تہذیبی ناول بناتی ہیں۔

سوال ۳۔ ''شب گزیدہ'' کے عنوان کی علامتی معنویت واضح کرتے ہوئے ناول کے مجموعی فکری تصور سے اس کا تعلق بیان کیجیے۔

کسی بھی ادبی تخلیق کا عنوان اس کے مرکزی خیال اور مجموعی فکری فضا کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ قاضی عبدالستار کے ناول **''شب گزیدہ ''** کا عنوان بھی گہری **علامتی معنویت** رکھتا ہے اور پورے ناول کے فکری تصور سے مضبوطی کے ساتھ مربوط ہے۔ ''شب'' کے لغوی معنی **رات یا تاریکی** کے ہیں، جب کہ ''گزیدہ'' میں ڈسے جانے، زخمی ہونے یا کسی تکلیف سے متاثر ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔اس اعتبار سے ''شب گزیدہ'' ایک ایسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں کوئی فرد یا معاشرہ تاریکی، اضطراب، زوال اور شکست سے متاثر ہو چکا ہو۔ ناول کے تناظر میں یہ عنوان اودھ کی زوال پذیر جاگیر دارانہ تہذیب کی مجموعی کیفیت کی علامت بن جاتا ہے۔

ناول میں ایک طرف ماضی کی **شان و شوکت، روایات، تہذیبی اقدار اور جاگیر دارانہ نظام** موجود ہے، لیکن دوسری طرف اس نظام کے اندر زوال کے آثار بھی نمایاں ہو چکے ہیں۔ پرانا طبقہ اپنے ماضی سے وابستہ ہے مگر بدلتے ہوئے حالات اس کے وجود کو مسلسل متاثر کر رہے ہیں۔اس اعتبار سے ''شب گزیدہ'' ایک ایسی تہذیب کی علامت ہے جو زمانے کی تبدیلی سے زخمی ہو چکی ہے۔

عنوان کا تعلق **قدیم اور جدید کے تصادم** سے بھی ہے۔ پرانی نسل ماضی کی روایات اور اقدار کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے، جب کہ نئی نسل مستقبل کی طرف دیکھ رہی ہے۔ جمیؔ اسی نئی ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے والد کا کردار پرانے نظام اور تہذیبی روایت کی علامت ہے۔ دونوں کے درمیان اختلاف دراصل دو عہدوں کے درمیان کشمکش کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

''شب گزیدہ'' میں زوال صرف ایک خاندان یا جاگیر دار طبقے کا زوال نہیں بلکہ ایک **مکمل تہذیبی دنیا کے بکھرنے** کا المیہ ہے۔ حویلی، جاگیر دارانہ تعلقات، روایتی آداب، پرانی معاشرت اور مخصوص طرزِ زندگی سب ایک تاریخی تبدیلی کی زد میں ہیں۔ اس لیے ''شب'' پورے عہد کی تاریکی اور ''گزیدہ'' اس عہد کے زخمی ہونے کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عنوان میں **نفسیاتی معنویت** بھی موجود ہے۔ زوال پذیر طبقے کے افراد صرف خارجی طور پر نہیں بلکہ اندر سے بھی شکست خوردہ ہیں۔ انہیں اپنے ماضی کے خاتمے کا احساس ہے، لیکن وہ نئے حالات کو پوری طرح قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس ذہنی کشمکش سے اضطراب، خوف، بے یقینی اور محرومی پیدا ہوتی ہے۔ اس عنوان کا تعلق ناول کے **تہذیبی شعور** سے بھی ہے۔ قاضی عبدالستار ماضی کو محض ختم شدہ زمانہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کی تہذیبی یادداشت اور انسانی اقدار کو اہمیت دیتے ہیں۔ اسی لیے ناول میں ماضی کے زوال کا دکھ محسوس ہوتا ہے، تاہم مصنف تبدیلی کے عمل کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔

مجموعی طور پر ''شب گزیدہ'' ایک جامع علامت ہے۔ یہ تاریکی، زوال، تہذیبی شکست، ذہنی اضطراب اور تاریخی تبدیلی کی نمائندگی کرتا ہے۔ عنوان ناول کے کرداروں، ماحول، معاشرتی تبدیلی اور فکری کشمکش سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ پورا ناول اس عنوان کی معنوی توسیع محسوس ہوتا ہے۔ یہی عنوان کی فنی کامیابی ہے۔

سوال ۴۔ قاضی عبدالستار کی ناول نگاری میں تاریخ، تہذیب، تخیل اور فکشن کے باہمی امتزاج کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

قاضی عبدالستار اردو کے ممتاز ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے **تاریخ، تہذیب، تخیل اور فکشن** کو باہم مربوط کر کے تاریخی اور معاشرتی ناول نگاری کو ایک منفرد شناخت عطا کی۔ ان کے نزدیک تاریخ محض ماضی کے واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی زندگی، تہذیب، معاشرت، سیاسی کشمکش اور نفسیاتی تجربات کا وسیع مطالعہ ہے۔ قاضی عبدالستار کے تاریخی ناولوں میں **تاریخ** بنیادی مواد فراہم کرتی ہے، لیکن وہ تاریخ کو خشک اور بے جان معلومات کی صورت میں پیش نہیں کرتے۔ ''صلاح الدین ایوبی''، ''خالد بن ولید''، ''داراشکوہ'' اور ''غالب'' جیسے ناولوں میں تاریخی کردار اور واقعات موجود ہیں، لیکن ان کے گرد ایک مکمل فکشنل دنیا بھی تخلیق کی گئی ہے۔ تاریخی واقعات کو کرداروں کے جذبات، مکالموں، کشمکش اور انسانی تجربات سے مربوط کیا گیا ہے۔

ان کے یہاں **تہذیب** تاریخ کا لازمی حصہ بن جاتی ہے۔ وہ کسی عہد کو پیش کرتے ہوئے صرف بادشاہ، جنگ یا سیاسی واقعات بیان نہیں کرتے بلکہ اس عہد کی زبان، لباس، رہن سہن، رسوم و رواج، مذہبی تصورات، معاشرتی تعلقات اور اجتماعی نفسیات کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول تاریخی معلومات کے ساتھ تہذیبی دستاویز کی حیثیت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

تخیل قاضی عبدالستار کے فن کا وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے تاریخی مواد ایک زندہ فکشن میں تبدیل ہوتا ہے۔ تاریخی کتاب میں واقعات اور کردار اپنی محدود صورت میں موجود ہوتے ہیں، لیکن ناول نگار تخیل کے ذریعے ان کے درمیان تعلق، ماحول، جذبات اور ڈرامائی صورتِ حال پیدا کرتا ہے۔ قاضی عبدالستار نے اسی تخلیقی قوت کے ذریعے تاریخی کرداروں کو محض ماضی کی شخصیات کے بجائے جیتے جاگتے انسانوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں **فکشن** تاریخ کو انسانی تجربے میں تبدیل کرتا ہے۔ تاریخی واقعات کو کرداروں کی زندگی کے ذریعے محسوس کیا جاتا ہے۔ ''غالب'' میں مرزا غالب کی ذاتی زندگی اور 1857ء کے تاریخی واقعات ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ''داراشکوہ'' میں مغلیہ سلطنت کی اقتدار کی کشمکش کو داراشکوہ اور اورنگ زیب کی شخصیتوں کے ذریعے فکشنل صورت دی گئی ہے۔

''شب گزیدہ'' میں بھی تاریخ اور فکشن کا امتزاج نمایاں ہے۔ یہاں کسی ایک بڑے تاریخی واقعے کے بجائے **ایک مخصوص تہذیبی اور معاشرتی عہد کی تبدیلی** کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اودھ کی جاگیر دارانہ تہذیب، اس کے رسم و رواج، طبقاتی نظام، خاندانی تعلقات اور نئی سیاسی صورتِ حال کرداروں کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ جمیّ اور اس کے والد کی کشمکش ایک خاندان کی کہانی ہونے کے ساتھ ساتھ دو مختلف عہدوں کے تصادم کی نمائندگی کرتی ہے۔

قاضی عبدالستار کے یہاں **زبان** بھی تاریخ اور تہذیب کے امتزاج کا اہم وسیلہ ہے۔ مختلف عہد اور علاقوں کے کرداروں کے لیے ان کی زبان بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ مغلیہ ماحول میں شاہانہ اور تہذیبی لفظیات، عرب کے تاریخی ماحول میں مخصوص تہذیبی رنگ اور ''شب گزیدہ'' میں اودھی اور مقامی محاورات کا استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ مصنف زبان کو صرف اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیبی شناخت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

ان کی **منظر نگاری** بھی تاریخ اور فکشن کو مربوط کرتی ہے۔ دربار، محلات، میدانِ جنگ، حویلیاں، دیہات، بازار اور عوامی زندگی کے مناظر تاریخی ماحول کو بصری شکل دیتے ہیں۔ قاری کو محض یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی دور میں کیا واقعہ پیش آیا بلکہ وہ اس دور کے ماحول اور معاشرت کو محسوس بھی کرتا ہے۔ فنی اعتبار سے **فلیش بیک** جیسی تکنیکوں کا استعمال بھی اہم ہے۔ خاص طور پر ''غالب'' میں ماضی اور حال کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے تاریخی واقعات کو فکشنل تسلسل دیا گیا ہے۔ اس سے بیانیے میں

تجسس، ڈرامائیت اور نفسیاتی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔تاہم تنقیدی طور پر یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ تاریخی ناول میں **تاریخی حقیقت اور تخیل** کے درمیان توازن قائم رکھنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ ناول نگار اگر تخیل کو بہت زیادہ آزادی دے تو تاریخی حقیقت متاثر ہو سکتی ہے اور اگر تاریخ کو بالکل جوں کا توں بیان کرے تو فکشن کی تخلیقی قوت کم ہو سکتی ہے۔ قاضی عبدالستار نے عمومی طور پر دونوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی، اگرچہ بعض مقامات پر ان کی تخلیقی تعبیر تاریخی کرداروں اور واقعات پر غالب آتی ہوئی محسوس ہو سکتی ہے۔

مجموعی طور پر قاضی عبدالستار کی ناول نگاری کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے **تاریخ کو فکشن، تہذیب کو انسانی تجربے اور تخیل کو تاریخی شعور** کے ساتھ مربوط کیا۔ان کے ناولوں میں ماضی صرف گزرے ہوئے زمانے کا نام نہیں بلکہ انسانی زندگی اور تہذیبی اقدار کو سمجھنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔یہی تاریخ، تہذیب، تخیل اور فکشن کا امتزاج قاضی عبدالستار کو اردو کے اہم اور منفرد ناول نگاروں میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

9.9 امدادی کتب

۱۔شب گزیدہ۔ قاضی عبدالستار
۲۔اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ڈاکٹر احسن فاروقی
۳۔ناول کا فن۔ای ایم فارسٹر۔ترجمہ ابوالکلام قاسمی
۴۔بیسویں صدی میں اُردو ناول۔ڈاکٹر یوسف سرمست
۵۔داستان سے افسانے تک۔وقار اعظیم
۶۔اُردو ناول کی تاریخ و تنقید۔علی عباس حسینی
۷۔ادبی تخلیق اور ناول۔احسن فاروقی
۸۔قرۃ العین حیدر کا فن۔عبدالمغنی
۹۔اُردو ناول بیسویں صدی میں۔عبدالسلام
۱۰۔ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول۔ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۱۔ تفہیم و تعبیر۔ڈاکٹر محمد ریاض احمد
۱۲۔1970 کے بعد کے اہم فکشن نگار۔ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

سبق نمبر ۱۰۔ عبدالصمد کی ناول نگاری اور ''دو گززمین'' کا فنی جائزہ

ساخت

10.0 اغراض و مقاصد

10.1 تعارف

10.2 عبدالصمد کی ناول نگاری

10.2.0 ''دو گززمین'' کا فنی جائزہ

10.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

10.4 عمومی جائزہ

10.5 فرہنگ

10.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

10.7 مشقی سوالات

10.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

10.9 امدادی کتب

10.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ **عبدالصمد کی ناول نگاری** کے اہم فکری اور فنی پہلوؤں سے واقف ہو سکیں گے۔ آپ ان کے ادبی مقام، ناول نگاری کے بنیادی رجحانات اور ان کے ناولوں میں پیش کیے گئے سماجی، معاشرتی، سیاسی اور انسانی مسائل کو سمجھ سکیں گے۔ اس سبق کے ذریعے آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ عبدالصمد نے اردو ناول کی روایت میں کن موضوعات کو اہمیت دی اور ان کے اسلوب، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور حقیقت نگاری کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں۔

اس سبق میں آپ عبدالصمد کے معروف ناول **"دو گز زمین "** کا تفصیلی فنی و تنقیدی مطالعہ کریں گے۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ ناول کے موضوع، مرکزی خیال، پلاٹ، کرداروں، سماجی و معاشرتی پس منظر اور بنیادی مسائل کا جائزہ لے سکیں گے۔ خصوصاً آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ناول میں زمین، انسان، معاشرتی ناہمواری، محرومی، غربت اور انسانی جدوجہد جیسے مسائل کس طرح فنی انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

آپ **"دو گز زمین "** میں حقیقت نگاری، سماجی شعور، انسانی ہمدردی اور معاشرتی مسائل کی عکاسی کا تجزیہ کر سکیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی جان سکیں گے کہ عبدالصمد نے عام انسان کی زندگی، اس کے مسائل، محرومیوں اور بنیادی انسانی ضرورتوں کو کس طرح ناول کے فکری ڈھانچے کا حصہ بنایا ہے۔ اس سبق کے اختتام پر آپ عبدالصمد کی ناول نگاری کی انفرادیت کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ **"دو گز زمین "** کی فنی خصوصیات، زبان و اسلوب، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور علامتی معنویت کا تنقیدی جائزہ لینے کے قابل ہو جائیں گے۔

10.1 تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اردو ناول کی روایت ایک طویل تاریخی سفر سے گزرتے ہوئے آج اس مقام تک پہنچی ہے جہاں یہ انسانی زندگی کے تقریباً ہر اہم پہلو کو اپنے اندر سمیٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ابتدا میں ناول میں داستانی عناصر، اصلاحی مقاصد اور معاشرتی زندگی کی عکاسی کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کے موضوعات اور فنی تقاضے وسیع ہوتے گئے۔ بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی حالات نے ناول نگاروں کو نئے موضوعات، نئے کردار اور نئے فنی طریقے اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ جدید اردو ناول میں فرد اور معاشرے کے تعلق، طبقاتی تفاوت، معاشی مسائل، سیاسی کشمکش، شہری زندگی، تہذیبی انتشار، انسانی تنہائی اور بدلتی ہوئی اقدار جیسے موضوعات نمایاں ہونے لگے۔

اس سبق میں آپ اردو ناول کے اسی جدید اور اہم مرحلے کا مطالعہ کریں گے۔ آپ کو تین اہم ناول نگاروں **عبدالصمد، الیاس احمد گدی اور پیغام آفاقی** کی ناول نگاری سے متعارف کرایا جائے گا اور ان کی اہم تخلیقات کے ذریعے جدید اردو ناول کے مختلف فکری اور فنی رجحانات کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔ ان ناول نگاروں کا انتخاب اس اعتبار سے اہم ہے کہ ان کے یہاں زندگی کو دیکھنے کے انداز، موضوعات کے انتخاب اور فنی اظہار میں نمایاں تنوع پایا جاتا ہے، لیکن تینوں کے فکشن میں اپنے عہد کی زندگی اور انسان کے مسائل کی گہری ترجمانی موجود ہے۔

سب سے پہلے آپ **عبدالصمد کی ناول نگاری** کا مطالعہ کریں گے۔ عبدالصمد نے اپنے فکشن میں انسانی زندگی اور معاشرتی حالات کو خاص اہمیت دی ہے۔ ان کے ناولوں میں فرد اپنے گرد و پیش کے حالات سے الگ تھلگ نہیں بلکہ معاشرتی اور تاریخی صورتِ حال سے مسلسل متاثر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ناول نگاری کے مطالعے سے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ایک ناول نگار اپنے عہد کے مسائل اور انسانی تجربات کو کس طرح کہانی، کردار اور واقعات کے ذریعے پیش کرتا ہے۔

عبدالصمد کے حوالے سے آپ ان کے ناول **"دو گز زمین "** کا فنی جائزہ بھی لیں گے۔ اس ناول کے مطالعے میں آپ یہ دیکھیں گے کہ ناول نگار نے موضوع کو کس طرح فنی وحدت عطا کی ہے، کردار کس طرح کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں، مکالمے کس طرح کرداروں کے مزاج اور ذہنی کیفیت کو واضح کرتے ہیں اور زبان و بیان کس طرح ناول کی فضا کو مؤثر بناتے ہیں۔ اس طرح آپ کو کسی ناول کے محض واقعات بیان کرنے کے بجائے اس کے فنی عناصر کا تنقیدی جائزہ لینے کی تربیت حاصل ہو گی۔

اس کے بعد آپ **الیاس احمد گدی** کی ناول نگاری کا مطالعہ کریں گے۔ الیاس احمد گدی کے فکشن میں سماجی حقیقت نگاری اور محروم طبقات کی زندگی کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے ناولوں میں معاشی ناہمواری، غربت، استحصال اور انسانی جدوجہد جیسے مسائل نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کا فکشن آپ کو یہ سمجھنے میں مدد دے گا کہ ناول کس طرح معاشرے کے ان طبقات کی آواز بن سکتا ہے جو عام طور پر طاقت ور طبقوں کے بیانیے میں نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

الیاس احمد گدی کے ناول **"فائر ایریا "** کے فکری و فنی مطالعے کے دوران آپ اس کے موضوعات اور سماجی پس منظر کو سمجھیں گے۔ آپ یہ جائزہ لیں گے کہ ناول نگار نے اپنے عہد کی معاشی اور معاشرتی حقیقتوں کو کن کرداروں اور واقعات کے ذریعے پیش کیا ہے اور کس طرح فنی تکنیک کے ذریعے ان مسائل کو مؤثر بنایا ہے۔ اس مطالعے سے آپ کو حقیقت نگاری اور سماجی شعور کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

سبق کے اگلے حصے میں آپ **پیغام آفاقی** کی ناول نگاری سے واقف ہوں گے۔ پیغام آفاقی جدید اردو ناول کے ان اہم ناموں میں شامل ہیں جنہوں نے شہری زندگی اور جدید معاشرے کے مسائل کو اپنے فکشن میں جگہ دی۔ان کے یہاں فرد صرف معاشرے کا ایک معمولی رکن نہیں بلکہ اپنے وجود، خواہشات، رشتوں اور معاشرتی حالات کے درمیان مسلسل کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے۔ان کی ناول نگاری کے مطالعے سے آپ جدید زندگی کی پیچیدگیوں اور فرد کی داخلی و خارجی مشکلات کو سمجھنے کے قابل ہوں گے۔

پیغام آفاقی کے ناول **''مکان ''** کے فنی مطالعے میں آپ ناول کے مرکزی موضوع اور اس سے وابستہ سماجی و انسانی مسائل کا جائزہ لیں گے۔آپ یہ دیکھیں گے کہ مکان جیسی بظاہر معمولی اور مادی ضرورت کس طرح انسانی خواہشات، معاشرتی حیثیت، رشتوں، مفادات اور زندگی کے دوسرے مسائل سے جڑ جاتی ہے۔اس ناول کے ذریعے جدید معاشرے میں انسان اور اس کے ماحول کے تعلق کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

اس طرح پورا سبق آپ کو جدید اردو ناول کے ایک وسیع منظر نامے سے متعارف کراتا ہے۔آپ ایک طرف ناول نگاروں کی انفرادی خصوصیات کا مطالعہ کریں گے اور دوسری طرف ان کے ناولوں کے ذریعے اپنے عہد کے اہم مسائل اور فکری رجحانات کو سمجھیں گے۔ **''دو گز زمین''، ''فائر ایریا'' اور ''مکان ''** تینوں تخلیقات کا مطالعہ آپ کو یہ سمجھنے میں مدد دے گا کہ مختلف ناول نگار ایک ہی معاشرتی حقیقت کو اپنے مخصوص تجربے، نقطۂ نظر اور اسلوب کے ذریعے مختلف انداز میں پیش کر سکتے ہیں۔

مجموعی طور پر اس سبق کا مقصد آپ کو جدید اردو ناول کے مطالعے کے لیے ایک جامع فکری اور فنی بنیاد فراہم کرنا ہے۔آپ اس سبق کے اختتام تک یہ سمجھنے کے قابل ہوں گے کہ جدید ناول اپنے عہد کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے پوشیدہ مسائل، معاشرتی تضادات اور بدلتی ہوئی اقدار کو بھی آشکار کرتا ہے۔اس طرح یہ سبق آپ کے اندر نہ صرف جدید اردو ناول کو سمجھنے کا شعور پیدا کرے گا بلکہ آپ کو کسی ادبی تخلیق کے **موضوعاتی، فکری، فنی اور اسلوبیاتی پہلوؤں** کا متوازن تنقیدی جائزہ لینے کے قابل بھی بنائے گا۔

10.2 عبدالصمد کی ناول نگاری

اردو ناول نگاری کے ارتقا میں عبدالصمد کا حصہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے۔یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ عبدالصمد کے ناول ''دو گز زمین'' کی اشاعت سے قبل اردو کے بیشتر فن کار افسانہ نگاری کی طرف زیادہ متوجہ تھے اور ناول نگاری کے مقابلے میں افسانہ ان کی تخلیقی ترجیحات میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا، لیکن ''دو گز زمین'' کی اشاعت اور اسے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازے جانے کے بعد اردو ناول کے بارے میں صورتِ حال میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔افسانہ نگاروں اور دوسرے

اہلِ قلم نے ناول کی طرف بھی سنجیدگی سے توجہ دینا شروع کی۔ اس اعتبار سے یہ کہنا درست ہوگا کہ عبدالصمد نے اپنے معاصرین کے درمیان اردو ناول کی اہمیت کو ایک مرتبہ پھر اجاگر کیا اور اسے قبولِ عام کی نئی فضا فراہم کی۔ ''دو گز زمین'' کے بعد بھی عبدالصمد کا ناول نگاری کا سفر جاری رہا اور انہوں نے ''مہاتما''، ''خوابوں کا سویرا''، ''دھمک''، ''بکھرے اوراق'' اور ''شکست کی آواز'' جیسے ناول تخلیق کیے۔ ان کے ناول موضوعاتی اور اسلوبیاتی دونوں اعتبار سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ مختلف اور متنوع موضوعات کو فنی سلیقے کے ساتھ پیش کرنا اور سادہ، خوب صورت اور مؤثر طرزِ بیان اختیار کرنا ان کی ناول نگاری کی بنیادی شناخت قرار دیا جاسکتا ہے۔

عبدالصمد کا اختصاص یہ ہے کہ وہ اپنے ناولوں میں فنی عناصر کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ برتتے ہیں۔ کردار نگاری، پلاٹ، واقعہ نگاری، مکالمہ، منظر کشی، فضا آفرینی، پیکر تراشی اور زبان و بیان جیسے عناصر ان کے یہاں ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ خصوصاً کرداروں کو تخلیق کرنے میں انہیں غیر معمولی مہارت حاصل ہے۔ ان کے یہاں مرکزی کرداروں کے ساتھ ذیلی کردار بھی اپنی اہمیت اور سماجی شناخت قائم کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ یہ کردار محض ناول کے واقعات کو آگے بڑھانے یا خلا کو پُر کرنے کے لیے شامل نہیں کیے جاتے بلکہ اپنی الگ شخصیت، نفسیات اور سماجی پس منظر کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ ''دو گز زمین''، ''مہاتما'' اور ''خوابوں کا سویرا'' کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عبدالصمد کے کردار اپنے اپنے ماحول اور حالات سے گہرا ربط رکھتے ہیں اور ان کے عمل و ردِ عمل کے ذریعے ناول کا مرکزی خیال زیادہ مؤثر صورت میں سامنے آتا ہے۔

''دو گز زمین'' میں عبدالصمد کی کردار نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ عام طور پر ناول میں مرکزی کرداروں کو نمایاں کرنے کے لیے ضمنی کرداروں کو ثانوی حیثیت دے دی جاتی ہے، لیکن عبدالصمد نے اس روایت سے گریز کیا ہے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے کرداروں کو بھی ایک مستقل سماجی شناخت عطا کی ہے۔ شیخ امداد حسین کا کردار اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہ کردار بہت مختصر انداز میں سامنے آتا ہے اور بنیادی طور پر شیخ الطاف حسین کے خاندانی پس منظر کی وضاحت کے لیے پیش کیا گیا ہے، لیکن اس مختصر پیش کش کے باوجود شیخ امداد حسین ایک مخصوص تہذیب، سماج اور ماحول کے نمائندے کی حیثیت سے قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ الطاف حسین کا کردار بھی ناول کے منظر نامے پر مختصر وقت کے لیے آتا ہے، لیکن اپنی الگ انفرادی حیثیت قائم کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبدالصمد کے نزدیک کسی کردار کی اہمیت اس بات سے متعین نہیں ہوتی کہ وہ ناول میں کتنے صفحات یا کتنے واقعات میں موجود ہے بلکہ اس کی فنی معنویت اور سماجی حیثیت اسے

اہم بناتی ہے۔ ''دو گز زمین'' کے مرکزی کردار اختر حسین کے ذریعے عبدالصمد نے ایک پوری اجتماعی تہذیبی زندگی کی نمائندگی کی ہے۔ اختر حسین کی حرکات و سکنات، اعمال اور ردِ عمل کے نتیجے میں ہندوستان کی مختلف سیاسی تحریکات اور آزادی کی جدوجہد کے مختلف مناظر سامنے آتے ہیں۔ تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہدین اور سیاسی رہنماؤں سے قاری کی ملاقات کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ ہوتی ہے اور ہندوستان پر انگریزوں کی انتظامی گرفت، اس کی شکست وریخت اور بدلتے ہوئے سیاسی حالات بھی ناول کے منظرنامے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ عبدالصمد نے کانگریس، مسلم لیگ، تحریکِ خلافت اور دوسری سیاسی و سماجی تحریکوں کی تصویر کشی بھی ایک متوازن اور معروضی انداز میں کی ہے۔ اس طرح اختر حسین صرف ایک فرد نہیں رہتا بلکہ اپنے عہد کی اجتماعی زندگی، سیاسی کشمکش اور تہذیبی تبدیلیوں کا نمائندہ بن جاتا ہے۔

''دو گز زمین'' میں کرداروں کی عمومیت کے ساتھ ان کی انفرادی نفسیات کو بھی بڑی فن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اختر حسین کے کردار میں ایک خاص ذہن کی نمائندگی ضرور ملتی ہے، لیکن اس کے ہر عمل کے پس منظر میں اس کی ذاتی زندگی کے نشیب و فراز اور داخلی عوامل بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔ اس طرح ناول کے کردار بیک وقت دو سطحوں پر موجود دکھائی دیتے ہیں۔ ایک طرف وہ اپنے معاشرے، طبقے اور عہد کی نمائندگی کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کی اپنی انفرادی نفسیات بھی ہوتی ہے۔ یہی خصوصیت عبدالصمد کی کردار نگاری کو زیادہ جاندار اور حقیقی بناتی ہے۔ اصغر حسین کی مثال بھی اسی سلسلے میں اہم ہے۔ ان کا پاکستانی ہونا ان کی زندگی کا ایک رخ ہے، جب کہ ان کے مخطوطات ان کی زندگی کے دوسرے رخ کو ظاہر کرتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے نتیجے میں ایک ہی خاندان کے بعض افراد کا ہندوستان میں اور بعض کا پاکستان میں رہ جانا جس ذہنی کرب کو جنم دیتا ہے، عبدالصمد نے اسے کرداروں کی نفسیات اور ان کے ردِ عمل کے ذریعے اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری خود کو اس کرب میں شریک محسوس کرنے لگتا ہے۔

عبدالصمد کی فنی کامیابی یہ ہے کہ وہ کسی مسئلے کو محض اس کی ظاہری صورت میں پیش نہیں کرتے بلکہ اسے انسانی حالات اور جذبات کے ساتھ مربوط کر دیتے ہیں۔ تقسیمِ ہند ان کے یہاں صرف ایک سیاسی واقعہ نہیں بلکہ انسانی رشتوں، یادوں، شناخت، تہذیب اور نفسیات کو متاثر کرنے والا ایک عظیم المیہ بن جاتی ہے۔ اسی لیے ''دو گز زمین'' میں کرداروں کے دو رخ نمایاں ہوتے ہیں؛ ایک رخ ان کی اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا ان کی داخلی اور ذاتی زندگی سے۔ یہی امتزاج ان کرداروں کو زندہ اور پائیدار بناتا ہے۔ عبدالصمد کی قوتِ مشاہدہ نے بھی ان کرداروں کو حقیقی اور عمومی خدوخال عطا کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار مطالعے کے بعد دیر تک قاری کے ذہن میں موجود رہتے ہیں۔

''دو گز زمین'' میں کردار نگاری کے ساتھ ساتھ پلاٹ کی تنظیم بھی عبدالصمد کی فنی پختگی کی دلیل ہے۔ انہوں نے ایک بڑے تاریخی واقعے کو ناول کا موضوع بنایا ہے، اس لیے واقعات کی ترتیب اور ان کے باہمی ربط پر خصوصی توجہ دینا ضروری تھا۔ ناول کا پلاٹ بڑے حقیقی واقعات کے زیرِ اثر رونما ہونے والے چھوٹے چھوٹے واقعات سے تشکیل پاتا ہے۔ ان واقعات میں منطقی ربط و تسلسل موجود ہے اور ہر واقعہ اپنے پچھلے واقعے کا منطقی نتیجہ محسوس ہوتا ہے۔ واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ابتدا سے انتہا تک کہانی ایک منظم انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے ناول میں کہیں خلا یا بے ربطی کا احساس نہیں ہوتا۔ سیاسی انتشار، معاشرتی کج روی اور تہذیبی شکست وریخت کی پیش کش کے باوجود ناول کا بنیادی تسلسل قائم رہتا ہے اور قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے۔

عبدالصمد کی واقعہ نگاری کا ایک نمایاں وصف تناسب اور توازن ہے۔ وہ بڑے واقعات کو چھوٹے واقعات کے ذریعے آگے بڑھاتے ہیں اور ہر واقعے کو ناول کی مجموعی ساخت سے اس طرح مربوط رکھتے ہیں کہ پلاٹ بکھرنے نہیں پاتا۔ ڈاکٹر محمد شاہد حسین کے خیال کے مطابق اس ناول کا پلاٹ بڑے بڑے حقیقی واقعات کے زیرِ اثر رونما ہونے والے چھوٹے واقعات سے تیار ہوتا ہے، جن میں منطقی ربط اور تسلسل موجود ہے۔ عبدالصمد نے بڑے تاریخی واقعے کی پیش کش کے باوجود فنی عناصر پر اپنی گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دی۔ ان کی یہی فنی احتیاط ''دو گز زمین'' کو ایک مربوط اور مؤثر ناول بناتی ہے۔ عبدالصمد کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے ناول کے کسی کردار کو اپنی ذاتی شخصیت، نظریے، عقیدے یا مسلک کا محض ترجمان نہیں بناتے۔ اردو ناول کی روایت میں یہ رجحان عام رہا ہے کہ مرکزی کردار کسی نہ کسی سطح پر فن کار کی اپنی شخصیت کا عکس بن جاتا ہے، لیکن عبدالصمد نے فن کار کی شخصیت کو کرداروں پر مسلط نہیں کیا۔ لطف الرحمن کے حوالے سے فراہم کردہ متن میں بھی یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ''دو گز زمین'' میں فن کار کی شخصیت موضوع، فن اور ماحول کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ ہو گئی ہے کہ وہ قاری اور فن کے درمیان حائل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالصمد کے کردار اپنی آزاد شخصیت اور اپنی داخلی منطق کے ساتھ زندگی بسر کرتے محسوس ہوتے ہیں۔

''دو گز زمین'' میں پیکر تراشی بھی قابلِ ذکر ہے۔ عبدالصمد صرف جیتی جاگتی اشیا، افراد اور مناظر کی تصویر کشی تک محدود نہیں رہتے بلکہ غیر محسوس کیفیات کو بھی محسوس شکل عطا کرتے ہیں۔ مثلاً ''بس میں خاموشی طاری تھی لیکن یہ خاموشی کراہتی ہوئی سی لگ رہی تھی'' جیسے جملے میں خاموشی جیسی غیر محسوس کیفیت کو کراہنے والے پیکر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح خوشی کو

ہاتھوں سے چھونے کی خواہش ایک داخلی جذبے کو محسوس صورت عطا کرتی ہے۔اس نوع کی پیکر تراشی عبدالصمد کے فنی شعور اور تخلیقی قوت کا ثبوت ہے۔

''دو گز زمین''کا اسلوب عمومی طور پر سادہ، سلیس اور بیانیہ ہے، لیکن عبدالصمد موقع و محل کے مطابق شاعرانہ اور فلسفیانہ نثر سے بھی کام لیتے ہیں۔اس طرح ان کے بیانیے میں ایک خاص متانت اور شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔''تاروں پر جب اس نے اپنی مانوس انگلیاں پھیلائیں تو ار تعاش کی ہلکی ہلکی صدا میں بلند ہوئیں''اور''وقت۔۔۔اونچائی سے بہتا ہوا وقت۔۔۔کتنی چٹانوں پر سر تکتا ہوا کتنی چٹانوں کو توڑتا ہوا'' جیسے جملے ان کے اسلوب کی شاعرانہ اور فلسفیانہ کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔فراہم کردہ متن میں اس نثر کو کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی کی یاد دلانے والی نثر قرار دیا گیا ہے۔اسلوب کی یہی سادگی اور موقع کی مناسبت سے پیدا ہونے والی شاعرانہ کیفیت عبدالصمد کی نثر کو منفرد بناتی ہے۔

''دو گز زمین'' میں غیر جانب داری بھی ایک اہم فنی وصف ہے۔عبدالصمد نے تقسیمِ ہند جیسے حساس اور جذباتی موضوع کو کسی ایک فریق کے حق یا مخالفت میں فیصلہ سنانے کے بجائے انسانی سطح پر پیش کیا ہے۔انہوں نے یہ طے کرنے کی کوشش نہیں کی کہ تقسیم صحیح تھی یا غلط بلکہ اس حقیقت کو سامنے رکھا کہ قوموں کی زندگی میں بعض ایسے خوفناک لمحات آتے ہیں جو ان کی پوری صورت بدل دیتے ہیں۔زمانہ آگے بڑھتا رہتا ہے اور زندگی بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ نئے بہروپ میں سامنے آتی ہے۔اس غیر جانب دارانہ رویے نے ناول کی فنی معنویت میں اضافہ کیا ہے۔

عبدالصمد کی ناول نگاری میں علاقائیت بھی نمایاں ہے، لیکن ان کی علاقائیت محدود یا تنگ دائرے کی علاقائیت نہیں ہے۔بہار کے علاقے،اس کے لوگ، زبان، محاورے اور تہذیبی فضاان کے ناولوں میں نمایاں نظر آتے ہیں، لیکن وہ ایک علاقے کے ذریعے وسیع تر ہندوستانی اور انسانی مسائل کو پیش کرتے ہیں۔''دو گز زمین'' میں بہار شریف کے ایک گاؤں کے پس منظر سے تحریکِ خلافت سے قیامِ بنگلہ دیش تک کے مختلف سیاسی اور سماجی حالات کی تصویر سامنے آتی ہے۔سیاسی انتشار کے ساتھ ذہنی، سماجی، اخلاقی اور ثقافتی انتشار بھی ناول کا حصہ بنتا ہے۔اس طرح ایک مخصوص علاقہ پورے برصغیر کے انسانی اور تہذیبی المیے کی علامت بن جاتا ہے۔

''مہاتما''عبدالصمد کی ناول نگاری کا ایک اور اہم نمونہ ہے۔اس ناول میں قصہ، کردار، پلاٹ، پیٹرن، آہنگ، تجربات و مشاہدات، جذبات و تخیل اور زبان و بیان جیسے فنی عناصر پوری طرح موجود نظر آتے ہیں۔اس ناول کا بنیادی مسئلہ تعلیمی انتظامیہ کی غلطیوں اور ناہمواریوں سے وابستہ ہے۔عبدالصمد نے مرکزی کردار راکیش کے ذریعے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی محرومی اور بے سمتی کو پیش کیا

ہے۔ایک نوجوان کی کہانی کے ذریعے انہوں نے پوری نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی صورتِ حال کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

''مہاتما'' میں مکالمہ نگاری خاص اہمیت رکھتی ہے۔پروفیسر سنہارا کیش اور راکیش کے درمیان گفتگو کے ذریعے زندگی، رومانیت، قابلیت، ناکامی اور عملی زندگی کے تقاضوں پر گفتگو سامنے آتی ہے۔پروفیسر سنہارا کیش راکیش کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ محض رومانیت اور خوابوں میں زندگی گزارنے کے بجائے عملی زندگی کے تقاضوں کو سمجھنا ضروری ہے۔اس مکالمے کے ذریعے عبدالصمد نے ایک فرد کو نصیحت نہیں کی بلکہ تعلیم یافتہ نوجوان نسل کے ایک بڑے مسئلے کو سامنے رکھا ہے۔ مکالمہ کردار کی شخصیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ناول کے مرکزی خیال کو بھی مضبوط کرتا ہے۔

''مہاتما'' میں سیاسی نظام کے اثرات سے تعلیمی نظام کے متاثر ہونے کی صورتِ حال کو بھی فن کارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ نوجوان کی محرومی کے ذریعے نئی نسل کے مسائل کی عکاسی ہوتی ہے۔عبدالصمد حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے فنی لوازم کو پوری احتیاط کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔اس ناول کا تقریباً دو تہائی حصہ بیانیہ انداز میں مصنف کے ذریعے بیان ہوا ہے،جب کہ مکالموں کے ذریعے کرداروں کے فکری اختلافات اور داخلی کیفیتیں بھی سامنے آتی ہیں۔

زبان و بیان کے اعتبار سے ''مہاتما'' کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔عبدالصمد نے ضرورت کے مطابق ہندی اور انگریزی الفاظ کے ساتھ ساتھ بہار کی علاقائی بولی اور روزمرہ زبان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ''اوکھلی میں سر''، ''اگیا بتال''، ''آوے کا آوا''، ''جوا اٹھانا''، ''پھسڈی ہونا''، ''بودا ہونا'' اور ''من مٹاؤ'' جیسے محاورے ناول کی علاقائی فضا کو مضبوط بناتے ہیں۔ شہری ماحول میں علاقائی محاوروں کا استعمال بعض مقامات پر غیر مانوس محسوس ہو سکتا ہے، لیکن مجموعی طور پر روزمرہ اور علاقائی زبان کے استعمال سے ناول کی روانی اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔اس طرح عبدالصمد کی زبان اپنے علاقے کی تہذیب، ثقافت اور معاشرتی زندگی کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔

''خوابوں کا سویرا'' میں عبدالصمد کی ناول نگاری ایک اور فکری اور فنی جہت اختیار کرتی ہے۔اس ناول میں سیاسی حالات کو ربط و تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور زندہ، متحرک اور پہلو دار کردار تخلیق کیے گئے ہیں۔ یہ کردار صرف اپنے معاشرے کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ معاشرے کی ابتری پر سوال بھی اٹھاتے ہیں۔اس ناول میں تقسیمِ ہند کے بعد کی صورتِ حال، معاشرتی تبدیلی، زمینداری نظام، وطن سے محبت، تہذیبی وابستگی اور بہتر مستقبل کی امید جیسے عناصر ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔

انوار احمد اس ناول کا ایک اہم کردار ہیں۔ وہ کانگریس پارٹی کے رکن اور زمیندار ہیں، لیکن ان کی شخصیت کا مثبت پہلو یہ ہے کہ وہ غریبوں کے غم خوار ہیں۔ وہ اپنی مٹی سے جدا ہونا نہیں چاہتے اور پاکستان منتقل ہونا گوارا نہیں کرتے، لیکن اپنے بڑے بیٹے آفاق احمد کے بہتر مستقبل کے لیے اسے پاکستان بھیجنے سے انکار بھی نہیں کرتے۔ شادی بیاہ کے معاملے میں وہ خاندانی شجرے کو اہمیت دیتے ہیں، لیکن آفاق احمد کی شادی جابر کی بیٹی کلثوم سے کر دیتے ہیں۔ اس طرح انوار احمد ایک ایسے کردار کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنی روایات سے وابستہ ہونے کے باوجود حالات کے تقاضوں کو سمجھتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے رویوں میں تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

''خوابوں کا سویرا'' میں زمینداری نظام کے خاتمے سے پیدا ہونے والی کشمکش بھی نمایاں ہے۔ ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو زمینداری نظام کے خاتمے سے اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہیں، جب کہ دوسری طرف ان ہی کے درمیان انوار احمد جیسے روشن خیال افراد موجود ہیں۔ عبدالصمد نے متصادم کرداروں اور مختلف نظریات کے ذریعے کشمکش کی فضا پیدا کی ہے جس سے کہانی میں دلچسپی قائم رہتی ہے۔ ہر کردار کو اپنے نظریے اور فکر کے اظہار کی آزادی حاصل ہے اور کوئی بھی کردار محض ایک نظریے کا بے جان نمائندہ محسوس نہیں ہوتا۔

اس ناول کے دوسرے کرداروں میں کلثوم، فخرو چاچا، آفاق احمد اور عالیہ خاتون خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ فخرو چاچا کردار وطن سے محبت، ایثار و قربانی اور تہذیبی وابستگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کے لیے اپنی تہذیب اور ماضی سے تعلق بہت اہم ہے اور یہی وابستگی انہیں وقت کے بہاؤ میں مکمل طور پر بہہ جانے سے روکتی ہے۔ آفاق احمد، کلثوم اور عالیہ خاتون بھی اپنی حرکات و سکنات اور عمل وردِ عمل کے ذریعے ناول کی فضا کو متحرک بناتے ہیں۔ ہاشمی کا کردار اشتراکی سیاست کی نمائندگی کرتا ہے اور اس طرح ناول کے فکری دائرے میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے۔

''خوابوں کا سویرا'' کی ایک اہم معنوی خصوصیت اس کی امید پر مبنی فضا ہے۔ اگر ''دو گز زمین'' میں گم گشتگی، تقسیم اور تہذیبی شکست و ریخت کا المیہ نمایاں ہے تو ''خوابوں کا سویرا'' میں اسی گم گشتگی سے نکلنے اور اپنی منزل کی بازیافت کی امید پیدا ہوتی ہے۔ تقسیم کے بعد دو قوموں کے درمیان پیدا ہونے والی نفاق اور تلخی نے محبت کرنے والے دلوں کو افسردہ کیا، لیکن ناول کے کردار اس اندھیرے میں ایک ایسے سویرا کی تلاش کرتے ہیں جس کا سورج محبت، ملت اور اتحاد کی روشنی لے کر طلوع ہو۔ اس طرح فرقہ واریت اور باہمی نفرت کے مقابلے میں انسانی محبت اور اتحاد کی آرزو ناول کی فکری بنیاد بن جاتی ہے۔

عبدالصمد کی ناول نگاری کا مجموعی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ ان کے یہاں تاریخ، سیاست، معاشرت، تہذیب اور فرد کی نفسیات ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ ''دو گز زمین'' میں تحریکِ آزادی اور تقسیمِ ہند انسانی رشتوں اور نفسیات سے جڑتی ہے، ''مہاتما'' میں سیاسی نظام تعلیمی نظام اور نوجوان نسل کی محرومی پر اثر انداز ہوتا ہے اور ''خوابوں کا سویرا'' میں سیاسی و معاشرتی تبدیلیاں وطن، تہذیب، خاندان اور انسانی رشتوں کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہیں۔ اس طرح عبدالصمد تاریخ کو محض واقعات کے طور پر نہیں بلکہ انسانی تجربے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ان کی ناول نگاری کا ایک بڑا وصف یہ بھی ہے کہ وہ فرد اور معاشرے کے درمیان گہرے تعلق کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کے کردار معاشرے سے الگ تھلگ افراد نہیں بلکہ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات سے مسلسل متاثر ہوتے ہیں۔ تاہم وہ حالات کے مکمل غلام بھی نہیں ہیں۔ وہ حالات کے اندر رہتے ہوئے فیصلے کرتے ہیں، اپنے نظریات قائم کرتے ہیں، بعض اوقات سمجھوتہ کرتے ہیں اور بعض مواقع پر مزاحمت بھی کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے کردار حالات اور اپنی ذات کے درمیان جاری کشمکش کی علامت بن جاتے ہیں۔

عبدالصمد کے ناولوں میں مکالمہ بھی محض گفتگو کا ذریعہ نہیں بلکہ کردار نگاری اور فکر کی ترسیل کا اہم وسیلہ ہے۔ ''مہاتما'' کے مکالمے زندگی کے عملی مسائل اور نوجوانوں کی ذہنی کیفیت کو واضح کرتے ہیں، جب کہ ''خوابوں کا سویرا'' میں مکالموں کے ذریعے مختلف نظریات اور معاشرتی رویوں کا تصادم سامنے آتا ہے۔ اسی طرح ''دو گز زمین'' میں کرداروں کے اعمال وردِ عمل کے ذریعے تاریخی اور سیاسی حالات کی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ یوں مکالمہ عبدالصمد کے یہاں بیک وقت کردار سازی، واقعہ نگاری اور فکری اظہار کا کام انجام دیتا ہے۔

عبدالصمد کی فنی عظمت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بڑے اور پیچیدہ مسائل کو خشک اور خطیبانہ انداز میں پیش نہیں کرتے۔ وہ انہیں کرداروں، واقعات، مکالموں اور ماحول کے اندر جذب کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیمِ ہند، سیاسی انتشار، تعلیمی نظام کی خرابی، زمینداری نظام کی تبدیلی یا تہذیبی شکست جیسے مسائل قاری کے لیے محض نظری مباحث نہیں رہتے بلکہ زندہ انسانی تجربات بن جاتے ہیں۔ ان کے کردار ان مسائل کو جیتے ہیں، ان سے متاثر ہوتے ہیں، ان کے خلاف ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں اور ان کے اندر سے اپنی راہ تلاش کرتے ہیں۔

تمام باتوں کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ عبدالصمد نے اردو ناول کی ترقی میں محض چند کامیاب ناولوں کا اضافہ نہیں کیا بلکہ اردو ناول کو موضوعاتی وسعت، فنی پختگی اور نئے تخلیقی امکانات سے آشنا کیا۔ ''دو گز زمین'' میں تقسیمِ ہند، ہندوستانی مسلمانوں

کے المیے، تحریکِ آزادی اور تہذیبی شکست وریخت کو انسانی نفسیات کے ساتھ مربوط کر کے انہوں نے ایک ایسے ناول کی تخلیق کی جس میں ایک خاندان کی داستان پورے عہد کی داستان بن جاتی ہے۔ ''مہاتما'' میں تعلیم یافتہ نوجوان کی محرومی کے ذریعے تعلیمی اور سیاسی نظام کی ناہمواریوں کو سامنے لایا گیا، جب کہ ''خوابوں کا سویرا'' میں ماضی کے المیے کے ساتھ مستقبل کی امید، وطن سے محبت، تہذیبی وابستگی اور انسانی اتحاد کی آرزو کو پیش کیا گیا ہے۔

مختصراً عبدالصمد کی ناول نگاری کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ وہ **علاقائی زندگی کو وسیع انسانی تجربے سے، تاریخی واقعات کو فرد کی نفسیات سے، سیاسی تبدیلیوں کو معاشرتی زندگی سے اور تہذیبی مسائل کو انسانی رشتوں سے جوڑنے کا ہنر رکھتے ہیں۔** ان کے کردار زندہ، متحرک اور نفسیاتی اعتبار سے قابلِ یقین ہیں؛ ان کے پلاٹ میں منطقی ربط اور تسلسل ہے؛ ان کے مکالمے برجستہ اور معنی خیز ہیں؛ ان کی زبان سادہ، سلیس اور موقع کی مناسبت سے شاعرانہ و فلسفیانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے؛ اور ان کی فضا آفرینی و پیکر تراشی قاری کو ناول کے ماحول میں شریک کر دیتی ہے۔ یہی فنی اور فکری امتزاج عبدالصمد کو اردو ناول کے ارتقائی سفر میں ایک نمایاں مقام عطا کرتا ہے اور ان کی ناول نگاری کو اردو ادب کے اہم اور قابلِ مطالعہ سرمایے کا حصہ بناتا ہے۔

10.2.0 ''دو گز زمین'' کا فنی جائزہ

عبدالصمد کا ناول **''دو گز زمین''** اردو ناول نگاری میں ایک اہم اور نمایاں ادبی کارنامہ ہے۔ اس ناول کی اہمیت صرف اس وجہ سے نہیں کہ اسے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا، بلکہ اس کی اصل قدر اس کے موضوع، کرداروں، پلاٹ، واقعہ نگاری، فضا آفرینی، پیکر تراشی، زبان و بیان اور فنی توازن میں پوشیدہ ہے۔ ناول کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ عبدالصمد نے ایک مخصوص خاندان، علاقے اور طبقے کی زندگی کو وسیع تاریخی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی تناظر میں پیش کیا ہے۔ تحریکِ آزادی سے لے کر تقسیمِ ہند اور اس کے بعد کے حالات تک پھیلا ہوا یہ ناول ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں، ذہنی کرب، تہذیبی شکست وریخت اور شناخت کے مسائل کو انسانی سطح پر پیش کرتا ہے۔ اسی لیے ''دو گز زمین'' محض ایک خاندان کی داستان نہیں رہتا بلکہ ایک پورے عہد کی اجتماعی اور تہذیبی داستان بن جاتا ہے۔

''دو گز زمین'' کی سب سے بڑی فنی خوبی اس کی حقیقت نگاری ہے۔ عبدالصمد نے تاریخی اور سیاسی واقعات کو محض معلومات یا واقعاتی تفصیل کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہیں انسانی زندگی اور کرداروں کے باطن سے مربوط کیا ہے۔ بہار شریف کے ایک گاؤں کے پس منظر میں تحریکِ خلافت سے قیامِ بنگلہ دیش تک کے مختلف سیاسی تغیرات کے ساتھ انسانی تہذیب کی شکست وریخت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول میں سیاسی انتشار کے ساتھ ذہنی، سماجی، اخلاقی اور ثقافتی انتشار بھی نمایاں ہوتا ہے۔

اس طرح تاریخ ناول کے باہر موجود کوئی الگ واقعہ نہیں رہتی بلکہ کرداروں کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ قاری سیاسی تبدیلیوں کو کرداروں کے تجربات اور ان کے دکھ، کرب اور ردِ عمل کے ذریعے محسوس کرتا ہے۔ ناول کی ایک اہم خصوصیت اس کی غیر جانب داری ہے۔ تقسیمِ ہند جیسے حساس اور جذباتی موضوع کو عبدالصمد نے کسی ایک نقطۂ نظر کی تبلیغ کے لیے استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ صادر کرنے کی کوشش نہیں کی کہ تقسیم درست تھی یا غلط، بلکہ اس کے انسانی نتائج کو سامنے رکھا ہے۔ قوموں کی زندگی میں آنے والے خوفناک لمحات کس طرح انسانی زندگی کی پوری صورت تبدیل کر دیتے ہیں، اس حقیقت کو ناول نگار نے کرداروں اور حالات کے ذریعے واضح کیا ہے۔ اس غیر جانب دارانہ رویے نے ناول کو محض سیاسی یا نظریاتی تحریر بننے سے محفوظ رکھا ہے اور اسے انسانی المیے کی سطح پر پہنچا دیا ہے۔

ناول کی کردار نگاری اس کی سب سے نمایاں فنی خوبیوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ عبدالصمد کے کردار محض پلاٹ کو آگے بڑھانے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ ہر کردار اپنی سماجی اور نفسیاتی شناخت رکھتا ہے۔ خصوصاً اختر حسین کا کردار ایک فرد کی حدود سے نکل کر پوری اجتماعی تہذیبی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کی حرکات و سکنات اور عمل وردِ عمل کے ذریعے ہندوستان کی سیاسی تحریکوں، آزادی کی جدوجہد اور بدلتے ہوئے سماجی حالات کے مختلف مناظر سامنے آتے ہیں۔ اس کردار کے ذریعے قاری کو اپنے عہد کی اجتماعی زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اختر حسین کو صرف ناول کا ایک کردار قرار دینا اس کی معنوی وسعت کو محدود کرنا ہوگا۔ عبدالصمد کی کردار نگاری کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ ان کے کردار دو سطحوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ اپنے طبقے، معاشرے اور عہد کی نمائندگی کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کی اپنی انفرادی نفسیات بھی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کردار محض ''ٹائپ'' بن کر نہیں رہ جاتے۔ ان کے فیصلوں اور ردِ عمل کے پیچھے ان کے ذاتی تجربات، ذہنی کیفیتیں اور زندگی کے نشیب و فراز کارفرما نظر آتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے المیے کو بھی عبدالصمد نے اسی نفسیاتی سطح پر پیش کیا ہے۔ ایک ہی خاندان کے افراد کا ہندوستان اور پاکستان میں بٹ جانا محض جغرافیائی تقسیم نہیں بلکہ رشتوں، یادوں، جذبات اور شناخت کی تقسیم بھی بن جاتا ہے۔ اس ذہنی کرب کی پیش کش ناول کو غیر معمولی جذباتی تاثیر عطا کرتی ہے۔

''دو گز زمین'' کے ضمنی کردار بھی اپنی اہمیت رکھتے ہیں۔ شیخ امداد حسین کا کردار مختصر ہے لیکن اس مختصر پیش کش میں بھی وہ ایک خاص تہذیب، سماج اور ماحول کے نمائندے بن جاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ الطاف حسین کا کردار بھی مختصر مدت کے لیے سامنے آنے کے باوجود اپنی انفرادی حیثیت قائم کرتا ہے۔ یہاں عبدالصمد کی فنی مہارت نمایاں ہوتی ہے کہ وہ کسی کردار کو طویل تفصیل کے بغیر بھی اس قدر مؤثر انداز میں پیش کر سکتے ہیں کہ وہ قاری کے ذہن میں اپنا نقش چھوڑ جائے۔ ان کے یہاں

ضمنی کردار مرکزی کردار کے محض سہارے نہیں بلکہ ناول کی اجتماعی معنویت میں اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ ناول کی کردار نگاری کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ عبدالصمد نے اپنے کسی کردار کو اپنی ذاتی شخصیت، عقیدے، نظریے یا مسلک کا محض ترجمان نہیں بنایا۔ فن کار اور کردار کے درمیان ایک فاصلہ برقرار ہے۔ اسی لیے قاری کو محسوس نہیں ہوتا کہ ناول نگار اپنی ذاتی رائے کو کسی کردار کے ذریعے زبردستی مسلط کر رہا ہے۔ کردار اپنے حالات، اپنی نفسیات اور اپنے تجربات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اس فنی غیر جانب داری کی وجہ سے ناول کی حقیقت نگاری مزید مستحکم ہوتی ہے۔

پلاٹ کے اعتبار سے بھی ''دو گز زمین'' نہایت مربوط اور منظم ناول ہے۔ اس کا پلاٹ بڑے تاریخی واقعات کے زیرِ اثر رونما ہونے والے چھوٹے چھوٹے واقعات سے تشکیل پاتا ہے۔ واقعات میں منطقی ربط موجود ہے اور ایک واقعہ دوسرے واقعے کی طرف فطری انداز میں لے جاتا ہے۔ واقعات کی کڑیاں باہم مربوط ہیں اور کہانی ابتدا سے انتہا تک ایک منظم تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کے مطالعے کے دوران کہیں خلا یا بے ربطی کا احساس نہیں ہوتا۔ عبدالصمد نے ایک بڑے تاریخی موضوع کو اختیار کرنے کے باوجود پلاٹ کو منتشر نہیں ہونے دیا۔ واقعہ در واقعہ جو تسلسل پیدا ہوتا ہے، وہ ناول کی فنی گرفت کو مضبوط بناتا ہے۔

واقعہ نگاری میں بھی عبدالصمد کا توازن قابلِ ذکر ہے۔ وہ تاریخی واقعات کو ضرورت سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ناول کی رفتار کو متاثر نہیں کرتے بلکہ انہیں کرداروں کی زندگی سے اس طرح مربوط کرتے ہیں کہ واقعہ خود کہانی کا حصہ بن جاتا ہے۔ سیاسی انتشار اور معاشرتی تبدیلیوں کی پیش کش کے باوجود ناول میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ واقعات کی ترتیب میں تناسب قائم رہتا ہے اور ہر واقعہ موضوع کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یہی فنی توازن ''دو گز زمین'' کو ایک مربوط تخلیقی وحدت بناتا ہے۔

اس ناول کی فضا آفرینی بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ بہار، کلکتہ، بنگال اور مغربی پاکستان کے مختلف جغرافیائی اور تہذیبی مناظر ناول کے وسیع پس منظر کو تشکیل دیتے ہیں۔ عبدالصمد کی قوتِ مشاہدہ نے ان مقامات کو محض جغرافیائی ناموں تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ انہیں زندہ ماحول میں تبدیل کر دیا ہے۔ سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ علاقائی زندگی، تہذیب اور ثقافت کی شکست و ریخت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ناول پڑھتے ہوئے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ محض کسی کہانی کا مطالعہ نہیں کر رہا بلکہ ایک پورے عہد اور معاشرے کو اپنی آنکھوں کے سامنے بدلتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

پیکر تراشی کے حوالے سے بھی ''دو گز زمین'' قابلِ توجہ ہے۔ عبدالصمد کی تخلیقی قوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ غیر محسوس کیفیات کو بھی محسوس پیکروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ''بس میں خاموشی طاری تھی لیکن یہ خاموشی کراہتی ہوئی سی لگ رہی تھی''، جیسی تعبیر میں خاموشی کو ایک جیتی جاگتی اور کراہتی ہوئی کیفیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح خوشی کو ہاتھوں سے چھونے کی خواہش داخلی جذبے کو محسوس صورت عطا کرتی ہے۔ ایسی پیکر تراشی ناول کے بیانیے کو محض واقعاتی نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے جمالیاتی تاثیر بھی عطا کرتی ہے۔

زبان و بیان کے اعتبار سے ''دو گز زمین'' کی نثر بنیادی طور پر سادہ، سلیس اور بیانیہ ہے۔ عبدالصمد نے غیر ضروری لفظی آرائش سے گریز کیا ہے، لیکن جہاں موقع اور کیفیت کا تقاضا ہو وہاں ان کی نثر شاعرانہ اور فلسفیانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ تاروں، راگ اور وقت سے متعلق اقتباسات میں یہی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے اسلوب میں سادگی کے ساتھ ایک خاص متانت اور شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔ زبان کا یہ امتزاج ناول کے مختلف جذباتی اور فکری مراحل کو مؤثر انداز میں پیش کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ''دو گز زمین'' میں ماجرا سازی اور منظر کشی بھی پلاٹ کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ ناول نگار نے تاریخی اور سیاسی پس منظر کو کرداروں اور واقعات سے الگ نہیں کیا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی ماحول مصنوعی یا باہر سے لایا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ کانگریس، مسلم لیگ، خلافت اور دوسری سیاسی و سماجی تحریکوں کا ذکر بھی ناول کی مجموعی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ آزادی کی جدوجہد اور اس کے بعد کی صورتِ حال کو کرداروں کے تجربات کے ذریعے پیش کرنے سے تاریخی فضا میں حقیقت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

''دو گز زمین'' کا ایک اہم موضوع تہذیبی شکست و ریخت ہے۔ عبدالصمد نے تقسیمِ ہند کو صرف سیاسی سرحدوں کی تبدیلی کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اس کے نتیجے میں انسانی تہذیب، معاشرتی رشتوں اور ذہنی ساخت میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ایک خاندان کا بکھرنا، افراد کا مختلف ملکوں میں چلے جانا، ماضی سے تعلق کا کمزور ہونا اور نئی سیاسی حقیقتوں کے ساتھ زندگی کو دوبارہ ترتیب دینا اس تہذیبی المیے کے مختلف پہلو ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کی معنویت محض تقسیمِ ہند تک محدود نہیں رہتی بلکہ انسانی غیر محفوظیت اور شناخت کے وسیع تر مسئلے سے جڑ جاتی ہے۔

عبدالصمد کی فن کاری کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ المیے کے باوجود ناول کو مکمل مایوسی میں تبدیل نہیں ہونے دیتے۔ کرداروں کے دکھ، تقسیم کا کرب اور تہذیبی شکست اپنی جگہ موجود ہیں، لیکن انسانی زندگی کی حرکت بھی جاری رہتی ہے۔ اسی لیے ناول کا تاثر صرف افسردگی کا تاثر نہیں بلکہ زندگی کے جاری رہنے کا احساس بھی پیدا کرتا ہے۔ یہی امتزاج ناول کو جذباتی

سطح پر زیادہ مؤثر بناتا ہے۔ تنقیدی اعتبار سے ''دو گز زمین'' کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس میں موضوع اور فن کے درمیان توازن قائم ہے۔ اگر ناول صرف سیاسی واقعات کا بیان ہوتا تو اس کی ادبی اہمیت محدود ہو سکتی تھی، اور اگر یہ صرف جذباتی داستان بن جاتا تو تاریخی معنویت کم ہو جاتی؛ لیکن عبدالصمد نے دونوں پہلوؤں کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیا ہے۔ تاریخی واقعہ کرداروں کی زندگی میں داخل ہوتا ہے اور کرداروں کا ذاتی المیہ ایک بڑے اجتماعی المیے کی علامت بن جاتا ہے۔ یہی فنی طریقۂ کار ناول کو پائیدار معنویت عطا کرتا ہے۔

مجموعی طور پر ''دو گز زمین'' عبدالصمد کی فنی پختگی، گہری حقیقت نگاری، وسیع مشاہدے، متوازن نقطۂ نظر اور جمالیاتی شعور کا نمایاں ثبوت ہے۔ کردار نگاری میں ان کی مہارت، پلاٹ کی منطقی ترتیب، واقعات کا تسلسل، تاریخی و سیاسی پس منظر، تہذیبی شعور، نفسیاتی بصیرت، پیکر تراشی، فضا آفرینی اور سادہ و سلیس اسلوب اس ناول کو ایک مکمل اور مؤثر فنی تجربہ بناتے ہیں۔ یہ ناول ایک خاندان کی داستان کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی، تقسیم کے المیے اور تہذیبی شکست و ریخت کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ مخصوص واقعہ ایک وسیع انسانی تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی بنا پر ''دو گز زمین'' کو عبدالصمد کی ناول نگاری کا ایک اہم سنگِ میل اور اردو ناول کے ارتقائی سفر میں ایک قابلِ قدر ادبی کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

10.3 سرگرمی: آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے عبدالصمد، الیاس احمد گدی اور پیغام آفاقی کی ناول نگاری کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی جوابی سرگرمی کو حل کیجیے۔ اپنے جوابات کی صحت جانچنے کے لیے حصہ 10.8 سے رجوع کیجیے۔

1۔ ناول **''دو گز زمین ''** کے مصنف کون ہیں؟

2۔ **عبدالصمد** کے مشہور ناول کا نام کیا ہے؟

3۔ **الیاس احمد گدی** کا تعلق کس صنفِ ادب سے خصوصی طور پر ہے؟

4۔ شیخ امداد کس ناول کا کردار ہے؟

5۔ کس ناول میں سیاسی نظام کے اثرات سے تعلیمی نظام کے متاثر ہونے کی صورتِ حال پیش کیا گیا ہے؟

10.4 عمومی جائزہ

اس سبق میں آپ نے **عبدالصمد کی ناول نگاری** اور ان کے اہم ناول **"دو گز زمین "** کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ عبدالصمد اردو کے ان اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے ناولوں میں انسانی زندگی کے مختلف مسائل، سماجی ناہمواریوں، معاشی مشکلات، تہذیبی تبدیلیوں اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی ناول نگاری میں زندگی کے عام اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد، ان کے مسائل، محرومیاں، خواب، جذبات اور بدلتے ہوئے معاشرتی حالات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا فن محض واقعات بیان کرنے تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنے کرداروں کے ذریعے معاشرے کے مختلف رویوں اور انسانی نفسیات کی تہوں کو بھی آشکار کرتے ہیں۔

"دو گز زمین " عبدالصمد کی اہم تخلیقات میں شامل ہے۔ اس ناول کے ذریعے مصنف نے انسانی زندگی سے وابستہ بنیادی مسائل کو ایک وسیع سماجی اور فکری تناظر میں پیش کیا ہے۔ ناول میں **زمین، گھر، شناخت، محرومی، معاشی ناہمواری اور انسانی وقار** جیسے موضوعات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ "دو گز زمین" کا تصور بظاہر محدود محسوس ہوتا ہے، لیکن اس کے اندر انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں اور انسان کے اپنے وجود کے لیے جگہ تلاش کرنے کا وسیع مفہوم پوشیدہ ہے۔ اس اعتبار سے ناول کا عنوان بھی معنوی اور علامتی اہمیت رکھتا ہے۔

ناول کے فنی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ عبدالصمد نے **پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ، منظر نگاری، زبان و بیان اور اسلوب** کے مختلف فنی وسائل کو مؤثر انداز میں استعمال کیا ہے۔ ان کے کردار محض کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ وہ اپنے عہد اور معاشرے کی مختلف حقیقتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے غربت، بے روزگاری، طبقاتی فرق، سماجی ناانصافی، انسانی محرومی اور رشتوں کی پیچیدگی جیسے مسائل سامنے آتے ہیں۔ کرداروں کے خارجی حالات کے ساتھ ان کے داخلی جذبات اور نفسیاتی کشمکش کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔

"دو گز زمین " میں معاشرتی حقیقت نگاری نمایاں ہے۔ مصنف نے زندگی کے ایسے پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے جن سے عام انسان براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ معاشی تنگ دستی، طبقاتی تفاوت، سماجی دباؤ اور بنیادی ضروریات کی عدم دستیابی انسان کی زندگی اور اس کے فیصلوں پر کس طرح اثرانداز ہوتی ہے، ناول میں اس کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔ اس طرح یہ ناول فرد کی ذاتی زندگی کو وسیع تر سماجی حالات سے مربوط کرتا ہے۔ اس ناول میں **انسان اور معاشرے کے باہمی تعلق** کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ فرد اپنی خواہشات، جذبات اور خواب رکھتا ہے، لیکن معاشرتی اور معاشی حالات اکثر اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے

ہیں۔ عبدالصمد نے اسی کشمکش کے ذریعے انسانی زندگی کی بے بسی اور جدوجہد کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے کردار حالات کے ہاتھوں مکمل طور پر شکست خوردہ نہیں ہوتے بلکہ اپنے وجود، عزت اور بہتر زندگی کے لیے جدوجہد بھی کرتے ہیں۔

عبدالصمد کے فنی اسلوب میں **سادگی، روانی، حقیقت پسندی اور مؤثر بیانیہ** نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کی زبان موضوع اور کرداروں کے مطابق ڈھلتی ہے۔ مکالموں کے ذریعے کرداروں کی ذہنی کیفیت، طبقاتی حیثیت اور معاشرتی پس منظر کو نمایاں کیا گیا ہے۔ منظر نگاری بھی محض ظاہری مناظر تک محدود نہیں بلکہ ماحول اور کرداروں کی داخلی کیفیت کو اجاگر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یوں خارجی ماحول اور داخلی احساسات ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر اس سبق کے مطالعے سے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ **عبدالصمد کی ناول نگاری میں سماجی حقیقت، انسانی نفسیات، معاشی مسائل، طبقاتی کشمکش اور انسانی وقار** بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ''دو گز زمین'' ان کے فنی اور فکری شعور کی نمائندہ تخلیق ہے، جس میں فرد کی زندگی کو معاشرتی حالات کے آئینے میں دیکھا گیا ہے۔ ناول کا موضوع، کردار نگاری، پلاٹ، زبان و اسلوب اور علامتی معنویت مل کر اسے ایک بامعنی اور قابلِ مطالعہ ادبی تخلیق بناتے ہیں۔ اس طرح عبدالصمد کی ناول نگاری اردو ناول کی روایت میں **معاشرتی شعور، حقیقت نگاری اور انسانی مسائل کی پیش کش** کے حوالے سے اہم مقام رکھتی ہے۔

10.5 فرہنگ

لفظ	معنی
ارتقا	بتدریج ترقی اور نشوونما
معاشرتی	سماج اور معاشرے سے متعلق
سماجی شعور	معاشرے کے مسائل اور حالات کا احساس و ادراک
حقیقت نگاری	زندگی اور معاشرے کے حقائق کو حقیقت کے قریب رہتے ہوئے پیش کرنا
طبقاتی کشمکش	مختلف سماجی یا معاشی طبقات کے درمیان اختلاف اور جدوجہد
استحصال	کسی فرد یا طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھانا
محروم	جسے کسی حق یا سہولت سے محروم رکھا گیا ہو
فلسفیانہ	فلسفے اور زندگی کے بنیادی مسائل سے متعلق

لفظ	معنی
کردار	ناول یا کہانی میں شامل وہ شخصیات جو واقعات میں حصہ لیتی ہیں
مرکزی کردار	کہانی یا ناول کا سب سے اہم کردار جس کے گرد واقعات گھومتے ہیں
پلاٹ	ناول یا کہانی کے واقعات کی باقاعدہ ترتیب
تصادم	دو قوتوں، خیالات یا کرداروں کے درمیان ٹکراؤ
تجسس	کسی بات کو جاننے کی شدید خواہش اور بے چینی
داخلیت	انسان کے باطن، احساسات اور جذبات کا اظہار
خارجیت	خارجی حالات، واقعات اور ماحول کی عکاسی
نفسیات	انسانی ذہن، احساسات اور رویوں کا مطالعہ
نفسیاتی کشمکش	انسان کے ذہن میں مختلف خیالات اور جذبات کے درمیان کشمکش
مکالمہ	دو یا دو سے زیادہ کرداروں کے درمیان گفتگو
اسلوب	لکھنے یا اظہار کرنے کا مخصوص طریقہ
زبان و بیان	خیالات اور جذبات کے اظہار کا طرز اور طریقۂ تحریر
علامت	کسی خیال یا تصور کو کسی چیز، کردار یا واقعے کے ذریعے ظاہر کرنا
مکان	رہنے کی جگہ؛ ناول میں تحفظ، شناخت اور ملکیت کی علامت
حقِ ملکیت	کسی چیز پر قانونی یا جائز اختیار رکھنے کا حق
خودداری	اپنی عزت، وقار اور اصولوں کی حفاظت کا جذبہ
قوتِ ارادی	کسی مقصد کے حصول کے لیے مضبوط عزم اور ارادہ
ضمیر	انسان کے اندر اچھے اور برے کی تمیز کرنے والی اخلاقی آواز
بدعنوانی	اختیارات یا عہدے کا ناجائز استعمال

لفظ	معنی
مفاد پرستی	اپنے ذاتی فائدے کو دوسروں یا اصولوں پر ترجیح دینا
استحصالی نظام	ایسا نظام جس میں طاقتور طبقہ کمزور طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھائے
مزاحمت	ظلم، جبر یا ناانصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنا
خود آگہی	اپنی ذات، صلاحیتوں اور حقیقت کو پہچاننے کا شعور
اندرون	انسان کا باطنی یا داخلی عالم
تہذیبی علامت	ایسی علامت جو کسی معاشرتی یا تہذیبی تصور کی نمائندگی کرے
جزئیات نگاری	کسی واقعے، منظر یا کیفیت کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو بیان کرنا
تخلیقی بصیرت	کسی موضوع کو نئے اور فنکارانہ انداز میں دیکھنے اور پیش کرنے کی صلاحیت
شہری زندگی	شہر میں رہنے والے لوگوں کی معاشرتی اور روزمرہ زندگی
سماجی تضاد	معاشرے میں موجود باہمی اختلاف، ناہمواری یا متضاد رویے
اخلاقی کشمکش	اچھے اور برے یا مختلف اخلاقی اقدار کے درمیان ذہنی کشمکش
کردار سازی	کردار کی شخصیت اور اوصاف کو فنکارانہ طور پر تشکیل دینا
روایت	کسی معاشرے یا ادب میں چلی آنے والی فکری یا فنی روش

10.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1. عبدالصمد کی ناول نگاری کا تنقیدی و فنی جائزہ پیش کیجیے۔

2. ناول **"دو گز زمین "** کے موضوع، پلاٹ اور کردار نگاری کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

3. **"دو گز زمین "** میں پیش کیے گئے **سماجی، معاشی اور طبقاتی مسائل** کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

4. عبدالصمد کی ناول نگاری میں **حقیقت نگاری اور سماجی شعور** کی اہمیت واضح کیجیے۔

5. عبدالصمد کی ناول نگاری میں **فرد، سماج، طبقاتی نظام اور انسانی مسائل** کے باہمی رشتے کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

10.7 مشقی سوالات

1. **عبدالصمد کی ناول نگاری** کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
2. ناول **"دو گز زمین "** کا فنی اور فکری جائزہ پیش کیجیے۔
3. عبدالصمد کے ناول **"دو گز زمین "** کی **کردار نگاری، زبان واسلوب اور منظر نگاری** کا فنی مطالعہ کیجیے۔
4. عبدالصمد کی ناول نگاری میں **حقیقت نگاری، سماجی شعور اور انسانی نفسیات** کی اہمیت پر تنقیدی بحث کیجیے۔

10.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ عبدالصمد

2۔ عبدالصمد "دو گز زمین"

3۔ ناول نگاری

4۔ "دو گز زمین"

5۔ مہاتما

ا۔ عبدالصمد کی ناول نگاری کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

عبدالصمد اردو کے اہم جدید ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں سماجی حقیقت نگاری، انسانی نفسیات، معاشرتی مسائل اور بدلتے ہوئے تہذیبی حالات کی عکاسی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں محض واقعات کو بیان کرنے کے بجائے ان کے پس پردہ موجود انسانی رویوں، سماجی تضادات اور معاشرتی مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحریروں میں زندگی کے حقیقی مسائل، انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں اور معاشرے میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

عبدالصمد کی ناول نگاری کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ ان کے کردار زندگی سے قریب محسوس ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کو غیر معمولی اور مصنوعی انداز میں پیش کرنے کے بجائے عام انسانی زندگی سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کے کردار مختلف سماجی، معاشی اور تہذیبی حالات سے دوچار ہوتے ہیں اور انہی حالات کے اثرات ان کی شخصیت اور کردار پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس طرح کردار نگاری ان کے ناولوں کا ایک اہم فنی وصف بن جاتی ہے۔

ان کے یہاں زبان و بیان میں سادگی، روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ وہ مشکل اور ثقیل زبان کے بجائے ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جو عام قاری کے لیے قابلِ فہم ہو۔ مکالموں کے ذریعے کرداروں کی ذہنی کیفیت اور معاشرتی پس منظر کو نمایاں کرنے میں بھی انہیں مہارت حاصل ہے۔ ان کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ فکری گہرائی بھی موجود ہے۔ یہی خصوصیات عبدالصمد کو اردو کے اہم جدید ناول نگاروں میں نمایاں مقام عطا کرتی ہیں۔

۲۔ناول ''دو گززمین''کافنی اور فکری جائزہ پیش کیجیے۔

''دو گززمین ''عبدالصمد کا اہم ناول ہے۔ اس ناول میں انسانی زندگی کے بنیادی مسائل، سماجی ناہمواری، انسانی جدوجہد اور معاشرتی حقیقتوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''دو گززمین'' کا عنوان ہی انسانی زندگی کی اس بنیادی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے بغیر انسان اپنے وجود کو مکمل محسوس نہیں کرتا۔ زمین یہاں محض مادی ملکیت نہیں بلکہ انسانی شناخت، وجود اور بقا کی علامت بن جاتی ہے۔

ناول میں معاشرے کے مختلف طبقات کے حالات اور ان کے درمیان موجود تفاوت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ غریب اور محروم طبقے کی مشکلات، وسائل کی کمی اور سماجی ناانصافی جیسے مسائل ناول کے فکری پہلو کو مضبوط بناتے ہیں۔ ناول نگار نے انسانی خواہشات اور معاشرتی مجبوریوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش کو بھی مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

فنی اعتبار سے ناول میں کردار نگاری، واقعہ نگاری، مکالمہ نگاری اور منظر کشی کو اہمیت حاصل ہے۔ کردار اپنے عہد اور معاشرتی ماحول کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مکالمے کرداروں کی ذہنی کیفیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ زبان سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔

اس طرح **''دو گززمین ''** محض ایک فرد یا خاندان کی کہانی نہیں رہتا بلکہ انسانی زندگی، زمین، شناخت اور معاشرتی نابرابری کے وسیع مسائل کی نمائندگی کرنے والا ناول بن جاتا ہے۔

۳۔عبدالصمد کے ناول ''دو گززمین'' کی کردار نگاری، زبان واسلوب اور منظر نگاری کا فنی مطالعہ کیجیے۔

عبدالصمد کے ناول ''دو گززمین'' میں کردار نگاری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مصنف نے اپنے کرداروں کو محض قصے کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ان کے ذریعے معاشرے کے مختلف طبقوں، انسانی محرومیوں، معاشی مشکلات اور نفسیاتی کیفیات کی عکاسی کی ہے۔ کردار اپنے ماحول، حالات اور سماجی حیثیت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے رویوں، فیصلوں، جذبات اور باہمی تعلقات کے ذریعے انسانی زندگی کی پیچیدگیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ مصنف نے کرداروں کی خارجی زندگی کے ساتھ ان کے داخلی احساسات اور ذہنی کشمکش کو بھی پیش کیا ہے، جس سے کرداروں میں فطری اور جاندار کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ناول میں زبان واسلوب کی نمایاں خصوصیات **سادگی، روانی، برجستگی اور حقیقت پسندی** ہیں۔ عبدالصمد نے اپنے موضوع اور کرداروں کے مزاج کے مطابق زبان استعمال کی ہے۔ مکالمے کرداروں کی شخصیت، طبقاتی حیثیت اور ذہنی کیفیت کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان کی زبان نہ غیر ضروری طور پر ثقیل ہے اور نہ بناوٹی؛ بلکہ روزمرہ زندگی کے قریب ہونے کی وجہ

سے قاری پر براہِ راست اثر ڈالتی ہے۔ بیانیہ انداز میں بھی تسلسل اور روانی موجود ہے، جس سے واقعات میں دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

منظر نگاری بھی ''دو گز زمین'' کی فنی خوبیوں میں شامل ہے۔ مصنف نے معاشرتی ماحول، رہن سہن، انسانی زندگی اور اردگرد کی فضا کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ واقعات کا پس منظر واضح ہو جاتا ہے۔ منظر نگاری محض خارجی مناظر کی عکاسی نہیں کرتی بلکہ کرداروں کی داخلی کیفیت اور ناول کے مجموعی تاثر کو بھی گہرا کرتی ہے۔ یوں ماحول اور کردار ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔

مجموعی طور پر ''دو گز زمین'' کی کردار نگاری، زبان و اسلوب اور منظر نگاری ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ عبدالصمد نے فنی وسائل کو حقیقت پسندانہ انداز میں استعمال کر کے ناول کو مؤثر اور زندگی سے قریب بنایا ہے۔

۴۔ عبدالصمد کی ناول نگاری میں حقیقت نگاری، سماجی شعور اور انسانی نفسیات کی اہمیت پر تنقیدی بحث کیجیے۔

عبدالصمد کی ناول نگاری کا ایک اہم امتیاز **حقیقت نگاری** ہے۔ وہ زندگی کو اس کی اصل صورت میں دیکھنے اور پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں معاشرے کے عام انسان، اس کے مسائل، محرومیاں، معاشی مشکلات، طبقاتی فرق اور سماجی ناانصافیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ وہ زندگی کو غیر حقیقی اور مثالی رنگ دینے کے بجائے اس کے تلخ اور پیچیدہ پہلوؤں کو بھی فنکارانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔

ان کی ناول نگاری میں **سماجی شعور** بھی نمایاں ہے۔ عبدالصمد فرد کو اس کے معاشرتی ماحول سے الگ کر کے نہیں دیکھتے۔ انسان کی زندگی پر معاشی حالات، طبقاتی نظام، معاشرتی اقدار اور بدلتے ہوئے زمانے کے اثرات کو ان کے ناولوں میں اہمیت حاصل ہے۔ ''دو گز زمین'' میں بھی انسانی زندگی کے بنیادی مسائل کے ذریعے معاشرے کی ناہمواریوں اور محرومیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح ناول فرد کے ذاتی دکھ کو ایک وسیع سماجی مسئلے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

عبدالصمد کے فن کا ایک اور اہم پہلو **انسانی نفسیات** کا مطالعہ ہے۔ ان کے کردار مختلف حالات میں خوف، امید، محرومی، خواہش، بے بسی، اضطراب اور جدوجہد جیسے جذبات سے گزرتے ہیں۔ مصنف ان کے ظاہری اعمال کے ساتھ ان کی داخلی کیفیت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی نفسیاتی بصیرت کرداروں کو زیادہ حقیقی اور مؤثر بناتی ہے۔

حقیقت نگاری، سماجی شعور اور انسانی نفسیات ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ عبدالصمد کے یہاں فرد کی داخلی کیفیت اس کے خارجی حالات سے پیدا ہوتی ہے اور خارجی حالات سماجی نظام سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کی ناول نگاری میں **فرد، معاشرہ اور انسانی نفسیات** ایک مربوط وحدت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عبدالصمد نے حقیقت نگاری کے ذریعے زندگی کی حقیقی تصویر پیش کی، سماجی شعور کے ذریعے معاشرتی مسائل کو نمایاں کیا اور نفسیاتی بصیرت کے ذریعے کرداروں کے باطن کو آشکار کیا۔ یہی عناصر ان کی ناول نگاری کو فکری گہرائی اور فنی معنویت عطا کرتے ہیں۔

10.9 امدادی کتب

1۔ دو گز زمین ـــــ عبدالصمد

2۔ فائر ایریا ـــــ الیاس احمد گدی

3۔ مکان ـــــ پیغام آفاقی

4۔ اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ـــــ ڈاکٹر احسن فاروقی

5۔ اردو فکشن ـــــ آل احمد سرور

6۔ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ ـــــ ڈاکٹر قمر رئیس

7۔ ناول کا فن ـــــ ای۔ ایم۔ فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

8۔ بیسویں صدی میں اردو ناول ـــــ ڈاکٹر یوسف سرمست

9۔ داستان سے افسانے تک ـــــ وقار عظیم

10۔ اردو ناول کی تاریخ و تنقید ـــــ علی عباس حسینی

11۔ ادبی تخلیق اور ناول ـــــ احسن فاروقی

12۔ قرۃ العین حیدر کا فن ـــــ عبدالمغنی

13۔ اردو ناول بیسویں صدی میں ـــــ عبدالسلام

14۔ترقی پسند تحریک اور اردو ناول ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

15۔ تفہیم و تعبیر ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

16۔1970ء کے بعد کے اہم فکشن نگار ——ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

17۔آزادی کے بعد اردو ناول ——ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۱۱۔الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار

ساخت

11.0 اغراض و مقاصد

11.1 تعارف

11.2 الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار

11.2.0 ''فائر ایریا'' کا فکری و فنی مطالعہ

11.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

11.4 عمومی جائزہ

11.5 فرہنگ

11.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

11.7 مشقی سوالات

11.8 جوابات سرگرمی مشقی سوالات کے جوابات

11.9 امدادی کتب

11.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ کو **الیاس احمد گدی کی ناول نگاری** کے اہم فکری، فنی اور اسلوبیاتی پہلوؤں سے تفصیلی طور پر روشناس کرانا ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ جدید اردو ناول میں سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی شعور، معاشی ناہمواری اور محروم طبقات کی زندگی کی عکاسی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ الیاس احمد گدی نے اپنے عہد کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات کو کس طرح اپنے ناولوں کا موضوع بنایا اور عام انسان، خصوصاً مزدور اور پسماندہ طبقات کی زندگی کے مسائل کو کس فنی انداز میں پیش کیا۔

اس سبق کے مطالعے سے آپ **الیاس احمد گدی کی ادبی شخصیت اور ناول نگار کی حیثیت** سے ان کی خدمات سے واقف ہوں گے اور اردو ناول کی روایت میں ان کے مقام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ ان کی ناول نگاری کے بنیادی فکری رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سمجھ سکیں گے کہ معاشی محرومی، غربت، بھوک، بے روزگاری، استحصال، طبقاتی کشمکش اور سماجی نابرابری جیسے مسائل انسانی زندگی کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ سبق کا ایک اہم مقصد **مزدور اور محروم طبقات کے مسائل** کو سمجھنا ہے۔ آپ یہ جائزہ لیں گے کہ صنعتی اور معدنی علاقوں میں کام کرنے والے مزدور کن حالات میں زندگی گزارتے ہیں اور سرمایہ دار، ٹھیکے دار، مافیا اور دیگر طاقت ور طبقات کے مفادات ان کی زندگی پر کس طرح اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ الیاس احمد گدی نے مزدور طبقے کو محض مظلوم کردار کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اس کی جدوجہد، اجتماعی شعور اور مزاحمت کو بھی کس طرح نمایاں کیا ہے۔

آپ اس سبق کے ذریعے **طبقاتی کشمکش اور ذات پات کے مسئلے** کا بھی مطالعہ کریں گے۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ معاشی اور سماجی نابرابری کس طرح انسانی تعلقات کو متاثر کرتی ہے اور ذات پات، طبقاتی تقسیم اور معاشی محرومی ایک دوسرے سے کس طرح مربوط ہو جاتے ہیں۔ اس مطالعے سے آپ کو ہندوستانی معاشرے کے ان طبقات کی زندگی اور مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی جو سماجی اور معاشی اعتبار سے حاشیے پر موجود رہے ہیں۔ سبق کا مقصد آپ کو الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں موجود **ترقی پسند اور سماجی شعور** سے بھی واقف کرانا ہے۔ آپ یہ دیکھیں گے کہ ناول نگار نے اپنے عہد کے مسائل کو محض واقعات کی صورت میں بیان نہیں کیا بلکہ ان کے سماجی اسباب اور انسانی اثرات کو بھی نمایاں کیا ہے۔ اس طرح آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ادب اور

معاشرے کے درمیان گہرا تعلق کس طرح قائم ہوتا ہے اور ناول سماجی حقیقتوں کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ انسانی شعور کی بیداری کا وسیلہ بھی بن سکتا ہے۔

فنی اعتبار سے آپ **کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، زبان و بیان، علامت نگاری، فلیش بیک اور شعور کی رو** جیسی اہم تکنیکوں کا مطالعہ کریں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ الیاس احمد گدی نے اپنے کرداروں کی داخلی اور خارجی زندگی کو کس طرح پیش کیا اور واقعات کو مختلف فنی تکنیکوں کے ذریعے کس طرح مؤثر بنایا۔ اس کے علاوہ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ مقامی ماحول، عوامی زبان اور روزمرہ زندگی کے مشاہدات ناول کے فنی حسن میں کس طرح اضافہ کرتے ہیں۔

آخر میں اس سبق کا مقصد آپ میں **تنقیدی اور تجزیاتی مطالعے کی صلاحیت** پیدا کرنا ہے تاکہ آپ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کو صرف واقعات اور کہانی کے حوالے سے نہ دیکھیں بلکہ اس کے فکری، سماجی، نفسیاتی اور فنی پہلوؤں کا بھی جائزہ لے سکیں۔ اس سبق کے اختتام پر آپ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کے اہم فکری اور فنی رجحانات کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے اور ان کے ناولوں کا مربوط تنقیدی مطالعہ پیش کرنے کے قابل ہوں گے۔

11.1 تعارف

الیاس احمد گدی اردو کے ان اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے **عام انسان، مزدور طبقے، محروم طبقات اور معاشرتی حقیقتوں** کو اپنی تخلیقی توجہ کا مرکز بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں زندگی کے ان پہلوؤں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے جو عام طور پر سماج کے طاقت ور اور مراعات یافتہ طبقوں کی نگاہ سے اوجھل رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے گردوپیش کے معاشی، سماجی اور سیاسی حالات کا گہرا مشاہدہ کیا اور انہیں اپنے فکشن میں حقیقت پسندانہ انداز سے پیش کیا۔ ان کے یہاں فرد کی زندگی کو اس کے سماجی اور معاشی ماحول سے الگ کرکے نہیں دیکھا گیا بلکہ انسان اور معاشرے کے باہمی تعلق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کا ایک نمایاں وصف **سماجی حقیقت نگاری** ہے۔ وہ معاشرے کی خوش نما اور ظاہری تصویر پیش کرنے کے بجائے اس کے اندر موجود غربت، بھوک، استحصال، محرومی، طبقاتی تفریق اور ناانصافی کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں ایسے کردار اور واقعات ملتے ہیں جو سماج کے کمزور اور پسماندہ طبقات کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے آپ یہ محسوس کر سکیں گے کہ معاشی حالات کس طرح انسان کے روزمرہ معمولات، رشتوں، جذبات اور مستقبل کے امکانات کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں **مزدور طبقے کی زندگی** کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ صنعتی علاقوں اور کوئلے کی کانوں سے وابستہ مزدوروں کی زندگی، ان کی محنت، غربت، غیر محفوظ حالاتِ کار اور استحصالی نظام کے مختلف پہلو ان

کے فکشن میں نمایاں ہوتے ہیں۔ الیاس احمد گدی مزدور کو صرف معاشی پیداوار کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے ایک ایسے انسان کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کے اپنے خواب، خواہشات، احساسات اور حقوق ہیں۔ اس طرح مزدور زندگی ان کے یہاں ایک وسیع انسانی اور سماجی مسئلے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

الیاس احمد گدی کے فکری نظام میں **طبقاتی کشمکش** بھی اہم مقام رکھتی ہے۔ ان کے ناولوں میں معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان موجود معاشی اور سماجی فاصلے کو کرداروں اور واقعات کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ ایک طرف طاقت، دولت اور وسائل رکھنے والے طبقات ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنی محنت کے باوجود بنیادی ضروریات کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ اس تضاد کے ذریعے ناول نگار نے معاشرتی نابرابری اور استحصال کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔

ان کی ناول نگاری میں **ذات پات اور سماجی امتیاز** کے مسائل بھی قابلِ توجہ ہیں۔ پسماندہ اور دلت طبقات کی زندگی، ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے امتیازی رویے اور معاشرتی نظام میں ان کی حیثیت کو مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح الیاس احمد گدی کا فکشن صرف معاشی مسئلے تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی وقار، مساوات اور سماجی انصاف جیسے وسیع مسائل سے بھی وابستہ ہو جاتا ہے۔

الیاس احمد گدی کے معروف ناول **"فائر ایریا "** میں ان کے فکری اور فنی رجحانات پوری شدت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ کوئلے کی کانوں اور صنعتی علاقوں کا ماحول، مزدوروں کی زندگی، طبقاتی کشمکش، سیاسی سرگرمیاں، مافیا، پولیس، ٹھیکے داری نظام اور سماجی استحصال اس ناول کے اہم عناصر ہیں۔ ناول کے ذریعے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ صنعتی ترقی اور معاشی سرگرمیوں کے باوجود ان لوگوں کی زندگی کس طرح مشکلات سے گھری رہتی ہے جن کی محنت اس پورے نظام کی بنیاد ہوتی ہے۔

فنی اعتبار سے بھی الیاس احمد گدی کی ناول نگاری اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے **حقیقت نگاری کے ساتھ فلیش بیک، شعور کی رو، داخلی تجزیے، مکالمے اور منظر نگاری** جیسی مختلف تکنیکوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے یہاں خارجی واقعات کے ساتھ کرداروں کی داخلی کیفیات بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ ماضی اور حال کے امتزاج کے ذریعے کرداروں کی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور قاری کو ان کے ذہنی اور جذباتی تجربات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کی زبان و بیان میں **عوامی زندگی اور مقامی ماحول کی جھلک** نمایاں ہے۔ کردار جس سماجی طبقے اور ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے مکالموں اور گفتگو میں بھی اس ماحول کی مناسبت سے زبان کا استعمال ملتا ہے۔ اس فنی طریقے سے ناول کی فضا زیادہ حقیقی اور قابلِ یقین بن جاتی ہے۔ منظر نگاری کے ذریعے صنعتی

علاقوں، مزدور بستیوں اور دیہی ماحول کی ایسی تصویر سامنے آتی ہے جس سے قاری خود کو ناول کے ماحول کے قریب محسوس کرتا ہے۔

الغرض، الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی شعور، مزدوروں کے مسائل، معاشی نابرابری، ذات پاتی تفریق، انسانی محرومی اور مزاحمت** جیسے فکری عناصر کو اہم مقام حاصل ہے، جبکہ حقیقت پسندانہ کردار نگاری، مؤثر مکالمہ، منظر نگاری، علامتی اظہار اور جدید بیانیہ تکنیک ان کے فنی امتیازات میں شامل ہیں۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ الیاس احمد گدی نے اپنے عہد کی سماجی حقیقتوں کو کس طرح فکشن کا حصہ بنایا اور **فکر و فن کے امتزاج سے اردو ناول کو ایک مؤثر سماجی اور انسانی اظہار** عطا کیا۔

11.2 الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار

الیاس احمد گدی اردو کے اہم فکشن نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ناول، افسانہ اور سفر نامہ تینوں اصناف میں طبع آزمائی کی، تاہم ان کی ادبی شناخت بنیادی طور پر ان کی حقیقت پسندانہ اور سماجی شعور سے بھرپور فکشن نگاری کے حوالے سے قائم ہوئی۔ ان کی تخلیقات میں معاشرے کے محروم، مظلوم، محنت کش، بے بس اور حاشیے پر زندگی گزارنے والے انسانوں کے مسائل نہایت شدت، ہمدردی اور حقیقت پسندی کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ وہ زندگی کو محض ایک خوب صورت تخیلاتی منظر کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اس کے اندر موجود معاشی ناہمواری، طبقاتی کشمکش، استحصال، بھوک، خوف، سیاسی بدعنوانی اور سماجی ناانصافی کو اپنی تخلیقی فکر کا حصہ بناتے ہیں۔

الیاس احمد گدی 24 اپریل 1934ء کو جھریا، ضلع دھنباد میں پیدا ہوئے اور 27 جولائی 1997ء کو وفات پائی۔ ان کا تعلق ایسے علاقے سے تھا جہاں کوئلے کی کانوں، مزدوروں اور صنعتی زندگی کے مسائل ان کے مشاہدے کا حصہ بنے۔ یہی ماحول آگے چل کر ان کی فکشن نگاری کے موضوعات کی تشکیل میں اہم ثابت ہوا۔ ان کے بڑے بھائی غیاث احمد گدی بھی اردو کے معروف افسانہ نگار تھے، اس لیے گھر کے ادبی ماحول نے ان کے تخلیقی ذوق کو مزید تقویت دی۔ انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا اور ان کا ابتدائی افسانہ ''سرخ نوٹ'' 1948ء میں ماہنامہ ''افکار'' بھوپال میں شائع ہوا۔ بعد میں ان کے افسانوی مجموعے ''آدمی'' اور ''تھکا ہوا دن'' منظرِ عام پر آئے۔

الیاس احمد گدی نے تین ناول تحریر کیے: ''زخم''، ''مرحم'' اور ''فائر ایریا''۔ ''زخم'' 1953ء میں، ''مرحم'' 1954ء میں اور ''فائر ایریا'' 1994ء میں شائع ہوا۔ ان تینوں ناولوں میں ''فائر ایریا'' کو ان کی ناول نگاری کا سب سے اہم اور نمایاں کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسی ناول نے انہیں وسیع ادبی شناخت عطا کی اور اس پر انہیں ساہتیہ اکادمی انعام سے بھی نوازا گیا۔ ''فائر ایریا'' کے ذریعے انہوں نے اردو ناول کو محنت کش طبقے، کوئلے کی کانوں اور صنعتی معاشرے کی اس دنیا سے جوڑا جسے اردو فکشن میں نسبتاً کم توجہ حاصل ہوئی تھی۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کا بنیادی وصف **حقیقت نگاری** ہے۔ وہ زندگی کے ان پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں جن سے عام طور پر خوش حال اور طاقتور طبقہ نظریں چرا لیتا ہے۔ ان کے یہاں غریب انسان محض ایک ثانوی کردار نہیں بلکہ کہانی کا مرکزی موضوع بن جاتا ہے۔ ان کے کردار بھوک، غربت، بیماری، خوف، بے روزگاری، کم اجرت، قرض، ظلم اور استحصال سے نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ اس طرح ان کی ناول نگاری میں فرد کی کہانی رفتہ رفتہ پورے طبقے اور معاشرے کی کہانی بن جاتی ہے۔

''فائر ایریا'' اس اعتبار سے ان کی ناول نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ ناول چھوٹا ناگپور کے علاقے اور خصوصاً گول فیلڈ کی زندگی کو مرکز بناتا ہے۔ کوئلے کی کان یہاں صرف ایک صنعتی مقام نہیں بلکہ ایک ایسے استحصالی معاشرے کی علامت بن جاتی ہے جہاں انسان اپنی محنت کے باوجود بنیادی حقوق سے محروم ہے۔ مزدور زمین کے سینکڑوں فٹ نیچے اتر کر کوئلہ نکالتا ہے، اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے، لیکن اس کے حصے میں بھوک، خوف، بیماری اور محرومی آتی ہے۔ دوسری طرف اس کی محنت سے صنعتیں چلتی ہیں اور معاشرے کے دوسرے طبقات کو سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ الیاس احمد گدی نے ''فائر ایریا'' میں مزدور کے استحصال کو کئی سطحوں پر پیش کیا ہے۔ کم اجرت، سودی قرض، ٹھیکیداری نظام، سیاسی دباؤ، غنڈہ گردی، پولیس و انتظامیہ کی بے بسی، حادثات کی پردہ پوشی اور مزدوروں کے حقوق کی پامالی اس استحصالی نظام کے مختلف مظاہر ہیں۔ مزدور اگر کان میں حادثے کا شکار ہو کر مر بھی جائے تو بعض اوقات اس کی موت کو چھپا دیا جاتا ہے تاکہ کمپنی اور ذمہ دار افراد اپنی ذمہ داری سے بچ سکیں۔ اس طرح مزدور کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی موت بھی استحصالی نظام کے شکنجے میں دکھائی دیتی ہے۔

ناول میں **بھوک** ایک بنیادی مسئلے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ الیاس احمد گدی یہ واضح کرتے ہیں کہ بھوکا انسان اکثر اپنی زندگی کے بنیادی سوالات کو بھی پیٹ کی ضرورت کے تابع کر دیتا ہے۔ مزدور کو معلوم ہے کہ کان کے اندر موت کا خطرہ موجود ہے، لیکن بھوک اسے اس خطرے کے باوجود زیرِ زمین جانے پر مجبور کرتی ہے۔ اس طرح ''فائر ایریا'' میں بھوک محض ایک معاشی مسئلہ نہیں رہتی بلکہ انسانی زندگی کے پورے المیے کی علامت بن جاتی ہے۔ اسی طرح **خوف** بھی ناول کی فضا کا اہم عنصر

ہے۔مزدوروں کو حادثات، کان کی موت، ٹھیکیداروں، غنڈوں، پولیس، سیاسی عناصر اور طاقتور افراد کا خوف لاحق رہتا ہے۔ توہم پرستی اور بھوت پریت کے تصورات بھی ان کے ذہنوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ مسلسل خوف مزدوروں کی اجتماعی مزاحمت کو کمزور کرتا ہے۔ وہ ظلم دیکھتے ہیں، اسے محسوس کرتے ہیں لیکن اکثر اس کے خلاف آواز بلند نہیں کر پاتے۔ اس طرح خوف ایک نفسیاتی ہتھیار بن کر استحصالی نظام کو مضبوط کرتا ہے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **طبقاتی کشمکش** بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ان کے یہاں معاشرہ مختلف معاشی اور سماجی طبقات میں تقسیم نظر آتا ہے۔ایک طرف مزدور ہیں جو اپنی محنت سے پیداوار کا بنیادی ذریعہ فراہم کرتے ہیں، دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اسی محنت سے دولت، اقتدار اور مراعات حاصل کرتے ہیں۔ ناول نگار اس تضاد کو نمایاں کر کے قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ پیداوار کرنے والے انسان کو اس کی محنت کا مناسب صلہ کیوں نہیں ملتا۔ان کی فکری وابستگی ترقی پسند اور اشتراکی نظریات سے بھی نمایاں ہوتی ہے۔ ''فائر ایریا'' میں مزدوروں کی تنظیم، سیاسی بیداری، تعلیم اور اجتماعی جدوجہد پر زور دیا گیا ہے۔ تاہم ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے نظریے کو محض تقریروں یا نعروں کے ذریعے پیش نہیں کرتے بلکہ کرداروں اور واقعات کی زندگی میں جذب کر کے سامنے لاتے ہیں۔ اسی لیے ناول کا نظریاتی پہلو محض ایک نظریاتی منشور نہیں بنتا بلکہ انسانی تجربے سے مربوط ہو جاتا ہے۔

سہدیو پرساد ''فائر ایریا'' کا مرکزی کردار ہے۔ وہ ایک حساس، اصول پسند اور درد مند انسان ہے جو روزگار کی تلاش میں اپنے گاؤں سے کول فیلڈ آتا ہے۔ابتدا میں وہ اپنے اصولوں پر قائم رہتا ہے، لیکن کول فیلڈ کا استحصالی ماحول اسے بتدریج سمجھوتوں کی طرف لے جاتا ہے۔اس کی شخصیت کے ذریعے ناول نگار نے فرد اور حالات کے درمیان کشمکش کو پیش کیا ہے۔ سہدیو کی تبدیلی اس بات کی علامت ہے کہ ظالمانہ سماجی نظام صرف انسان کی معاشی زندگی کو متاثر نہیں کرتا بلکہ اس کے نظریات اور اخلاقی قوت کو بھی مجروح کر سکتا ہے۔ **مجدار** ناول کا اہم نظریاتی کردار ہے۔ وہ مزدوروں میں شعور، اتحاد اور سیاسی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کے نزدیک مزدوروں کی حالت صرف اجرت بڑھانے سے بہتر نہیں ہو سکتی بلکہ انہیں اپنے حقوق، اپنی طاقت اور اپنے استحصال کرنے والوں کی شناخت کا شعور بھی حاصل ہونا چاہیے۔ مجدار کی موت اس استحصالی نظام کی شدت کو ظاہر کرتی ہے جو اپنے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبانے کے لیے قتل و تشدد سے بھی گریز نہیں کرتا۔ **رحمت میاں** مظلوم مزدور طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔اس کی موت اور لاش کو غائب کرنے کا واقعہ کول فیلڈ کے غیر انسانی نظام کو بے نقاب کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا مزدور ہے جو اپنی جان خطرے میں ڈال کر کام کرتا ہے لیکن حادثے کے بعد اس کی موت تک کو نظام کی ذمہ داری سے بچنے کے

لیے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ **ختونیا** الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کا ایک نہایت اہم نسوانی کردار ہے۔ شوہر کی موت کے بعد وہ اپنے کمسن بیٹے کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے محنت کرتی ہے۔ وہ حالات کے سامنے شکست تسلیم نہیں کرتی بلکہ اپنے وجود اور بقا کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ مجمدار کی موت کے بعد انصاف کے مطالبے کے لیے جلوس میں اس کی شرکت اس کے اندر موجود مزاحمتی شعور کو ظاہر کرتی ہے۔ ناول کے اختتام پر اس کی آنکھوں میں دکھائی دینے والی ''آگ'' امید، بغاوت اور اجتماعی بیداری کی علامت بن جاتی ہے۔ **جگیشر دو سادھ** موقع پرستی اور مفاد پرستی کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ استحصالی نظام سے ٹکرانے کے بجائے اسی نظام کے ساتھ سمجھوتا کر کے ترقی کرتا ہے۔ دولت، بنگلہ، گاڑی اور بچوں کی تعلیم کے ذریعے وہ اپنی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے ناول نگار نے یہ دکھایا ہے کہ استحصالی نظام صرف مظلوم پیدا نہیں کرتا بلکہ ایسے افراد بھی پیدا کرتا ہے جو ذاتی فائدے کے لیے اسی نظام کا حصہ بن جاتے ہیں۔ **پرتی بالا** کے کردار کے ذریعے عورت کے سماجی عدم تحفظ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ وہ ایک برہمن بیوہ ہے اور اس کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ مردانہ اور طاقت پر مبنی معاشرے میں اکیلی عورت کو کس طرح کے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے الیاس احمد گدی نے طبقاتی استحصال کے ساتھ صنفی استحصال کے مسئلے کو بھی ناول کا حصہ بنایا ہے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **عورت کا استحصال** بھی اہم موضوع ہے۔ ''فائر ایریا'' میں عورتیں مردوں کے ساتھ محنت کرتی ہیں لیکن ان کی عزت اور سلامتی محفوظ نہیں۔ طاقتور افراد ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تاہم ناول کی عورتیں صرف مظلوم کردار نہیں۔ ختونیا کے کردار میں مزاحمت، خودداری اور حوصلہ موجود ہے۔ یوں عورت کے کردار میں مظلومیت کے ساتھ ساتھ قوتِ مزاحمت بھی پیدا ہوتی ہے۔

فنی اعتبار سے الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **مربوط پلاٹ، حقیقت پسندانہ کردار نگاری، مقامی ماحول کی عکاسی، فلیش بیک، شعور کی رو اور علامتی اسلوب** نمایاں ہیں۔ ''فائر ایریا'' کا پلاٹ تین ابواب میں منظم ہے اور واقعات ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ناول کا آغاز گاؤں سے ہوتا ہے اور اختتام مجمدار کی موت اور اس کے جنازے کے جلوس پر ہوتا ہے۔ اس طرح فرد کی کہانی اجتماعی زندگی کی کہانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کردار نگاری بھی ان کی بڑی فنی خوبی ہے۔ ان کے کردار محض خیالی یا کتابی کردار نہیں بلکہ جیتے جاگتے انسان محسوس ہوتے ہیں۔ وہ حالات کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں۔ سہدیو کا اصول پسندی سے سمجھوتے کی طرف سفر، جگیشر کی مفاد پرستی اور ختونیا کا مظلومیت سے مزاحمت کی طرف سفر کرداروں کی متحرک فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی الیاس احمد گدی

نے قابلِ ذکر فنی شعور کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے کرداروں کے طبقاتی، سماجی اور علاقائی پس منظر کے مطابق زبان استعمال کی ہے۔ مزدوروں کی بول چال، مقامی الفاظ، روزمرہ اور مختلف طبقوں کے مکالمے ناول کی فضا کو حقیقی بناتے ہیں۔ زبان محض اظہار کا وسیلہ نہیں رہتی بلکہ کردار نگاری اور حقیقت نگاری میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

''فائر ایریا'' کا **عنوان علامتی معنویت** رکھتا ہے۔ بظاہر یہ کوئلے کی کانوں کے اس علاقے کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں زیرِ زمین آگ موجود ہے، لیکن وسیع تر معنوں میں یہ مزدور کی پوری زندگی میں پھیلی ہوئی آگ کی علامت ہے۔ یہ بھوک کی آگ ہے، محرومی کی آگ ہے، خوف کی آگ ہے اور ظلم کے خلاف مزاحمت کی آگ بھی۔ ناول کے اختتام پر ختونیا کی آنکھوں میں لہکتا ہوا شعلہ اسی آگ کی آخری اور سب سے مؤثر علامت بن جاتا ہے۔ یوں آگ زیرِ زمین کان سے نکل کر انسان کے شعور تک پہنچ جاتی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو الیاس احمد گدی کی ناول نگاری **سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی شعور، مزدوروں کے مسائل، انسانی محرومی، سیاسی بدعنوانی، عورت کے استحصال اور مزاحمتی فکر** سے عبارت ہے۔ انہوں نے اردو ناول کو زندگی کے ان علاقوں سے جوڑا جنہیں طویل عرصے تک ادبی توجہ کم حاصل ہوئی۔ ان کی اہمیت صرف اس بات میں نہیں کہ انہوں نے مزدوروں کی زندگی کو موضوع بنایا بلکہ اس بات میں بھی ہے کہ انہوں نے مزدور کو ایک مکمل انسان، ایک باشعور وجود اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والی شخصیت کے طور پر پیش کیا۔ ''فائر ایریا'' ان کی ناول نگاری کا نقطۂ عروج ہے۔ اس میں فکر اور فن، حقیقت اور تخیل، فرد اور معاشرہ، ظلم اور مزاحمت ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ سہدیو، مجمدار، رحمت، ختونیا، جگیشر اور پرتی بالا جیسے کردار مل کر ایک ایسے معاشرے کی تصویر بناتے ہیں جہاں طاقتور طبقے کا غلبہ ہے، لیکن اس کے باوجود مزاحمت اور بیداری کی امید زندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الیاس احمد گدی کو اردو کے اہم حقیقت پسند اور سماجی شعور رکھنے والے ناول نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی ناول نگاری کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ تعلیم، شعور، اتحاد، تنظیم اور اجتماعی جدوجہد کے ذریعے انسان استحصال کے خلاف اپنی آواز بلند کر سکتا ہے۔

11.3 سرگرمی: آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے **الیاس احمد گدی کی ناول نگاری** اور ان کے معروف ناول **''فائر ایریا''** کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کر لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی سرگرمی کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔ اپنے جوابات کی صحت جانچنے کے لیے **جوابات سرگرمی** سے رجوع کیجیے۔

۱۔الیاس احمد گدی کا مشہور ناول _____ ہے، جس میں مزدور طبقے کی زندگی اور سماجی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔

۲۔**"فائرایریا "**میں بنیادی طور پر _____ طبقے کے مسائل اور جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۳۔الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں _____ حقیقت نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۴۔**"فائرایریا "**کا بنیادی پس منظر _____ اور کان کنی سے وابستہ صنعتی علاقہ ہے۔

۵۔"فائرایریا" میں مزدوروں کے استحصال کے ساتھ _____ کشمکش کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

۶۔"فائرایریا" کے عنوان میں _____ پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی کشمکش اور اضطراب کی علامت بن جاتی ہے۔

۷۔الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں _____ شعور اور انسانی ہمدردی نمایاں فکری عناصر ہیں۔

۸۔"فائرایریا" میں ماضی کے واقعات کو حال سے مربوط کرنے کے لیے _____ تکنیک سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۹۔کرداروں کے ذہنی خیالات، یادوں اور داخلی کیفیات کو پیش کرنے کے لیے _____ کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

۱۰۔"فائرایریا" میں _____ پسماندہ طبقات کی زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔

11.4 عمومی جائزہ

اس سبق میں آپ نے **الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار** اور ان کے اہم ناول **"فائرایریا "** کا فکری و فنی مطالعہ کیا۔ الیاس احمد گدی اردو کے ان اہم ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے معاشرے کے محروم، پسماندہ اور محنت کش طبقات کی زندگی کو اپنی تخلیقات کا بنیادی موضوع بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی شعور، معاشی ناہمواری، استحصال، غربت، بھوک اور انسانی جدوجہد** نمایاں موضوعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"فائرایریا "میں صنعتی اور معدنی علاقے کی زندگی کے پس منظر میں مزدور طبقے کے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول میں کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی دشوار زندگی، معاشی محرومی، بھوک، سماجی ناانصافی، طبقاتی تفریق اور طاقت ور عناصر کے استحصال کو حقیقت پسندانہ انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے مزدوروں کو محض مظلوم کرداروں کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ ان کے اندر پیدا ہونے والے **سیاسی شعور، اجتماعی احساس اور مزاحمت** کو بھی نمایاں کیا ہے۔ ناول میں **طبقاتی کشمکش** بنیادی فکری عناصر میں شامل ہے۔ ایک طرف سرمایہ، طاقت اور وسائل پر قابض طبقات ہیں اور دوسری طرف وہ محنت کش انسان ہیں جو اپنی

محنت کے باوجود بنیادی ضروریات سے محروم رہتے ہیں۔ اس تضاد کے ذریعے الیاس احمد گدی نے معاشرتی اور معاشی نظام کی ناہمواریوں کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح **ذات پات اور سماجی امتیاز** بھی ناول کے اہم مسائل میں شامل ہیں، جو پسماندہ طبقات کی مشکلات میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

فکری اعتبار سے ''فائر ایریا'' میں **ترقی پسند اور انسانی نقطۂ نظر** نمایاں ہے۔ مصنف کا بنیادی تعلق عام انسان کے دکھ، محرومی اور جدوجہد سے ہے۔ وہ استحصال کے خلاف آواز بلند کرتے اور محنت کش انسان کے حقِ زندگی، عزت اور بہتر مستقبل کے سوال کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس طرح ناول ایک مخصوص صنعتی علاقے کی داستان ہونے کے باوجود وسیع تر انسانی اور سماجی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ فنی اعتبار سے **کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور زبان و اسلوب** ناول کی اہم خصوصیات ہیں۔ کردار اپنے طبقاتی اور سماجی پس منظر کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور ان کے ذریعے مختلف فکری اور معاشرتی رویوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔ مکالموں میں کرداروں کی ذہنی کیفیت اور طبقاتی شعور نمایاں ہوتا ہے، جب کہ صنعتی ماحول، مزدور بستیوں اور کان کنی کے مناظر ناول کی حقیقت پسندانہ فضا کو مضبوط بناتے ہیں۔

الیاس احمد گدی نے ناول کی فنی ساخت میں **فلیش بیک** اور **شعور کی رو** جیسی تکنیکوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ فلیش بیک کے ذریعے ماضی کے واقعات کو حال سے مربوط کیا گیا ہے، جبکہ شعور کی رو کرداروں کے باطن، خیالات، یادوں اور جذبات کو سامنے لانے میں معاون ہے۔ اس طرح ناول کا بیانیہ محض خارجی واقعات تک محدود نہیں رہتا بلکہ کرداروں کی داخلی دنیا بھی اس کا حصہ بن جاتی ہے۔ ''**فائر ایریا**'' کے عنوان کی علامتی معنویت بھی اہم ہے۔ ''آگ'' ایک طرف صنعتی علاقے اور کوئلے کی کانوں کے ماحول کی طرف اشارہ کرتی ہے، تو دوسری طرف **غصے، محرومی، استحصال، طبقاتی کشمکش اور مزاحمت** کی علامت بن جاتی ہے۔ یوں عنوان ناول کے پورے فکری اور سماجی ماحول کی نمائندگی کرتا ہے۔

مجموعی طور پر اس سبق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ الیاس احمد گدی نے اردو ناول میں **مزدور زندگی، طبقاتی استحصال، سماجی ناانصافی اور انسانی جدوجہد** کو مؤثر انداز میں پیش کیا۔ ''فائر ایریا'' میں حقیقت نگاری، ترقی پسند فکر، انسانی ہمدردی اور جدید فنی تکنیکوں کا امتزاج اسے ایک اہم سماجی ناول بناتا ہے۔ الیاس احمد گدی کا بنیادی امتیاز یہی ہے کہ انہوں نے معاشرے کے محروم انسان کو اپنی تخلیق کا مرکز بنا کر اس کے دکھ، مسائل، شعور اور مزاحمت کو ادبی اظہار عطا کیا۔

11.5 فرہنگ

۱۔ سماجی شعور ـــــ معاشرے کے مسائل، حالات، ناانصافیوں اور انسانی رشتوں کے بارے میں آگاہی اور حساسیت۔

۲۔ طبقاتی کشمکش ـــــ مختلف سماجی و معاشی طبقات کے درمیان مفادات اور حقوق کی بنیاد پر پیدا ہونے والی کشمکش۔

۳۔ استحصال ـــــ کسی فرد یا طبقے کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور اس کے حقوق سلب کرنا۔

۴۔ حاشیائی طبقہ ـــــ معاشرے کا وہ کمزور طبقہ جو سماجی، معاشی یا سیاسی طور پر مرکزی دھارے سے دور ہو۔

۵۔ محرومی ـــــ بنیادی ضروریات، حقوق یا مواقع سے محروم رہنے کی حالت۔

۶۔ ترقی پسند فکر ـــــ سماجی مساوات، انسانی آزادی، انصاف اور استحصال سے نجات پر مبنی فکری رویہ۔

۷۔ مارکسی نقطۂ نظر ـــــ معاشرے کو طبقاتی تقسیم، معاشی نابرابری اور ذرائع پیداوار کی ملکیت کے تناظر میں دیکھنے کا نظریاتی زاویہ۔

۸۔ حقیقت نگاری ـــــ زندگی اور معاشرے کے حالات کو حقیقت کے قریب اور بناوٹ سے گریز کرتے ہوئے پیش کرنے کا ادبی رجحان۔

۹۔ اجتماعی شعور ـــــ کسی معاشرے یا گروہ کے مشترکہ خیالات، احساسات، تجربات اور اقدار کا مجموعہ۔

۱۰۔ نفسیاتی کشمکش ـــــ انسان کے ذہن میں مختلف خیالات، جذبات اور خواہشات کے درمیان پیدا ہونے والا داخلی اضطراب۔

۱۱۔ فلیش بیک ـــــ ماضی کے واقعات یا یادوں کو حال کے واقعات کے درمیان دوبارہ پیش کرنے کی فنی تکنیک۔

۱۲۔ شعور کی رو ـــــ کردار کے ذہن میں آنے والے خیالات، یادوں، احساسات اور تاثرات کو مسلسل انداز میں پیش کرنے کی تکنیک۔

۱۳۔ مکالمہ نگاری ـــــ کرداروں کی گفتگو کے ذریعے ان کے خیالات، جذبات، شخصیت اور واقعات کو نمایاں کرنے کا فنی طریقہ۔

۱۴۔ منظر نگاری ـــــ مقامات، ماحول اور واقعات کی ایسی لفظی تصویر کشی جس سے قاری کے ذہن میں واضح منظر پیدا ہو۔

11.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

۲۔ ناول ''فائر ایریا'' کے موضوع اور بنیادی فکر کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۳۔ **''فائرایریا ''**میں طبقاتی کشمکش،استحصال اور مزدور طبقے کے مسائل کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۴۔الیاس احمد گدی کے ناول **''فائرایریا ''**میں **حقیقت نگاری اور سماجی شعور** کی اہمیت واضح کیجیے۔

۵۔ **''فائرایریا ''** کے اہم کرداروں کی **کردار نگاری** کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

۶۔ **''فائرایریا ''** کی **زبان، اسلوب، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری** کا فنی جائزہ لیجیے۔

11.7 مشقی سوالات

1. **الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار** گفتگو کیجیے۔
2. ناول **''فائرایریا ''** کے موضوع، کردار نگاری اور فنی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔
3. **''فائرایریا ''** میں **مزدور تحریک، سیاسی شعور اور ترقی پسند فکر** کی عکاسی پر بحث کیجیے۔
4. الیاس احمد گدی نے **''فائرایریا ''** میں حاشیائی اور محروم طبقات کی زندگی کو کس طرح پیش کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

5. الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت، انسانی نفسیات اور طبقاتی شعور** کے باہمی تعلق پر تفصیلی بحث کیجیے۔

11.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

۱۔الیاس احمد گدی کا مشہور ناول **''فائرایریا''** ہے۔

۲۔''فائرایریا'' میں بنیادی طور پر **مزدور** طبقے کے مسائل اور جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۳۔الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی** حقیقت نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۴۔''فائرایریا'' کا بنیادی پس منظر **چھوٹا ناگپور** اور کان کنی سے وابستہ صنعتی علاقہ ہے۔

۵۔''فائرایریا'' میں مزدوروں کے استحصال کے ساتھ **طبقاتی** کشمکش کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

۶۔''فائرایریا'' کے عنوان میں **آگ** پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی کشمکش اور اضطراب کی علامت بن جاتی ہے۔

۷۔الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **ترقی پسند** شعور اور انسانی ہمدردی نمایاں فکری عناصر ہیں۔

۸۔''فائرایریا'' میں ماضی کے واقعات کو حال سے مربوط کرنے کے لیے **فلیش بیک** تکنیک سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۹۔کرداروں کے ذہنی خیالات، یادوں اور داخلی کیفیات کو پیش کرنے کے لیے **شعور کی رو** کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

۱۰۔''فائرایریا'' میں **ذات پات** پسماندہ طبقات کی زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔

۱۔الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار گفتگو کیجیے۔

الیاس احمد گدی اردو کے اہم افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں جنہوں نے معاشرے کے محروم، مظلوم اور حاشیائی طبقات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ان کی فکشن نگاری میں حقیقت پسندی، سماجی شعور، طبقاتی کشمکش، انسانی ہمدردی اور استحصال کے خلاف مزاحمت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔وہ زندگی کو محض ظاہری واقعات کے حوالے سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے پس منظر میں موجود معاشی، سیاسی اور سماجی عوامل کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی ناول نگاری اردو کے سماجی اور ترقی پسند فکشن میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کا بنیادی وصف **حقیقت نگاری** ہے۔انہوں نے اپنے ناولوں میں زندگی کے ان پہلوؤں کو پیش کیا جنہیں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔غربت، بھوک، بے روزگاری، مزدوروں کے مسائل، طبقاتی نابرابری، سیاسی استحصال اور

سماجی ناانصافی ان کے فکشن کے اہم موضوعات ہیں۔ان کے کردار عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے معاشی و سماجی حالات کے ساتھ جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کی ناول نگاری میں **طبقاتی شعور** کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ معاشرے کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنے والے معاشی اور سیاسی نظام کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک طرف سرمایہ دار، ٹھیکیدار، مافیااور بااثر طبقات ہیں، جب کہ دوسری طرف مزدور، کسان اور محروم لوگ ہیں۔ان دونوں کے درمیان موجود مفادات کا تضاد ان کے فکشن میں مختلف صورتوں میں سامنے آتا ہے۔

الیاس احمد گدی نے **مزدور طبقے** کو محض مظلوم بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ اس کے اندر موجود اجتماعی شعور اور مزاحمت کے جذبے کو بھی نمایاں کیا ہے۔ان کے یہاں مزدور اپنے حقوق سے آگاہ ہوتا ہے اور ظلم و استحصال کے خلاف جدوجہد کا احساس رکھتا ہے۔ یہی پہلو ان کے فکشن کو محض معاشرتی تصویر کشی سے بلند کر کے فکری اور نظریاتی معنویت عطا کرتا ہے۔ان کی ناول نگاری میں **انسانی نفسیات** بھی اہم ہے۔ان کے کردار صرف معاشی مسائل میں گھرے ہوئے افراد نہیں بلکہ احساس، جذبات، خوف، محبت، امید، غصے اور مایوسی رکھنے والے انسان ہیں۔ مصنف ان کی داخلی کیفیت اور نفسیاتی کشمکش کو بھی سامنے لاتے ہیں۔

فنی اعتبار سے ان کے یہاں **زبان کی سادگی، مکالموں کی برجستگی، منظر نگاری اور حقیقت پسندانہ اسلوب** نمایاں ہیں۔ وہ کرداروں کے طبقاتی اور علاقائی پس منظر کے مطابق زبان استعمال کرتے ہیں۔ صنعتی علاقوں، مزدور بستیوں اور عام انسانوں کی زندگی کی منظر کشی ان کے فنی شعور کا اہم حصہ ہے۔

"فائر ایریا "ان کی ناول نگاری کی ایک اہم مثال ہے جس میں جھارکھنڈ کے صنعتی اور کوئلہ کانوں کے علاقے کی زندگی، مزدوروں کے مسائل، طبقاتی استحصال اور سیاسی کشمکش کو پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کے ذریعے الیاس احمد گدی نے سماج کے ان طبقات کو آواز دی ہے جو معاشی اور سیاسی نظام میں سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات **حقیقت نگاری، سماجی شعور، طبقاتی کشمکش، مزدوروں کی ترجمانی، انسانی ہمدردی، نفسیاتی بصیرت اور ترقی پسند فکر** ہیں۔ ان کا فکشن معاشرے کے کمزور طبقے کی زندگی کو نہ صرف پیش کرتا ہے بلکہ اس کے مسائل کے اسباب پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔

۲۔ناول ''فائرایریا'' کے موضوع، کردار نگاری اور فنی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

''فائرایریا '' الیاس احمد گدی کا اہم ناول ہے جس میں صنعتی معاشرے، بالخصوص کوئلہ کانوں کے علاقے کی زندگی اور وہاں بسنے والے مزدور طبقے کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی موضوع **طبقاتی استحصال، غربت، بھوک، مزدوروں کی جدوجہد اور سماجی ناانصافی** ہے۔

ناول کا عنوان ''فائرایریا'' یعنی **آگ کا علاقہ** اپنے اندر علامتی معنویت بھی رکھتا ہے۔ کوئلے کی کانوں میں موجود آگ کے ساتھ ساتھ یہ عنوان اس پورے معاشرے کی داخلی کیفیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جہاں مزدور مسلسل غربت، خوف، ظلم اور استحصال کی آگ میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

ناول میں سہ **دیو پرسادرمانی، ننکو، کالے چند، کپل سنگھ، مجمدار، بھاردواج، رحمت، عریفاں، کھٹونیا، جگیشور دوسادھ اور پرتی بالا** جیسے کردار مختلف سماجی اور طبقاتی گروہوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے مزدور زندگی، سیاسی جدوجہد، طبقاتی اختلاف، محرومی اور انسانی رشتوں کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔ **مجمدار** ترقی پسند سیاسی فکر اور اجتماعی جدوجہد سے وابستہ کردار کے طور پر سامنے آتا ہے، جب کہ **بھاردواج** دلت مزدور سنگھ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ننکو، کالے چند اور دیگر کردار مزدور اور محروم طبقے کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔

فنی اعتبار سے ''فائرایریا'' میں **حقیقت نگاری** کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مصنف نے صنعتی ماحول، مزدور بستیوں، کوئلہ کانوں، غربت اور سماجی ناانصافی کو حقیقت کے قریب رہتے ہوئے پیش کیا ہے۔

ناول کی **زبان** سادہ، رواں اور موضوع کے مطابق ہے۔ مختلف طبقات کے کردار اپنی سماجی حیثیت اور ماحول کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ **مکالمہ نگاری** کے ذریعے کرداروں کی نفسیات، خیالات اور طبقاتی شعور نمایاں ہوتا ہے۔ **منظر نگاری** بھی ناول کی اہم فنی خوبی ہے۔ کوئلہ کانوں، آگ، دھوئیں، صنعتی ماحول اور مزدور بستیوں کی تصویریں ناول کے ماحول کو حقیقی بناتی ہیں۔ فلیش بیک اور شعور کی رو جیسی تکنیکوں سے ماضی اور حال کے واقعات اور کرداروں کی داخلی کیفیت کو مربوط کیا گیا ہے۔

اس طرح ''فائرایریا'' موضوع کے اعتبار سے سماجی اور طبقاتی ناول، جب کہ فنی اعتبار سے حقیقت نگاری، کردار نگاری، مکالمہ، منظر نگاری اور جدید بیانیہ تکنیکوں کا عمدہ امتزاج ہے۔

۳۔ ''فائر ایریا'' میں مزدور تحریک، سیاسی شعور اور ترقی پسند فکر کی عکاسی پر بحث کیجیے۔

''فائر ایریا'' میں **مزدور تحریک اور سیاسی شعور** کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ الیاس احمد گدی نے صنعتی معاشرے میں مزدور طبقے کی حالت کو محض غربت اور محرومی کے مسئلے کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اس کے سیاسی اور اجتماعی اسباب کو بھی نمایاں کیا ہے۔

ناول میں مزدور اپنے معاشی حالات سے دوچار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے **حقوق اور اجتماعی طاقت** سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ ان کے مسائل انفرادی نہیں بلکہ پورے طبقے کے مسائل ہیں۔ یہی احساس مزدوروں میں اجتماعی جدوجہد اور تحریک کا شعور پیدا کرتا ہے۔

مزدور تحریک کے ذریعے ناول میں بہتر اجرت، انسانی وقار، کام کے مناسب حالات اور استحصال سے آزادی کی خواہش سامنے آتی ہے۔ مزدور جب اپنے مسائل کو اجتماعی مسئلہ سمجھتے ہیں تو ان میں مزاحمت اور اتحاد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ناول کا **سیاسی شعور** بھی اسی طبقاتی صورتِ حال سے جڑا ہوا ہے۔ مصنف نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیاست اور معیشت عام انسان کی زندگی سے الگ نہیں۔ سیاسی طاقت اور معاشی مفادات جب باہم مل جاتے ہیں تو سب سے زیادہ نقصان کمزور طبقات کو پہنچتا ہے۔ **ترقی پسند فکر** کے اعتبار سے ناول میں انسانی مساوات، سماجی انصاف، طبقاتی استحصال کے خاتمے اور محروم انسانوں کے حقوق کی حمایت ملتی ہے۔ الیاس احمد گدی کے نزدیک ادب کو زندگی کے مسائل سے وابستہ ہونا چاہیے اور اسے مظلوم انسان کی آواز بننا چاہیے۔ ناول میں **مجمدار** اور **بھاردواج** جیسے کردار اجتماعی اور سیاسی شعور کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے مزدور تحریک، ترقی پسند سیاست اور محروم طبقات کی اجتماعی جدوجہد کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اس طرح ''فائر ایریا'' میں مزدور تحریک محض ایک سیاسی سرگرمی نہیں بلکہ **انسانی عزت، معاشی انصاف اور سماجی مساوات کے حصول کی جدوجہد** بن جاتی ہے۔ یہی ترقی پسند فکر ناول کے بنیادی فکری ڈھانچے کو مضبوط کرتی ہے۔

۴۔ الیاس احمد گدی نے ''فائر ایریا'' میں حاشیائی اور محروم طبقات کی زندگی کو کس طرح پیش کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے معاشرے کے **حاشیائی، محروم اور کمزور طبقات** کو اپنی تخلیقات میں مرکزی جگہ دی۔ ''فائر ایریا'' میں بھی یہی رویہ نمایاں ہے۔ ناول کا بیشتر فکری اور سماجی منظر نامہ ان لوگوں کی زندگی سے تشکیل پاتا ہے جو صنعتی اور معاشی نظام میں سب سے زیادہ استحصال کا شکار ہیں۔

ناول میں **مزدور طبقہ** مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنی محنت سے صنعت اور معیشت کو آگے بڑھاتے ہیں، لیکن خود غربت، بھوک، عدم تحفظ اور محرومی میں زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے لیے روزگار صرف آمدنی کا ذریعہ نہیں بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ

بھی بن جاتا ہے۔ الیاس احمد گدی نے حاشیائی طبقات کو صرف **مظلوم اور بے بس** کرداروں کے طور پر پیش نہیں کیا۔ ان کے اندر خودداری، جذبات، محبت، غصہ، امید اور مزاحمت کا جذبہ بھی موجود ہے۔ وہ اپنے حالات کو سمجھتے اور ان کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناول میں **دلت مزدوروں** کی صورتِ حال بھی سماجی محرومی کے ایک اہم پہلو کو سامنے لاتی ہے۔ اس طرح طبقاتی استحصال کے ساتھ ساتھ ذات پات اور سماجی امتیاز کے مسائل بھی ناول کے وسیع تناظر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ حاشیائی طبقات کی زندگی پیش کرتے ہوئے مصنف نے ان کے **ماحول، زبان، رہن سہن اور روزمرہ زندگی** کو بھی اہمیت دی ہے۔ اس سے ان کرداروں کی زندگی مصنوعی محسوس نہیں ہوتی بلکہ حقیقی سماجی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ ناول میں مافیا، ٹھیکیدار، پولیس اور بااثر عناصر کے کردار بھی اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ محروم طبقات کن طاقتوں کے درمیان پسے ہوئے ہیں۔ ان کے مسائل صرف غربت تک محدود نہیں بلکہ پورا سماجی و سیاسی نظام ان کے خلاف کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔

اس طرح ''فائر ایریا'' حاشیائی طبقات کی **زندگی، محرومی، استحصال، اجتماعی شعور اور مزاحمت** کی مؤثر عکاسی کرتا ہے۔ الیاس احمد گدی نے ان لوگوں کو محض موضوع نہیں بنایا بلکہ انہیں ناول کے فکری مرکز میں جگہ دی ہے۔

۵۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں سماجی حقیقت، انسانی نفسیات اور طبقاتی شعور کے باہمی تعلق پر تفصیلی بحث کیجیے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت، انسانی نفسیات اور طبقاتی شعور** ایک دوسرے سے گہرے طور پر وابستہ ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کو اس کے سماجی اور معاشی ماحول سے الگ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کرداروں کی نفسیات پر ان کے طبقاتی اور معاشی حالات کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ **سماجی حقیقت** ان کے فکشن کی بنیادی سطح ہے۔ غربت، بھوک، بے روزگاری، مزدوروں کا استحصال، طبقاتی نابرابری، سیاسی دباؤ اور سماجی ناانصافی جیسے مسائل ان کے ناولوں میں حقیقت کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد زندگی کو خوب صورت بنا کر دکھانا نہیں بلکہ اس کی اصل صورت کو سامنے لانا ہے۔ اس سماجی حقیقت کا براہِ راست اثر **انسانی نفسیات** پر پڑتا ہے۔ غربت انسان میں خوف اور بے بسی پیدا کرتی ہے، مسلسل استحصال غصے اور اضطراب کو جنم دیتا ہے، جب کہ اجتماعی جدوجہد امید اور مزاحمت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ الیاس احمد گدی نے ان داخلی کیفیات کو بھی اپنے کرداروں کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ تیسرا اہم عنصر **طبقاتی شعور** ہے۔ جب کردار اپنے معاشی اور سماجی حالات کے اسباب کو سمجھنے لگتے ہیں تو ان کے اندر طبقاتی شعور پیدا ہوتا ہے۔ انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کی محرومی صرف ذاتی قسمت نہیں بلکہ ایک مخصوص معاشی اور سماجی نظام کا نتیجہ ہے۔

''فائر ایریا'' میں یہی تینوں عناصر ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ مزدور کی **سماجی حالت** اس کی **نفسیاتی کیفیت** کو متاثر کرتی ہے، اور یہی تجربہ رفتہ رفتہ اس میں **طبقاتی شعور** پیدا کرتا ہے۔ طبقاتی شعور کے نتیجے میں وہ انفرادی محرومی سے نکل کر اجتماعی جدوجہد کی طرف بڑھتا ہے۔

الیاس احمد گدی کے کردار اس اعتبار سے اہم ہیں کہ وہ اپنے حالات کے صرف خاموش تماشائی نہیں۔ ان کے اندر حالات کو بدلنے کی خواہش بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہی خواہش ان کے فکشن میں **مزاحمت اور اجتماعی جدوجہد** کی بنیاد بنتی ہے۔

اس پورے عمل میں مصنف انسانی نفسیات کو سماجی حقیقت سے جدا نہیں کرتے۔ ان کے یہاں فرد کی داخلی دنیا اور معاشرے کی خارجی دنیا ایک دوسرے کا عکس بن جاتی ہیں۔ غربت، استحصال اور طبقاتی نابرابری فرد کے جذبات اور سوچ کو متاثر کرتے ہیں، جب کہ فرد کا شعور اجتماعی تبدیلی کی خواہش کو جنم دیتا ہے۔ مجموعی طور پر الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت بنیاد، انسانی نفسیات اس کی داخلی جہت اور طبقاتی شعور اس کا فکری نتیجہ** بن کر سامنے آتا ہے۔ یہی باہمی تعلق ان کے فکشن کو سماجی، نفسیاتی اور ترقی پسند معنویت عطا کرتا ہے اور انہیں اردو کے اہم حقیقت پسند ناول نگاروں میں نمایاں مقام فراہم کرتا ہے۔

11.9 امدادی کتب

1۔ فائر ایریا ـــــ الیاس احمد گدی

2۔ اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ـــــ ڈاکٹر احسن فاروقی

3۔۔ اردو فکشن ـــــ آل احمد سرور

4۔ ناول کا فن ـــــ ای۔ ایم۔ فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

5 بیسویں صدی میں اردو ناول ـــــ ڈاکٹر یوسف سرمست

6۔ داستان سے افسانے تک ـــــ وقار عظیم

7۔ اردو ناول کی تاریخ و تنقید ـــــ علی عباس حسینی

8۔ ادبی تخلیق اور ناول ـــــ احسن فاروقی

9۔ اردو ناول بیسویں صدی میں ـــــ عبدالسلام

10۔ترقی پسند تحریک اور اردو ناول ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

11۔ تفہیم و تعبیر ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

12۔1970ء کے بعد کے اہم فکشن نگار ——ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

13۔آزادی کے بعد اردو ناول ——ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۱۲۔ ''فائرایریا'' کا فکری و فنی مطالعہ

ساخت

12.0 اغراض و مقاصد

12.1 تعارف

12.2 ''فائرایریا'' کا فکری و فنی مطالعہ

12.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

12.4 عمومی جائزہ

12.5 فرہنگ

12.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

12.7 مشقی سوالات

12.8 جوابات سرگرمی مشقی سوالات کے جوابات

12.9 امدادی کتب

12.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ **الیاس احمد گدی** کی ناول نگاری کے اہم فکری اور فنی پہلوؤں سے واقف ہو سکیں گے۔ آپ ان کے ادبی مقام، موضوعات، اسلوب اور سماجی شعور کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کے معروف ناول **''فائر ایریا ''** کا تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ بھی کر سکیں گے۔ اس سبق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ ناول کو محض ایک قصے یا واقعات کے مجموعے کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس میں موجود سماجی، سیاسی، معاشی، تہذیبی اور انسانی مسائل کو بھی گہرائی سے سمجھ سکیں۔

اس سبق کے ذریعے آپ یہ جان سکیں گے کہ الیاس احمد گدی نے اردو ناول میں **محنت کش طبقے، مزدوروں، کسانوں، پسماندہ طبقات، غربت، بھوک، استحصال، طبقاتی کشمکش اور سماجی ناہمواری** جیسے موضوعات کو کس طرح پیش کیا۔ آپ ان کے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اور ترقی پسند فکری رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سمجھ سکیں گے کہ ان کے نزدیک ادب اور معاشرتی زندگی کا باہمی تعلق کیا ہے۔

آپ **''فائر ایریا ''** کے موضوع، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، زبان واسلوب اور فنی تکنیکوں کا مطالعہ بھی کریں گے۔ بالخصوص آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ناول میں صنعتی علاقے، کان کنی سے وابستہ مزدوروں کی زندگی، غربت، بھوک، سیاسی کشمکش، طبقاتی استحصال، ذات پات کی تفریق اور طاقت ور طبقوں کے مظالم کو کس طرح فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس سبق کے اختتام تک آپ **فلیش بیک، شعور کی رو، حقیقت نگاری، علامت نگاری اور نفسیاتی تجزیے** جیسی فنی تکنیکوں کی اہمیت کو بھی سمجھ سکیں گے اور یہ جان سکیں گے کہ الیاس احمد گدی نے ان تکنیکوں کو اپنے ناول کے فکری تقاضوں سے کس طرح ہم آہنگ کیا ہے۔ اس کے ساتھ آپ ''فائر ایریا'' کے عنوان کی معنویت اور ''آگ'' کو ایک علامت کے طور پر سمجھتے ہوئے ناول کے مجموعی فکری تصور سے اس کا تعلق قائم کر سکیں گے۔

12.1 تعارف

الیاس احمد گدی کے ناول **''فائر ایریا ''** کے فکری و فنی مطالعے کے دوران آپ اردو ناول میں سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی کشمکش، معاشی ناہمواری اور محروم طبقات کی زندگی کی عکاسی جیسے اہم موضوعات سے واقف ہوں گے۔ یہ ناول محض ایک فرد یا خاندان کی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرتی ماحول کی بھرپور عکاسی کرتا ہے جہاں غربت، بھوک، بے روزگاری، استحصال، طبقاتی

تفریق، ذات پات کی بنیاد پر امتیاز اور طاقت ور طبقات کی اجارہ داری عام انسان کی زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ ناول نگار نے اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر معاشرے کے ان طبقات کو اپنی تخلیق کا موضوع بنایا ہے جو معاشی اور سماجی اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود زندگی کی جدوجہد جاری رکھتے ہیں۔

آپ اس مطالعے میں یہ جانیں گے کہ **''فائر ایریا ''** کا بنیادی پس منظر جھارکھنڈ کے کوئلہ کانوں اور ان سے وابستہ مزدور طبقے کی زندگی سے تشکیل پاتا ہے۔ کوئلے کی کانوں، صنعتی علاقوں، دیہی معاشرت اور مزدور بستیوں کے ماحول کو ناول نگار نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہاں کی معاشی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی پیچیدگیاں بھی نمایاں ہو جاتی ہیں۔ کان کنی سے وابستہ مزدوروں کی محنت، ان کی کم اجرت، غیر محفوظ حالاتِ کار اور معاشی مجبوریوں کے ساتھ ساتھ ٹھیکے داروں، مافیا، پولیس اور بااثر عناصر کے استحصالی رویے کو بھی ناول میں موضوع بنایا گیا ہے۔ اس طرح آپ کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ صنعتی ترقی اور معاشی سرگرمیوں کے باوجود عام مزدور کی زندگی کس طرح مشکلات اور محرومیوں سے دوچار رہتی ہے۔

اس ناول کے مطالعے کے ذریعے آپ **طبقاتی کشمکش** کے مختلف پہلوؤں کو بھی سمجھ سکیں گے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو وسائل، اختیار اور طاقت پر قابض ہیں اور دوسری طرف وہ مزدور اور محروم طبقات ہیں جو اپنی محنت کے باوجود بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ الیاس احمد گدی نے ان دونوں طبقات کے درمیان موجود معاشی اور سماجی فاصلے کو مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ ناول میں **سہدیو پرسادرامانی، ننکو، کالا چند، کپل سنگھ، مجمدار، بھاردواج، رحمت، عارفاں، کھٹونیا اور جگیشور دوسادھ** جیسے کردار اپنے اپنے طبقاتی اور سماجی پس منظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے آپ کو یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ معاشرتی حالات انسان کی سوچ، رویوں اور زندگی کے فیصلوں پر کس طرح اثرانداز ہوتے ہیں۔

''فائر ایریا '' میں ذات پات کا مسئلہ بھی نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ناول نگار نے سماج میں موجود ذات پاتی تفریق اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی محرومیوں کو محض نظری انداز میں بیان نہیں کیا بلکہ کرداروں کی عملی زندگی اور باہمی تعلقات کے ذریعے اسے محسوس کرایا ہے۔ اس اعتبار سے یہ ناول حاشیے پر موجود طبقات کی زندگی اور ان کے مسائل کو سمجھنے کا اہم ذریعہ بن جاتا ہے۔ آپ اس مطالعے کے ذریعے یہ بھی دیکھیں گے کہ معاشی استحصال اور ذات پاتی امتیاز بعض اوقات ایک دوسرے سے جڑ کر محروم طبقے کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔

ناول کا ایک اہم فکری پہلو **ترقی پسند سماجی شعور** ہے۔ الیاس احمد گدی نے مزدوروں اور محروم طبقات کے مسائل کو محض ہمدردی کے جذبے سے پیش نہیں کیا بلکہ ان کے پسِ پشت موجود سماجی اور معاشی نظام پر بھی توجہ مرکوز کی ہے۔ مزدوروں کی

اجتماعی جدوجہد، حقوق کی آگاہی اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت ناول کے فکری نظام کا اہم حصہ ہے۔اس مطالعے میں آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ اردو فکشن میں سماجی شعور کس طرح کردار، مکالمے، واقعات اور حالاتِ زندگی کے ذریعے تخلیقی صورت اختیار کرتا ہے۔

فنی اعتبار سے بھی **''فائرایریا''** ایک اہم ناول ہے۔الیاس احمد گدی نے واقعات کو محض زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے **فلیش بیک، شعور کی رو، یادداشت، داخلی کیفیات اور مختلف بیانیہ تکنیکوں** سے کام لیا ہے۔اس کے نتیجے میں ماضی اور حال ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور کرداروں کی داخلی دنیا بھی قاری کے سامنے آتی ہے۔آپ اس مطالعے میں یہ جائزہ لیں گے کہ فنی تکنیکیں کس طرح ناول کے موضوع کو زیادہ مؤثر، جاندار اور حقیقت سے قریب بناتی ہیں۔

ناول کا عنوان **''فائرایریا''** بھی اپنے اندر علامتی معنویت رکھتا ہے۔آگ یہاں صرف ایک ظاہری یا مادی عنصر نہیں بلکہ ایک ایسے ماحول کی علامت بن جاتی ہے جس میں محروم اور محنت کش انسان مسلسل معاشی، سماجی اور سیاسی کشمکش سے گزرتا ہے۔ اس علامتی پہلو کا مطالعہ آپ کو یہ سمجھنے میں مدد دے گا کہ ناول نگار کس طرح ایک عنوان یا استعارے کو پوری تخلیق کے فکری نظام سے مربوط کرتا ہے۔

اس مطالعے کے دوران آپ **کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری، زبان و بیان، علامت نگاری، حقیقت نگاری، فلیش بیک اور شعور کی رو** جیسی فنی خصوصیات کا بھی جائزہ لیں گے۔خاص طور پر یہ دیکھا جائے گا کہ الیاس احمد گدی نے مقامی ماحول، مزدوروں کی زبان، روزمرہ زندگی اور معاشرتی رویوں کو کس طرح ناول کی فنی ساخت کا حصہ بنایا ہے۔اس طرح ''فائرایریا'' کا مطالعہ آپ کو محض ایک ناول کی کہانی سمجھنے تک محدود نہیں رکھے گا بلکہ اردو ناول میں **حقیقت نگاری، سماجی شعور اور فنی اظہار کے باہمی تعلق** کو سمجھنے کا موقع فراہم کرے گا۔

آخر میں آپ اس نتیجے تک پہنچ سکیں گے کہ **''فائرایریا''** میں فکری اور فنی عناصر ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ ناول نگار نے اپنے عہد کے معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل کو کرداروں اور واقعات کے ذریعے پیش کرتے ہوئے حقیقت نگاری کو تخلیقی اظہار کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ ناول محض ایک مخصوص علاقے یا طبقے کی کہانی نہیں رہتا بلکہ انسانی محرومی، استحصال، جدوجہد اور بہتر زندگی کی خواہش جیسے وسیع تر انسانی مسائل کی نمائندگی کرتا ہے۔

12.2 ناول ''فائر ایریا'' کا تنقیدی مطالعہ

الیاس احمد گدی اردو کے ان اہم فکشن نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقات میں سماج کے محروم، مظلوم، محنت کش اور حاشیے پر زندگی گزارنے والے طبقات کے مسائل کو نہایت شدت اور حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا۔ ان کی شہرت کا سب سے بڑا سبب ان کا معروف ناول ''فائر ایریا'' ہے، جس نے نہ صرف اردو ناول کی روایت میں ایک منفرد مقام حاصل کیا بلکہ مزدوروں کی زندگی اور ان کے مسائل کو ادبی سطح پر ایک نئی معنویت عطا کی۔ الیاس احمد گدی کا تعلق ایسے ماحول سے تھا جہاں زندگی کے حقیقی مسائل، محنت کش طبقے کی جدوجہد اور سماجی ناہمواریاں ان کے مشاہدے کا حصہ بنیں۔ ان کا بچپن اور جوانی علمی و ادبی ماحول میں گزرا۔ ان کے بڑے بھائی غیاث احمد گدی اردو کے معروف افسانہ نگار تھے، جس کے باعث ادب سے ان کی وابستگی مزید مضبوط ہوئی۔ الیاس احمد گدی 24 اپریل 1934ء کو ضلع دھنباد کے محلہ گدی میں پیدا ہوئے اور 27 جولائی 1997ء کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا اور ان کا ابتدائی افسانہ ''سرخ نوٹ'' 1948ء میں ماہ نامہ ''افکار'' بھوپال میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ان کے افسانوی مجموعے ''آدمی'' 1980ء اور ''تھکا ہوا دن'' 1989ء میں شائع ہوئے اور ادبی حلقوں میں ان کی شناخت مستحکم ہوئی۔ الیاس احمد گدی نے تین ناول تحریر کیے جن میں ''زخم'' 1953ء، ''مرحم'' 1954ء اور ''فائر ایریا'' 1994ء شامل ہیں۔ ان تینوں میں ''فائر ایریا'' ان کی ادبی شخصیت اور تخلیقی فکر کا سب سے نمایاں حوالہ بن کر سامنے آتا ہے۔ اس ناول پر انھیں 1997ء میں ساہتیہ اکادمی انعام سے نوازا گیا، جو ان کے فن اور ان کے موضوع کی اہمیت کا اعتراف ہے۔

''فائر ایریا'' بنیادی طور پر ایک سیاسی، سماجی اور طبقاتی ناول ہے جس میں آگ کو ایک نہایت بامعنی استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ تقریباً 367 صفحات پر مشتمل یہ ناول کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی سسکتی، بلکتی، بے بس اور استحصال زدہ زندگی کو مرکز بناتا ہے۔ الیاس احمد گدی نے اس ناول میں کول فیلڈ کی دنیا کو صرف ایک صنعتی علاقے کی حیثیت سے پیش نہیں کیا بلکہ اسے پورے استحصالی معاشرے کی علامت بنا دیا ہے۔ یہاں کوئلے کی کانوں کے اندر جلنے والی آگ کے ساتھ ساتھ مزدور کے پیٹ میں بھوک کی آگ، دل میں محرومی کی آگ، ذہن میں خوف کی آگ اور ظلم کے خلاف بغاوت کی آگ بھی موجود ہے۔ اسی لیے ''فائر ایریا'' کا عنوان اپنے اندر کئی معنوی سطحیں رکھتا ہے۔ ناول کا بنیادی موضوع کول فیلڈ میں کام کرنے والے مزدوروں کا استحصال ہے، لیکن اس مرکزی موضوع کے گرد غربت، بھوک، کم اجرت، سود خوری، دھاندلی، ناانصافی، قتل

وغارت گری، سیاسی بد عنوانی، غنڈہ گردی، مافیا، لا قانونیت، عورتوں کا جنسی استحصال، توہم پرستی اور مزدوروں کے اندر موجود خوف جیسے متعدد مسائل گردش کرتے ہیں۔

الیاس احمد گدی نے اس ناول کا تانا بانا چھوٹا ناگپور کی تہذیب و معاشرت کے گرد تیار کیا ہے۔ ناول کا آغاز گیا ضلع کے ایک گاؤں سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام دھنباد، جھریا میں مجمدار کی موت اور اس کے جنازے کے جلوس پر ہوتا ہے۔ اس طرح ناول ایک فرد کی کہانی سے شروع ہو کر پورے طبقے اور معاشرے کی کہانی بن جاتا ہے۔ تین ابواب پر مشتمل اس ناول میں اختصار، ربط اور تسلسل نمایاں ہے۔ پلاٹ بہت مربوط ہے اور واقعات ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ کہانی کے آغاز سے اختتام تک روانی برقرار رہتی ہے۔ ناول نگار نے واقعات، خیالات اور کرداروں کی تنظیم و ترتیب میں تناسب اور توازن قائم رکھا ہے۔ ناول کی ہیئت بنیادی طور پر بیانیہ ہے، تاہم کرداروں کے ماضی کو سامنے لانے اور ان کی داخلی و نفسیاتی کیفیت کو واضح کرنے کے لیے فلیش بیک اور شعور کی رو جیسی تکنیکوں سے بھی کامیاب استفادہ کیا گیا ہے۔ اس فنی طریقۂ کار کے باعث ناول میں محض خارجی واقعات کی تصویر کشی نہیں ہوتی بلکہ کرداروں کے اندرونی اضطراب اور ذہنی کشمکش بھی قاری کے سامنے آتی ہے۔

''فائر ایریا'' کے تمام کردار ہندوستانی معاشرے کے حقیقی اور جیتے جاگتے کردار محسوس ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم سہدیو پر سادرمانی ہے جو ناول کا مرکزی کردار ہے۔ سہدیو ست گانواں، ضلع گیا کا رہنے والا ہے اور تلاشِ معاش میں اپنے گاؤں اور محبوبہ کو چھوڑ کر ننکو کے ساتھ کول فیلڈ آتا ہے۔ سہدیو ایک سادہ، حساس، درد مند اور اصول پسند انسان ہے۔ ابتدا میں وہ کول فیلڈ کے ماحول سے سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اپنے اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کرتا ہے۔ وہ کالا چند کو کپل سنگھ کے غنڈوں سے بچاتا ہے، جس کے نتیجے میں کپل سنگھ جیسا غنڈوں کا سردار اس کا جانی دشمن بن جاتا ہے۔ ننکو اسے کول فیلڈ کے ماحول اور وہاں کے طور طریقوں سے واقف کراتا ہے، لیکن سہدیو شروع میں اپنی اصول پسندی ترک نہیں کرتا۔ وہ مجمدار کی وساطت سے کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہو جاتا ہے اور یوں اس کے کردار میں سیاسی شعور کی ایک نئی جہت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم زندگی ہمیشہ انسان کے نظریات کے مطابق نہیں چلتی۔ بعد میں بھاردواج کی وساطت سے ٹرنر موریسن کمپنی میں ملازمت حاصل کرتے ہوئے سہدیو کو حالات کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ اس تبدیلی سے مجمدار دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ سہدیو کا یہ سفر اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ استحصالی معاشرہ صرف مزدور کے جسم کا استحصال نہیں کرتا بلکہ اس کے نظریات، اصول اور اخلاقی قوت کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ مجمدار کی موت کے بعد سہدیو کی کیفیت اس کے کردار کی حساسیت کو مزید نمایاں کرتی ہے۔ وہ خود کو مجمدار کے

خون کا مجرم سمجھتا ہے اور اندر ہی اندر شدید کرب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس طرح سہدیو ایک ایسے عام انسان کی علامت بن جاتا ہے جو ظلم کے خلاف دل میں شدید احساس رکھتا ہے لیکن حالات، ضرورت اور سماجی طاقتیں اسے سمجھوتے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

مجمدار ''فائر ایریا'' کا ایک نہایت اہم نظریاتی کردار ہے۔ وہ ترقی پسند اور اشتراکی نظریات کا حامل ہے اور مزدوروں کے حقوق کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مزدوروں کی حالت صرف اجرت بڑھانے سے بہتر نہیں ہو سکتی بلکہ انہیں تعلیم، شعور اور تنظیم کی ضرورت ہے۔ اس کے نزدیک مزدور کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا ہے، اس کی طاقت کیا ہے اور کون اس کا استحصال کر رہا ہے۔ اسی لیے وہ مزدوروں کو ایجوکیٹ کرنے پر زور دیتا ہے۔ اس کا کردار مزدور شعور، سیاسی بیداری، مزاحمت اور اجتماعی جدوجہد کی علامت بن جاتا ہے۔ مجمدار کی موت ناول کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ بھاردواج کو جب معلوم ہوتا ہے کہ جیل سے رہا ہونے والے پانچ آدمیوں میں سے ایک کا تعلق مجمدار کی پارٹی سے تھا اور مجمدار نے اس کی رہائی رکوانے میں کردار ادا کیا تھا تو وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے مجمدار کو قتل کرواتا ہے۔ گولیوں کی بوچھار میں مجمدار مارا جاتا ہے۔ اس واقعے کے ذریعے الیاس احمد گدی نے یہ دکھایا ہے کہ استحصالی نظام اپنے خلاف اٹھنے والی آواز کو کس قدر بے رحمی سے کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ مجمدار کی موت صرف ایک فرد کا قتل نہیں بلکہ حق، انصاف، سیاسی شعور اور مزدوروں کے اتحاد کی آواز کو دبانے کی کوشش کی علامت ہے۔

مجمدار کی موت کے واقعے میں رحمت کا بیٹا عرفان بھی موجود ہوتا ہے جو کسی طرح بچ نکلتا ہے۔ دوسری طرف سہدیو بھیڑ میں شامل ہوتا ہے اور مجمدار کی لاش دیکھ کر رونے لگتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ مجمدار کے خون میں کہیں نہ کہیں اس کا بھی حصہ ہے۔ یہ کیفیت سہدیو کے اندرونی کرب اور اس نظام کی پیچیدگی کو ظاہر کرتی ہے جس میں اچھا اور حساس انسان بھی حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسے فیصلے کر بیٹھتا ہے جو اس کے ضمیر کو زخمی کر دیتے ہیں۔ الیاس احمد گدی خود ترقی پسند اور اشتراکی فکر سے متاثر تھے، اس لیے مجمدار کی موت کے ذریعے انھوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ پُرآشوب سماجی و سیاسی حالات میں حق کی آواز بلند کرنا کتنا مشکل ہے اور طاقت کا نظام اپنے مخالفین کو ختم کرنے کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔

رحمت میاں بھی ناول کے اہم کرداروں میں شامل ہے۔ وہ دبلا پتلا، غریب اور کمزور ساخت کا مزدور ہے۔ اس کے گھر میں بوڑھا باپ، بیٹا عرفان اور بیوی خنتونیا ہے۔ وہ رسول پور کا باشندہ اور سہدیو کا قریبی ساتھی ہے۔ کول فیلڈ میں ایک حادثے کا شکار ہو جانے کے بعد اس کی لاش کو غائب کر دیا جاتا ہے اور اسے ڈیوٹی سے غیر حاضر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ کول فیلڈ کے غیر انسانی اور بے رحم نظام کی انتہائی بھیانک تصویر پیش کرتا ہے۔ مزدور جو اپنی جان خطرے میں ڈال کر کان سے کوئلہ نکالتا ہے، اس

کی موت کے بعد بھی اسے انصاف نہیں ملتا بلکہ اس کی موت کو چھپا دیا جاتا ہے تاکہ کمپنی اور متعلقہ افراد اپنی ذمہ داری سے بچ سکیں۔ رحمت میاں اس پورے مزدور طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جس کی زندگی اور موت دونوں طاقتور طبقے کے مفاد کے تابع ہیں۔

ختو نیا ناول کا ایک متحرک، باہمت اور مؤثر نسوانی کردار ہے۔ اس کا شوہر کول فیلڈ کی اندھیری کھائی میں مارا جاتا ہے اور وہ اپنے کمسن بیٹے عرفان کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے کوئلہ بیچنے کا کام کرتی ہے۔ شوہر کی موت کے بعد وہ ٹوٹ کر بکھر نہیں جاتی بلکہ حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔ کولیری میں سہدیو اور اس کی برہمن بیوی پرتی بالا اس کا ساتھ دیتے ہیں اور جب سہدیو بیمار پڑتا ہے تو ختو نیا بھی اس کی مدد کرتی ہے۔ مجمدار کی موت کے بعد وہ انصاف کے مطالبے کے لیے جلوس میں شامل ہوتی ہے۔ اس کے کردار میں بیک وقت محرومی، جدوجہد، حوصلہ، خودداری اور مزاحمت کی کیفیت موجود ہے۔ ناول کے اختتام پر جب ختو نیا سہدیو کے قریب آتی ہے تو سہدیو اس کی آنکھوں میں ایک شعلہ لہکتا ہوا دیکھتا ہے: ''آگ۔۔۔!'' یہ آگ ختو نیا کی ذاتی تکلیف کی آگ بھی ہے اور پورے مظلوم طبقے کے اندر بیدار ہونے والی مزاحمت کی آگ بھی۔ اس طرح ختو نیا ناول کے اختتام پر امید، بغاوت اور مستقبل کے اجتماعی شعور کی علامت بن جاتی ہے۔

جگیشر دوسادھ کا کردار اس اعتبار سے اہم ہے کہ وہ کول فیلڈ کے حالات کے ساتھ سمجھوتا کر کے ترقی کرنے والے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ وہاں کے ماحول میں خود کو اس طرح ڈھال لیتا ہے کہ دولت حاصل کرتا ہے، بنگلہ اور گاڑی خریدتا ہے اور اپنے بچوں کو اچھے اسکول میں تعلیم دلاتا ہے۔ ناول نگار نے اس کردار کے ذریعے ان لوگوں پر طنز کیا ہے جو ظلم اور بدعنوانی کے خلاف مزاحمت کرنے کے بجائے اسی نظام کا حصہ بن جاتے ہیں اور اپنے مفاد کے لیے اس کے ساتھ سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ جگیشر کا کردار موقع پرستی، مفاد پرستی اور سماجی بے حسی کی علامت بن جاتا ہے۔ وہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ استحصالی نظام صرف مظلوم پیدا نہیں کرتا بلکہ ایسے افراد بھی پیدا کرتا ہے جو اسی نظام سے فائدہ اٹھا کر دوسروں کے استحصال میں بالواسطہ شریک ہو جاتے ہیں۔

پرتی بالا ایک برہمن بیوہ کا کردار ہے اور اس کے ذریعے ناول نگار نے عورت کے سماجی عدم تحفظ کو نمایاں کیا ہے۔ ایک عورت کے لیے خصوصاً اکیلے رہ کر زندگی گزارنا کس قدر دشوار اور خطرناک ہو سکتا ہے، اس کی جھلک اس کے کردار میں ملتی ہے۔ سہدیو سے گفتگو کے دوران وہ بتاتی ہے کہ اس نے شروع میں گھر سے باہر نکل کر خود اپنے لیے کچھ کرنے کا سوچا تھا، لیکن اس کے بھائی نے اسے روک دیا کیونکہ باہر کی دنیا اس کے لیے ایک ''ہولناک جنگل'' تھی جہاں ہزاروں بھیڑیے اور درندے آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ یہاں بھیڑیے اور درندے محض جانور نہیں بلکہ اس مردانہ معاشرے کے ہوس پرست اور طاقتور افراد کی

علامت ہیں جو اکیلی اور کمزور عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ پرتی بالا کے ذریعے الیاس احمد گدی نے طبقاتی استحصال کے ساتھ ساتھ صنفی استحصال کے مسئلے کو بھی نمایاں کیا ہے۔

''فائر ایریا'' میں عورتوں کا جنسی استحصال ایک اہم موضوع کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کولیری میں کام کرنے والی عورتیں مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ محنت کرتی ہیں لیکن ان کی عزت و عصمت محفوظ نہیں۔ مزدوروں سے لے کر لیڈروں، سرداروں، ٹھیکیداروں، بابوؤں اور مالکان تک مختلف سطحوں پر عورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ کمزور عورت کو طاقت کے ذریعے خاموش کیا جاتا ہے اور اگر کوئی مزاحمت کرے تو اسے سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ الیاس احمد گدی نے اس صورت حال کو محض جنسی مسئلے کے طور پر نہیں بلکہ طاقت کے وسیع تر نظام کا حصہ قرار دیا ہے۔ عورت کے جسم پر قبضہ دراصل کمزور طبقے پر طاقت کے استعمال کی ایک شکل بن جاتا ہے۔ اس کے باوجود ناول کی عورتیں محض بے بس اور خاموش کردار نہیں۔ ختونیا کی زندگی اور مزاحمت یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت اپنے وجود اور بقا کے لیے مسلسل جدوجہد کر سکتی ہے۔

ناول میں بھوک ایک نہایت اہم مسئلہ ہے اور دراصل بہت سے دوسرے مسائل کی بنیادی وجہ بھی یہی بھوک ہے۔ غریب مزدور کے سامنے مفید اور مضر، جائز اور ناجائز یا اچھے اور برے کے بڑے فلسفیانہ سوالات نہیں ہوتے؛ اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ پیٹ بھرنے کا ہوتا ہے۔ وہ سڑے ہوئے آم بھی کھا لیتا ہے، معمولی خوراک پر گزارا کرتا ہے اور اپنی بھوک مٹانے کے لیے سینکڑوں فٹ زیرِ زمین کان میں اتر جاتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کان میں موت ہر وقت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے، لیکن بھوک اسے موت کے خوف پر غالب آنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ مزدور کی زندگی کا یہ المیہ ''فائر ایریا'' کی حقیقت نگاری کو بہت گہرا بناتا ہے۔

مزدوروں کی روزمرہ زندگی بھی ناول میں بڑی فن کاری سے پیش کی گئی ہے۔ صبح اٹھنا، گندے تالاب میں اجتماعی غسل کرنا، بھات اور آلو چوکھا کھانا اور پھر زیرِ زمین کان کی سیاہ دنیا میں کام کرنے کے لیے چلے جانا ان کے معمولات کا حصہ ہے۔ دن بھر کی شدید محنت کے بعد جب یہ مزدور کان سے باہر آتے ہیں تو ان کے دانتوں کے علاوہ پورا جسم سیاہی میں ڈوبا ہوتا ہے اور وہ سیاہ بھوتوں کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ یہ منظر محض جسمانی حالت کی تصویر نہیں بلکہ اس نظام کی علامت بھی ہے جس نے ان کی پوری زندگی کو اندھیرے میں ڈھانپ رکھا ہے۔

مزدوروں کے سروں پر ہر وقت خوف کا سایہ بھی موجود رہتا ہے۔ کان کے اندر ہونے والے حادثات کا خوف، موت کا خوف، ٹھیکیداروں اور غنڈوں کا خوف، پولیس اور سیاسی طاقت کا خوف اور توہم پرستی کے ذریعے پیدا کیا جانے والا خوف ان کی

نفسیات پر حاوی رہتا ہے۔ اگر کان میں کوئی حادثہ ہو جائے تو اکثر اس کی پردہ پوشی کر دی جاتی ہے، لاش کو اندر دفن کر دیا جاتا ہے اور متعلقہ افراد کی جیبیں گرم کر دی جاتی ہیں۔ دوسری طرف بھوت پریت اور توہم پرستی کے ذریعے بھی مزدوروں کو خوف زدہ رکھا جاتا ہے۔ یونین کے لوگ، سود خور اور سیاسی عناصر اپنے غنڈوں کے ذریعے ان پر تشدد کرتے ہیں۔ عورتوں کی عصمت دری اور مزدوروں کی مار پیٹ جیسے واقعات بھی ان کے اندر خوف پیدا کرتے ہیں۔ اس مسلسل خوف کے نتیجے میں مزدوروں کی مزاحمتی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ وہ ظلم ہوتا دیکھتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے۔ ''فائر ایریا'' کی دنیا میں ایک غیر تحریری اصول قائم ہے کہ سب کچھ دیکھو، سب کچھ سنو، مگر بولو کچھ نہیں۔ اس طرح خوف ایک نفسیاتی ہتھیار بن کر مزدوروں کی قوتِ مزاحمت کو ختم کرتا رہتا ہے۔

اسی طرح ناول میں لاقانونیت کی صورت حال بھی انتہائی شدت سے پیش کی گئی ہے۔ کول فیلڈ میں آئین اور قانون کی جگہ طاقت کا قانون چلتا ہے۔ جس کے پاس طاقت ہے وہ قانون کو اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے اور جس کے پاس پیسہ ہے وہ لوگوں کو خرید سکتا ہے۔ پولیس اور انتظامیہ بھی سیاسی دباؤ اور بااثر لوگوں کے اثر سے آزاد نہیں۔ کسی افسر کا تبادلہ کروانا، پولیس پر دباؤ ڈالنا، مقدمات کو ذاتی مفاد کے مطابق استعمال کرنا اور طاقتور افراد کا قانون سے بالاتر ہو جانا کول فیلڈ کے نظام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اس طرح ناول نگار نے یہ دکھایا ہے کہ جہاں قانون کی حکمرانی کمزور ہو جائے وہاں طاقتور طبقہ اپنی مرضی کا قانون نافذ کر دیتا ہے۔

سودی کاروبار بھی مزدوروں کے معاشی استحصال کی ایک اہم شکل ہے۔ کم اجرت کے باعث مزدور اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض لیتے ہیں اور پھر سود کے ایسے چکر میں پھنس جاتے ہیں جس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اجرت میں اضافہ ہونے کے بعد بھی سود کی شرح میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح مزدور کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ سود خوروں اور دوسرے استحصالی عناصر کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ نتیجتاً مزدور نہ صرف اپنی موجودہ زندگی میں غلامی کا شکار رہتا ہے بلکہ اس کا قرض آنے والی نسلوں تک منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح سودی نظام معاشی غلامی کو مستقل بنا دیتا ہے۔

الیاس احمد گدی نے سیاسی بدعنوانی اور لیڈروں کے گرتے ہوئے اخلاقی معیار کو بھی بڑی بے باکی سے پیش کیا ہے۔ سیاسی رہنما مزدوروں کو متحد کرنے کے بجائے انہیں ذات، مذہب اور علاقے کے نام پر تقسیم کرتے ہیں۔ اپنے مفاد کے لیے قتل کروانا، مخالف پارٹی کے کارکنوں کو پھنسانا، ایماندار افسروں کا تبادلہ کروانا، رشوت اور کمیشن خوری کرنا، سرکاری املاک کو لوٹنا اور غنڈہ

گردی کو فروغ دینا سیاسی نظام کی بد عنوانی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس صورت حال میں مزدوروں کی اصل طاقت یعنی اتحاد کمزور ہو جاتا ہے اور سیاسی و معاشی طاقت رکھنے والے عناصر مزید مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔

الیاس احمد گدی نے مزدوروں کے مسائل کی تصویر کشی کے ساتھ ان کے حل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک مزدوروں کو صرف زیادہ اجرت دینا کافی نہیں بلکہ ان کے اندر سماجی، سیاسی اور اقتصادی شعور پیدا کرنا ضروری ہے۔ مجمدار کے ذریعے ناول نگار یہ واضح کرتے ہیں کہ مزدوروں کو ''ایجوکیٹ'' کیا جانا چاہیے۔ انہیں بتایا جائے کہ ان کی طاقت کیا ہے، ان کا استحصال کون کر رہا ہے، ان کی محنت کی اصل قدر کیا ہے اور اپنی آمدنی کو بہتر زندگی کے لیے کس طرح استعمال کرنا ہے۔ مزدوروں کی تعلیم، تنظیم، اتحاد اور سیاسی بیداری ہی انہیں استحصالی نظام سے نجات دلا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے ناول میں تعلیم محض رسمی خواندگی نہیں بلکہ شعور، خود شناسی اور اجتماعی بیداری کا نام ہے۔

الیاس احمد گدی کی فکری وابستگی ترقی پسند تحریک اور اشتراکی نظریات سے تھی۔ اس لیے ''فائر ایریا'' میں طبقاتی کشمکش، مزدوروں کے حقوق اور سرمایہ دارانہ استحصال کے خلاف احتجاج نمایاں ہے۔ تاہم اس ناول کی اہمیت یہ ہے کہ یہ محض نظریاتی منشور نہیں بن جاتا۔ نظریہ کرداروں کی زندگی، ان کے دکھ، ان کی بھوک، ان کی خواہشات، ان کی شکست اور ان کی مزاحمت کے ذریعے سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کا فکری پیغام زندگی کے تجربے سے جڑ کر زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے۔

فنی اعتبار سے بھی ''فائر ایریا'' ایک کامیاب ناول ہے۔ اس کا پلاٹ مربوط ہے اور واقعات ایک دوسرے سے منطقی طور پر وابستہ ہیں۔ ناول کا آغاز اور اختتام ایک وسیع معنوی دائرہ قائم کرتے ہیں۔ آغاز میں گاؤں سے کول فیلڈ کی طرف سفر ہے اور اختتام میں مجمدار کی موت کے بعد جلوس کی صورت میں اجتماعی شعور کا ظہور۔ اس کے علاوہ فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے کرداروں کے ماضی کو حال سے مربوط کیا گیا ہے۔ شعور کی رو کے ذریعے ان کے ذہنی اور نفسیاتی اضطراب کو پیش کیا گیا ہے۔ کردار نگاری اس ناول کی بڑی خوبی ہے کیونکہ اس کے کردار جامد نہیں بلکہ حالات کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں۔ سہدیو کا اصول پسندی سے سمجھوتے کی طرف سفر، جگیشر کا مفاد پرستانہ کامیابی کی طرف بڑھنا اور ختونیا کا مظلومیت سے مزاحمت کی طرف آنا کرداروں کی متحرک فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔

ناول کی زبان و بیان بھی اس کی اہم فنی خصوصیات میں شامل ہے۔ الیاس احمد گدی نے کرداروں کے سماجی، طبقاتی اور علاقائی پس منظر کے مطابق زبان استعمال کی ہے۔ کہیں زبان ادبی ہے، کہیں نیم ادبی اور کہیں علاقائی بولیوں اور روزمرہ کے قریب ہو جاتی ہے۔ مکالموں میں کرداروں کی سماجی شناخت نمایاں ہوتی ہے۔ اس طرح زبان محض اظہار کا ذریعہ نہیں رہتی بلکہ

کردار نگاری اور حقیقت نگاری کا مؤثر وسیلہ بن جاتی ہے۔ ناول میں مقامی ماحول، مزدوروں کی بول چال اور مختلف طبقوں کی زبان کا استعمال اس کی فضا کو زیادہ حقیقی بناتا ہے۔

''فائر ایریا'' کا عنوان بھی اپنی علامتی معنویت کے باعث غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہری طور پر یہ کوئلے کی کانوں کے اس علاقے کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں زیرِ زمین آگ موجود ہے، لیکن وسیع تر معنوں میں یہ پورے استحصالی معاشرے کی علامت ہے۔ یہ پیٹ کی آگ ہے جو مزدور کو موت کے منہ میں جانے پر مجبور کرتی ہے، یہ محرومی کی آگ ہے جو اس کے اندر جلتی رہتی ہے، یہ ظلم کے خلاف احتجاج کی آگ ہے اور آخر کار یہ وہی آگ ہے جو ختو نیا کی آنکھوں میں شعلے کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ ناول کے اختتام پر ختو نیا کی آنکھوں میں لہکتا ہوا شعلہ پورے ناول کے فکری اور علامتی سفر کو مکمل کر دیتا ہے۔ اب آگ صرف کان کے اندر نہیں رہی بلکہ مظلوم انسان کے شعور میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔

''فائر ایریا'' کو احتجاجی اور حاشیائی ادب کی اہم مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک نے ''ادب برائے زندگی'' کا تصور پیش کرتے ہوئے مزدوروں، کسانوں اور محروم طبقات کی زندگی کو ادبی موضوع بنایا۔ پریم چند سے شروع ہونے والی یہ روایت بعد کے افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں تک پہنچی۔ الیاس احمد گدی نے اسی روایت کو کول فیلڈ کے مزدوروں کی زندگی سے جوڑا اور ایک ایسے طبقے کی داستان لکھی جو صنعتی ترقی کی بنیاد فراہم کرتا ہے مگر خود بنیادی انسانی سہولتوں سے محروم رہتا ہے۔ ان مزدوروں کی محنت سے کوئلہ نکلتا ہے، صنعت چلتی ہے اور دوسروں کے گھروں میں روشنی پہنچتی ہے، لیکن ان کی اپنی زندگی اندھیرے، بھوک، خوف اور محرومی میں گھری رہتی ہے۔

مجموعی طور پر ''فائر ایریا'' الیاس احمد گدی کی تخلیقی بصیرت، سماجی شعور اور حقیقت نگارانہ فن کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں سہدیو ایک ایسے حساس انسان کی نمائندگی کرتا ہے جو اصول اور حالات کے درمیان کشمکش کا شکار ہے؛ مجمدار سیاسی شعور، نظریے اور مزاحمت کی علامت ہے؛ رحمت میاں مظلوم مزدور کے المیے کی نمائندگی کرتا ہے؛ جگیشر دو سادھ موقع پرستی اور مفاد پرستی کی علامت بن کر سامنے آتا ہے؛ پرتی بالا عورت کے سماجی عدم تحفظ کو نمایاں کرتی ہے؛ جبکہ ختو نیا ظلم، محرومی اور استحصال کے باوجود زندگی کی جنگ لڑنے والی اور مزاحمت کا حوصلہ رکھنے والی عورت کی علامت بن جاتی ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے الیاس احمد گدی نے صرف چند افراد کی کہانی نہیں سنائی بلکہ ایک پورے معاشرے کی تصویر پیش کی ہے۔

یہ ناول اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ استحصال کسی ایک طبقے یا ایک ادارے تک محدود نہیں بلکہ سماج کے مختلف طبقات اور ادارے اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ مالک مزدور کا استحصال کرتا ہے، ٹھیکیدار مزدور کی محنت کو لوٹتا ہے، سود خور اس کی آمدنی

چھینتا ہے، سیاسی رہنما اس کے نام پر سیاست کرتا ہے، غنڈے اسے خوف زدہ کرتے ہیں اور بعض اوقات مزدور خود بھی اس نظام کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس پورے نظام کے مقابلے میں الیاس احمد گدی تعلیم، شعور، اتحاد، تنظیم اور اجتماعی جدوجہد کو نجات کا راستہ قرار دیتے ہیں۔

اس طرح ''فائر ایریا'' صرف کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا ناول نہیں بلکہ انسانی وقار، انصاف، آزادی اور مساوات کی جدوجہد کا ناول ہے۔ اس کی معنویت اس لیے بھی برقرار رہتی ہے کہ اس میں پیش کیے گئے مسائل کسی ایک زمانے یا علاقے تک محدود نہیں بلکہ ہر اس معاشرے سے متعلق ہیں جہاں دولت اور طاقت انسانیت پر غالب آجاتی ہے۔ اس ناول کی فنی خوبیاں، مربوط پلاٹ، حقیقت نگاری، مؤثر کردار نگاری، متنوع زبان و بیان، فلیش بیک، شعور کی رو، علامتی عنوان اور فکر و فن کا حسین امتزاج اسے اردو ناول کی اہم تخلیقات میں شامل کرتے ہیں۔ حاشیائی اور مزدور ادب میں ''فائر ایریا'' کی اہمیت اسی لیے دیرپا ہے کہ الیاس احمد گدی نے ان لوگوں کو آواز دی جن کی آواز طاقت کے شور میں دب جاتی ہے۔ ناول کے اختتام پر ختو نیا کی آنکھوں میں لہکتا ہوا شعلہ اس بات کی علامت ہے کہ ظلم، جبر اور استحصال کے باوجود انسان کے اندر امید، بیداری اور مزاحمت کی آگ پوری طرح بجھائی نہیں جاسکتی۔ یہی آگ ''فائر ایریا'' کی اصل معنویت اور اس ناول کی سب سے بڑی تخلیقی کامیابی ہے۔

12.3 سرگرمی: آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے **الیاس احمد گدی** کے معروف ناول **''فائر ایریا''** کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کر لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی سرگرمی کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔ اپنے جوابات کی صحت جانچنے کے لیے **جوابات سرگرمی** سے رجوع کیجیے۔

۱۔ الیاس احمد گدی کا مشہور ناول _____ ہے، جس میں مزدور طبقے کی زندگی اور سماجی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔

۲۔ **''فائر ایریا''** میں بنیادی طور پر _____ طبقے کے مسائل اور جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۳۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں _____ حقیقت نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۴۔ **''فائر ایریا''** کا بنیادی پس منظر _____ اور کان کنی سے وابستہ صنعتی علاقہ ہے۔

۵۔ ''فائر ایریا'' میں مزدوروں کے استحصال کے ساتھ _____ کشمکش کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

۶۔ ''فائرایریا'' کے عنوان میں _____ پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی کشمکش اور اضطراب کی علامت بن جاتی ہے۔

۷۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں _____ شعور اور انسانی ہمدردی نمایاں فکری عناصر ہیں۔

۸۔ ''فائرایریا'' میں ماضی کے واقعات کو حال سے مربوط کرنے کے لیے _____ تکنیک سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۹۔ کرداروں کے ذہنی خیالات، یادوں اور داخلی کیفیات کو پیش کرنے کے لیے _____ کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

۱۰۔ ''فائرایریا'' میں _____ پسماندہ طبقات کی زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔

12.4 عمومی جائزہ

الیاس احمد گدی کا ناول **''فائرایریا''** اردو ناول کی روایت میں سماجی حقیقت نگاری، طبقاتی شعور اور محروم و محنت کش طبقات کی زندگی کی عکاسی کے حوالے سے اہم مقام رکھتا ہے۔ اس ناول میں ہندوستان کے صنعتی اور معدنی علاقوں، خصوصاً کوئلے کی کانوں سے وابستہ معاشرتی زندگی کو مرکز بنایا گیا ہے۔ ناول نگار نے اپنے عہد کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات کو محض خارجی منظر کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہیں کرداروں کی زندگی، ان کے مسائل، باہمی تعلقات اور جدوجہد کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ ''فائرایریا'' کا بنیادی موضوع ایک ایسے معاشرے کی تصویر پیش کرنا ہے جہاں ایک طرف سرمایہ، طاقت اور اختیار رکھنے والے طبقات موجود ہیں اور دوسری طرف مزدور، غریب، دلت اور دیگر محروم طبقات اپنی بقا اور حقوق کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔

ناول کا بیشتر ماحول **چھوٹاناگپور کے علاقے اور دھنباد کے کوئلہ کانوں سے وابستہ زندگی** سے تشکیل پاتا ہے۔ کانوں کا ماحول، مزدور بستیاں، دیہی معاشرت، صنعتی زندگی اور ان علاقوں میں سرگرم مختلف طاقتیں ناول کے واقعات اور کرداروں کو متاثر کرتی ہیں۔ کوئلہ یہاں صرف ایک معدنی وسیلہ نہیں بلکہ پورے معاشی اور سماجی نظام کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ کوئلے کی کانوں سے دولت پیدا ہوتی ہے، لیکن اس دولت کی بنیاد جن مزدوروں کی محنت پر قائم ہے، ان کی زندگی غربت، عدم تحفظ اور استحصال سے دوچار رہتی ہے۔ اس تضاد کو الیاس احمد گدی نے ناول کے مختلف واقعات اور کرداروں کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔

''فائرایریا'' میں مزدور طبقے کے مسائل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مزدور سخت جسمانی محنت کرتے ہیں لیکن انہیں اس محنت کے مقابلے میں مناسب معاشی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ ٹھیکے داری نظام، مافیا، پولیس، بااثر افراد اور سیاسی مفادات کے باہمی

تعلقات عام انسان کی زندگی کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔ ناول نگار نے یہ دکھایا ہے کہ استحصال صرف ایک فرد کی طرف سے دوسرے فرد کا استحصال نہیں بلکہ بعض اوقات پورا سماجی اور معاشی نظام کمزور طبقات کو اپنے شکنجے میں لیے رہتا ہے۔ اس طرح ناول میں **محنت اور سرمایہ، طاقت اور بے بسی، استحصال اور مزاحمت** کے درمیان کشمکش نمایاں ہوتی ہے۔

ناول کا ایک اہم پہلو **ذات پات کا مسئلہ** ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں موجود ذات پاتی تقسیم نے صدیوں سے انسانی تعلقات اور سماجی مرتبے کو متاثر کیا ہے۔ الیاس احمد گدی نے اس مسئلے کو بھی اپنی کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ دلت اور پسماندہ طبقات کی زندگی، ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے امتیازی رویے اور سماجی نابرابری کے مختلف مظاہر ناول کے فکری پس منظر کو گہرا کرتے ہیں۔ اس طرح ''فائر ایریا'' صرف معاشی استحصال کی داستان نہیں بلکہ سماجی نابرابری اور انسانی وقار کے سوال کو بھی سامنے لاتا ہے۔

ناول میں **سہدیو پرسادرامانی، ننکو، کالاچند، کپل سنگھ، مجمدار، بھاردواج، رحمت، عارفاں، کُھٹونیا، جگیشور دوسادھ اور دیگر کردار** مختلف سماجی اور طبقاتی حقیقتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بعض کردار استحصالی نظام سے وابستہ ہیں، بعض اس نظام کا شکار ہیں اور بعض اس کے خلاف مزاحمت کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں۔ مجمدار اور بھاردواج جیسے کرداروں کے ذریعے اجتماعی جدوجہد، مزدور تنظیم اور ترقی پسند فکر کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ کرداروں کی یہ تنوع ناول کو محض ایک مرکزی کردار کی کہانی بننے سے بچاتی ہے اور پورے معاشرتی منظرنامے کو سامنے لاتی ہے۔

''فائر ایریا'' میں سیاسی اور نظریاتی شعور بھی نمایاں ہے۔ ترقی پسند تحریک، مزدوروں کے حقوق اور طبقاتی نابرابری کے مسائل ناول کے فکری نظام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم ناول کی اہمیت صرف کسی ایک سیاسی نظریے کی ترجمانی میں نہیں بلکہ اس بات میں بھی ہے کہ مصنف نے اپنے عہد کے عام انسان کی زندگی اور اس کے مسائل کو تخلیقی سطح پر پیش کیا ہے۔ قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ معاشی مسائل انسانی زندگی کے تقریباً ہر شعبے—خاندان، رشتوں، اخلاقیات، سیاست اور سماجی رویوں—کو متاثر کرتے ہیں۔

فنی اعتبار سے الیاس احمد گدی نے **حقیقت نگاری** کو بنیادی وسیلہ بنایا ہے۔ مقامی ماحول، مزدوروں کی زندگی، روزمرہ بول چال، معاشرتی رویے اور صنعتی علاقے کی فضا کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ منظر نگاری میں خارجی حقیقت کے ساتھ ساتھ انسانی احساسات اور داخلی کیفیات کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ مکالمے کرداروں کی سماجی حیثیت، ذہنی کیفیت اور طبقاتی پس منظر کو واضح کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ زبان میں مقامی اور عوامی لہجے کی آمیزش ناول کے ماحول کو زیادہ فطری بناتی ہے۔

ناول کی **بیانیہ تکنیک** بھی قابلِ توجہ ہے۔الیاس احمد گدی نے فلیش بیک اور شعور کی رو جیسی تکنیکوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ماضی کے واقعات کو حال کے ساتھ مربوط کر کے کرداروں کی زندگی کے مختلف مراحل سامنے لائے گئے ہیں۔اس تکنیک کے ذریعے کہانی صرف خارجی واقعات کا تسلسل نہیں رہتی بلکہ کرداروں کی یادداشت، ذہنی کشمکش اور داخلی احساسات بھی اس کا حصہ بن جاتے ہیں۔اس طرح قاری کو کرداروں کے باطن تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور ان کے رویوں کے پسِ پشت موجود محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ناول کے عنوان **"فائر ایریا "**میں بھی معنوی وسعت پائی جاتی ہے۔آگ کا تصور پورے ناول کے ماحول، کشمکش اور اضطراب سے جڑ جاتا ہے۔کوئلے کے علاقے کی حقیقی آگ کے ساتھ ساتھ غربت، استحصال، طبقاتی کشمکش اور مزاحمت کی داخلی آگ بھی اس عنوان کو علامتی معنویت عطا کرتی ہے۔یوں عنوان ناول کے خارجی ماحول اور داخلی فکری کیفیت دونوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

مجموعی طور پر **"فائر ایریا "**ایک ایسا ناول ہے جس میں **معاشی ناہمواری، طبقاتی کشمکش، ذات پاتی تفریق، مزدوروں کا استحصال، سیاسی شعور، اجتماعی جدوجہد اور انسانی محرومی** جیسے موضوعات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ، زبان و بیان، فلیش بیک، شعور کی رو اور علامتی اظہار جیسی فنی خصوصیات ناول کو مؤثر بناتی ہیں۔اس ناول کے عمومی جائزے سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اردو فکشن میں سماجی حقیقت نگاری محض معاشرتی مسائل کی فہرست پیش کرنے کا نام نہیں بلکہ **ان مسائل کو انسانی تجربے، کردار اور فنی تخلیق کے ذریعے زندہ صورت میں پیش کرنے کا عمل ہے۔**

12.5 فرہنگ

۱۔سماجی شعور ـــــ معاشرے کے مسائل، حالات، ناانصافیوں اور انسانی رشتوں کے بارے میں آگاہی اور حساسیت۔

۲۔طبقاتی کشمکش ـــــ مختلف سماجی و معاشی طبقات کے درمیان مفادات اور حقوق کی بنیاد پر پیدا ہونے والی کشمکش۔

۳۔استحصال ـــــ کسی فرد یا طبقے کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور اس کے حقوق سلب کرنا۔

۴۔حاشیائی طبقہ ـــــ معاشرے کا وہ کمزور طبقہ جو سماجی، معاشی یا سیاسی طور پر مرکزی دھارے سے دور ہو۔

۵۔محرومی ـــــ بنیادی ضروریات، حقوق یا مواقع سے محروم رہنے کی حالت۔

۶۔ ترقی پسند فکر ـــــ سماجی مساوات، انسانی آزادی، انصاف اور استحصال سے نجات پر مبنی فکری رویہ۔

۷۔ مارکسی نقطۂ نظر ـــــ معاشرے کو طبقاتی تقسیم، معاشی نابرابری اور ذرائع پیداوار کی ملکیت کے تناظر میں دیکھنے کا نظریاتی زاویہ۔

۸۔ حقیقت نگاری ـــــ زندگی اور معاشرے کے حالات کو حقیقت کے قریب اور بناوٹ سے گریز کرتے ہوئے پیش کرنے کا ادبی رجحان۔

۹۔ اجتماعی شعور ـــــ کسی معاشرے یا گروہ کے مشترکہ خیالات، احساسات، تجربات اور اقدار کا مجموعہ۔

۱۰۔ نفسیاتی کشمکش ـــــ انسان کے ذہن میں مختلف خیالات، جذبات اور خواہشات کے درمیان پیدا ہونے والا داخلی اضطراب۔

۱۱۔ فلیش بیک ـــــ ماضی کے واقعات یا یادوں کو حال کے واقعات کے درمیان دوبارہ پیش کرنے کی فنی تکنیک۔

۱۲۔ شعور کی رو ـــــ کردار کے ذہن میں آنے والے خیالات، یادوں، احساسات اور تاثرات کو مسلسل انداز میں پیش کرنے کی تکنیک۔

۱۳۔ مکالمہ نگاری ـــــ کرداروں کی گفتگو کے ذریعے ان کے خیالات، جذبات، شخصیت اور واقعات کو نمایاں کرنے کا فنی طریقہ۔

۱۴۔ منظر نگاری ـــــ مقامات، ماحول اور واقعات کی ایسی لفظی تصویر کشی جس سے قاری کے ذہن میں واضح منظر پیدا ہو۔

۱۵۔ ارضیت ـــــ کسی مخصوص خطے کی زمین، زبان، ثقافت، رہن سہن اور مقامی زندگی سے گہرا تعلق۔

12.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

۲۔ناول ''**فائرایریا** '' کے موضوع اور بنیادی فکر کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

۳۔ ''**فائرایریا** ''میں طبقاتی کشمکش،استحصال اور مزدور طبقے کے مسائل کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

۴۔الیاس احمد گدی کے ناول ''**فائرایریا** ''میں **حقیقت نگاری اور سماجی شعور** کی اہمیت واضح کیجیے۔

۵۔''**فائرایریا** ''کے اہم کرداروں کی **کردار نگاری** کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

۶۔ **''فائرایریا ''** کی **زبان، اسلوب، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری** کا فنی جائزہ لیجیے۔

12.7 مشقی سوالات

1. **الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار** گفتگو کیجیے۔
2. ناول **''فائرایریا ''** کے موضوع، کردار نگاری اور فنی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔
3. **''فائرایریا ''** میں **مزدور تحریک، سیاسی شعور اور ترقی پسند فکر** کی عکاسی پر بحث کیجیے۔
4. الیاس احمد گدی نے **''فائرایریا ''** میں حاشیائی اور محروم طبقات کی زندگی کو کس طرح پیش کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔
5. الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت، انسانی نفسیات اور طبقاتی شعور** کے باہمی تعلق پر تفصیلی بحث کیجیے۔

12.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

۱۔ الیاس احمد گدی کا مشہور ناول **''فائرایریا ''** ہے۔

۲۔ ''فائرایریا'' میں بنیادی طور پر **مزدور** طبقے کے مسائل اور جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۳۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی** حقیقت نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۴۔ ''فائر ایریا'' کا بنیادی پس منظر **چھوٹا ناگپور** اور کان کنی سے وابستہ صنعتی علاقہ ہے۔

۵۔ ''فائر ایریا'' میں مزدوروں کے استحصال کے ساتھ **طبقاتی** کشمکش کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

۶۔ ''فائر ایریا'' کے عنوان میں **آگ** پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی کشمکش اور اضطراب کی علامت بن جاتی ہے۔

۷۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **ترقی پسند** شعور اور انسانی ہمدردی نمایاں فکری عناصر ہیں۔

۸۔ ''فائر ایریا'' میں ماضی کے واقعات کو حال سے مربوط کرنے کے لیے **فلیش بیک** تکنیک سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۹۔ کرداروں کے ذہنی خیالات، یادوں اور داخلی کیفیات کو پیش کرنے کے لیے **شعور کی رو** کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

۱۰۔ ''فائر ایریا'' میں **ذات پات** پسماندہ طبقات کی زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔

۱۔ الیاس احمد گدی بحیثیت ناول نگار گفتگو کیجیے۔

الیاس احمد گدی اردو کے اہم افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں جنہوں نے معاشرے کے محروم، مظلوم اور حاشیائی طبقات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ ان کی فکشن نگاری میں حقیقت پسندی، سماجی شعور، طبقاتی کشمکش، انسانی ہمدردی اور استحصال کے خلاف مزاحمت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ وہ زندگی کو محض ظاہری واقعات کے حوالے سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے پس منظر میں موجود معاشی، سیاسی اور سماجی عوامل کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ناول نگاری اردو کے سماجی اور ترقی پسند فکشن میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کا بنیادی وصف **حقیقت نگاری** ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں زندگی کے ان پہلوؤں کو پیش کیا جنہیں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ غربت، بھوک، بے روزگاری، مزدوروں کے مسائل، طبقاتی نابرابری، سیاسی استحصال اور سماجی ناانصافی ان کے فکشن کے اہم موضوعات ہیں۔ ان کے کردار عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے معاشی و سماجی حالات کے ساتھ جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کی ناول نگاری میں **طبقاتی شعور** کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ معاشرے کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنے والے معاشی اور سیاسی نظام کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک طرف سرمایہ دار، ٹھیکیدار، مافیا اور بااثر طبقات ہیں، جب کہ دوسری طرف مزدور، کسان اور محروم لوگ ہیں۔ ان دونوں کے درمیان موجود مفادات کا تضاد ان کے فکشن میں مختلف صورتوں میں سامنے آتا ہے۔

الیاس احمد گدی نے **مزدور طبقے** کو محض مظلوم بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ اس کے اندر موجود اجتماعی شعور اور مزاحمت کے جذبے کو بھی نمایاں کیا ہے۔ ان کے یہاں مزدور اپنے حقوق سے آگاہ ہوتا ہے اور ظلم و استحصال کے خلاف جدوجہد کا احساس رکھتا ہے۔ یہی پہلو

ان کے فکشن کو محض معاشرتی تصویر کشی سے بلند کر کے فکری اور نظریاتی معنویت عطا کرتا ہے۔ان کی ناول نگاری میں **انسانی نفسیات** بھی اہم ہے۔ان کے کردار صرف معاشی مسائل میں گھرے ہوئے افراد نہیں بلکہ احساس، جذبات، خوف، محبت، امید، غصے اور مایوسی رکھنے والے انسان ہیں۔ مصنف ان کی داخلی کیفیت اور نفسیاتی کشمکش کو بھی سامنے لاتے ہیں۔

فنی اعتبار سے ان کے یہاں **زبان کی سادگی، مکالموں کی برجستگی، منظر نگاری اور حقیقت پسندانہ اسلوب** نمایاں ہیں۔ وہ کرداروں کے طبقاتی اور علاقائی پس منظر کے مطابق زبان استعمال کرتے ہیں۔ صنعتی علاقوں، مزدور بستیوں اور عام انسانوں کی زندگی کی منظر کشی ان کے فنی شعور کا اہم حصہ ہے۔

"فائر ایریا "ان کی ناول نگاری کی ایک اہم مثال ہے جس میں جھارکھنڈ کے صنعتی اور کوئلہ کانوں کے علاقے کی زندگی، مزدوروں کے مسائل، طبقاتی استحصال اور سیاسی کشمکش کو پیش کیا گیا ہے۔اس ناول کے ذریعے الیاس احمد گدی نے سماج کے ان طبقات کو آواز دی ہے جو معاشی اور سیاسی نظام میں سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیات **حقیقت نگاری، سماجی شعور، طبقاتی کشمکش، مزدوروں کی ترجمانی، انسانی ہمدردی، نفسیاتی بصیرت اور ترقی پسند فکر** ہیں۔ ان کا فکشن معاشرے کے کمزور طبقے کی زندگی کو نہ صرف پیش کرتا ہے بلکہ اس کے مسائل کے اسباب پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔

۲۔ناول "فائر ایریا" کے موضوع، کردار نگاری اور فنی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

"فائر ایریا "الیاس احمد گدی کا اہم ناول ہے جس میں صنعتی معاشرے، بالخصوص کوئلہ کانوں کے علاقے کی زندگی اور وہاں بسنے والے مزدور طبقے کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ناول کا بنیادی موضوع **طبقاتی استحصال، غربت، بھوک، مزدوروں کی جدوجہد اور سماجی ناانصافی** ہے۔ناول کا عنوان "فائر ایریا"یعنی **آگ کا علاقہ** اپنے اندر علامتی معنویت بھی رکھتا ہے۔ کوئلے کی کانوں میں موجود آگ کے ساتھ ساتھ یہ عنوان اس پورے معاشرے کی داخلی کیفیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جہاں مزدور مسلسل غربت، خوف، ظلم اور استحصال کی آگ میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ناول میں **سہ دیو پرساد رمانی، ننکو، کالے چند، کپل سنگھ، مجمدار، بھاردواج، رحمت، عریفاں، کھٹونیا، جگیشور دو سادھ اور پرتی بالا** جیسے کردار مختلف سماجی اور طبقاتی گروہوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان کرداروں کے ذریعے مزدور زندگی، سیاسی جدوجہد، طبقاتی اختلاف، محرومی اور انسانی رشتوں کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔ **مجمدار** ترقی پسند سیاسی فکر اور اجتماعی جدوجہد سے وابستہ کردار کے طور پر سامنے آتا ہے، جب کہ **بھاردواج**

دلت مزدور سنگھ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ننکو، کالے چنداور دیگر کردار مزدوراور محروم طبقے کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔

فنی اعتبار سے ''فائرایریا'' میں **حقیقت نگاری** کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مصنف نے صنعتی ماحول، مزدور بستیوں، کوئلہ کانوں، غربت اور سماجی ناانصافی کو حقیقت کے قریب رہتے ہوئے پیش کیا ہے۔ ناول کی **زبان** سادہ، رواں اور موضوع کے مطابق ہے۔ مختلف طبقات کے کردار اپنی سماجی حیثیت اور ماحول کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ **مکالمہ نگاری** کے ذریعے کرداروں کی نفسیات، خیالات اور طبقاتی شعور نمایاں ہوتا ہے۔ **منظر نگاری** بھی ناول کی اہم فنی خوبی ہے۔ کوئلہ کانوں، آگ، دھوئیں، صنعتی ماحول اور مزدور بستیوں کی تصویریں ناول کے ماحول کو حقیقی بناتی ہیں۔ فلیش بیک اور شعور کی رو جیسی تکنیکوں سے ماضی اور حال کے واقعات اور کرداروں کی داخلی کیفیت کو مربوط کیا گیا ہے۔ اس طرح ''فائرایریا'' موضوع کے اعتبار سے سماجی اور طبقاتی ناول، جب کہ فنی اعتبار سے حقیقت نگاری، کردار نگاری، مکالمہ، منظر نگاری اور جدید بیانیہ تکنیکوں کا عمدہ امتزاج ہے۔

۳۔ ''فائرایریا'' میں مزدور تحریک، سیاسی شعور اور ترقی پسند فکر کی عکاسی پر بحث کیجیے۔

''فائرایریا'' میں **مزدور تحریک اور سیاسی شعور** کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ الیاس احمد گدی نے صنعتی معاشرے میں مزدور طبقے کی حالت کو محض غربت اور محرومی کے مسئلے کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اس کے سیاسی اور اجتماعی اسباب کو بھی نمایاں کیا ہے۔

ناول میں مزدور اپنے معاشی حالات سے دوچار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے **حقوق اور اجتماعی طاقت** سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ ان کے مسائل انفرادی نہیں بلکہ پورے طبقے کے مسائل ہیں۔ یہی احساس مزدوروں میں اجتماعی جدوجہد اور تحریک کا شعور پیدا کرتا ہے۔

مزدور تحریک کے ذریعے ناول میں بہتر اجرت، انسانی وقار، کام کے مناسب حالات اور استحصال سے آزادی کی خواہش سامنے آتی ہے۔ مزدور جب اپنے مسائل کو اجتماعی مسئلہ سمجھتے ہیں تو ان میں مزاحمت اور اتحاد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ناول کا **سیاسی شعور** بھی اسی طبقاتی صورتِ حال سے جڑا ہوا ہے۔ مصنف نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیاست اور معیشت عام انسان کی زندگی سے الگ نہیں۔ سیاسی طاقت اور معاشی مفادات جب باہم مل جاتے ہیں تو سب سے زیادہ نقصان کمزور طبقات کو پہنچتا ہے۔

ترقی پسند فکر کے اعتبار سے ناول میں انسانی مساوات، سماجی انصاف، طبقاتی استحصال کے خاتمے اور محروم انسانوں کے حقوق کی حمایت ملتی ہے۔ الیاس احمد گدی کے نزدیک ادب کو زندگی کے مسائل سے وابستہ ہونا چاہیے اور اسے مظلوم انسان کی آواز بننا چاہیے۔

ناول میں **مجمدار** اور **بھاردواج** جیسے کردار اجتماعی اور سیاسی شعور کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے مزدور تحریک، ترقی پسند سیاست اور محروم طبقات کی اجتماعی جدوجہد کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اس طرح ''فائر ایریا'' میں مزدور تحریک محض ایک سیاسی سرگرمی نہیں بلکہ **انسانی عزت، معاشی انصاف اور سماجی مساوات کے حصول کی جدوجہد** بن جاتی ہے۔ یہی ترقی پسند فکر ناول کے بنیادی فکری ڈھانچے کو مضبوط کرتی ہے۔

۴۔ الیاس احمد گدی نے ''فائر ایریا'' میں حاشیائی اور محروم طبقات کی زندگی کو کس طرح پیش کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے معاشرے کے **حاشیائی، محروم اور کمزور طبقات** کو اپنی تخلیقات میں مرکزی جگہ دی۔ ''فائر ایریا'' میں بھی یہی رویہ نمایاں ہے۔ ناول کا بیشتر فکری اور سماجی منظر نامہ ان لوگوں کی زندگی سے تشکیل پاتا ہے جو صنعتی اور معاشی نظام میں سب سے زیادہ استحصال کا شکار ہیں۔

ناول میں **مزدور طبقہ** مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنی محنت سے صنعت اور معیشت کو آگے بڑھاتے ہیں، لیکن خود غربت، بھوک، عدم تحفظ اور محرومی میں زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے لیے روزگار صرف آمدنی کا ذریعہ نہیں بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔ الیاس احمد گدی نے حاشیائی طبقات کو صرف **مظلوم اور بے بس** کرداروں کے طور پر پیش نہیں کیا۔ ان کے اندر خودداری، جذبات، محبت، غصہ، امید اور مزاحمت کا جذبہ بھی موجود ہے۔ وہ اپنے حالات کو سمجھتے اور ان کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناول میں **دلت مزدوروں** کی صورتِ حال بھی سماجی محرومی کے ایک اہم پہلو کو سامنے لاتی ہے۔ اس طرح طبقاتی استحصال کے ساتھ ساتھ ذات پات اور سماجی امتیاز کے مسائل بھی ناول کے وسیع تناظر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ حاشیائی طبقات کی زندگی پیش کرتے ہوئے مصنف نے ان کے **ماحول، زبان، رہن سہن اور روزمرہ زندگی** کو بھی اہمیت دی ہے۔ اس سے ان کرداروں کی زندگی مصنوعی محسوس نہیں ہوتی بلکہ حقیقی سماجی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ ناول میں مافیا، ٹھیکیدار، پولیس اور بااثر عناصر کے کردار بھی اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ محروم طبقات کن طاقتوں کے درمیان پسے ہوئے ہیں۔ ان کے مسائل صرف غربت تک محدود نہیں بلکہ پورا سماجی و سیاسی نظام ان کے خلاف کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔

اس طرح ''فائر ایریا'' حاشیائی طبقات کی **زندگی، محرومی، استحصال، اجتماعی شعور اور مزاحمت** کی مؤثر عکاسی کرتا ہے۔ الیاس احمد گدی نے ان لوگوں کو محض موضوع نہیں بنایا بلکہ انہیں ناول کے فکری مرکز میں جگہ دی ہے۔

۵۔ الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں سماجی حقیقت، انسانی نفسیات اور طبقاتی شعور کے باہمی تعلق پر تفصیلی بحث کیجیے۔

الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت، انسانی نفسیات اور طبقاتی شعور** ایک دوسرے سے گہرے طور پر وابستہ ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کو اس کے سماجی اور معاشی ماحول سے الگ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کرداروں کی نفسیات پر ان کے طبقاتی اور معاشی حالات کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ **سماجی حقیقت** ان کے فکشن کی بنیادی سطح ہے۔ غربت، بھوک، بے روزگاری، مزدوروں کا استحصال، طبقاتی نابرابری، سیاسی دباؤ اور سماجی ناانصافی جیسے مسائل ان کے ناولوں میں حقیقت کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد زندگی کو خوب صورت بنا کر دکھانا نہیں بلکہ اس کی اصل صورت کو سامنے لانا ہے۔ اس سماجی حقیقت کا براہِ راست اثر **انسانی نفسیات** پر پڑتا ہے۔ غربت انسان میں خوف اور بے بسی پیدا کرتی ہے، مسلسل استحصال غصے اور اضطراب کو جنم دیتا ہے، جب کہ اجتماعی جدوجہد امید اور مزاحمت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ الیاس احمد گدی نے ان داخلی کیفیات کو بھی اپنے کرداروں کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ تیسرا اہم عنصر **طبقاتی شعور** ہے۔ جب کردار اپنے معاشی اور سماجی حالات کے اسباب کو سمجھنے لگتے ہیں تو ان کے اندر طبقاتی شعور پیدا ہوتا ہے۔ انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کی محرومی صرف ذاتی قسمت نہیں بلکہ ایک مخصوص معاشی اور سماجی نظام کا نتیجہ ہے۔

''فائر ایریا'' میں یہی تینوں عناصر ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ مزدور کی **سماجی حالت** اس کی **نفسیاتی کیفیت** کو متاثر کرتی ہے، اور یہی تجربہ رفتہ رفتہ اس میں **طبقاتی شعور** پیدا کرتا ہے۔ طبقاتی شعور کے نتیجے میں وہ انفرادی محرومی سے نکل کر اجتماعی جدوجہد کی طرف بڑھتا ہے۔

الیاس احمد گدی کے کردار اس اعتبار سے اہم ہیں کہ وہ اپنے حالات کے صرف خاموش تماشائی نہیں۔ ان کے اندر حالات کو بدلنے کی خواہش بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہی خواہش ان کے فکشن میں **مزاحمت اور اجتماعی جدوجہد** کی بنیاد بنتی ہے۔

اس پورے عمل میں مصنف انسانی نفسیات کو سماجی حقیقت سے جدا نہیں کرتے۔ ان کے یہاں فرد کی داخلی دنیا اور معاشرے کی خارجی دنیا ایک دوسرے کا عکس بن جاتی ہیں۔ غربت، استحصال اور طبقاتی نابرابری فرد کے جذبات اور سوچ کو متاثر کرتے ہیں، جب کہ فرد کا شعور اجتماعی تبدیلی کی خواہش کو جنم دیتا ہے۔ مجموعی طور پر الیاس احمد گدی کی ناول نگاری میں **سماجی حقیقت بنیاد،**

انسانی نفسیات اس کی داخلی جہت اور طبقاتی شعور اس کا فکری نتیجہ بن کر سامنے آتا ہے۔ یہی باہمی تعلق ان کے فکشن کو سماجی، نفسیاتی اور ترقی پسند معنویت عطا کرتا ہے اور انہیں اردو کے اہم حقیقت پسند ناول نگاروں میں نمایاں مقام فراہم کرتا ہے۔

12.9 امدادی کتب

1۔ فائرایریا ـــــ الیاس احمد گدی

2۔ اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ـــــ ڈاکٹر احسن فاروقی

3۔۔ اردو فکشن ـــــ آل احمد سرور

4۔ ناول کا فن ـــــ ای۔ ایم۔ فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

5 بیسویں صدی میں اردو ناول ـــــ ڈاکٹر یوسف سرمست

6۔ داستان سے افسانے تک ـــــ وقار عظیم

7۔ اردو ناول کی تاریخ و تنقید ـــــ علی عباس حسینی

8۔ ادبی تخلیق اور ناول ـــــ احسن فاروقی

9۔ اردو ناول بیسویں صدی میں ـــــ عبدالسلام

10۔ ترقی پسند تحریک اور اردو ناول ـــــ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

11۔ تفہیم و تعبیر ـــــ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

12۔ 1970ء کے بعد کے اہم فکشن نگار ـــــ ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

13۔ آزادی کے بعد اردو ناول ـــــ ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۱۳۔ پیغام آفاقی کی ناول نگاری

ساخت

13.0 اغراض و مقاصد

13.1 تعارف

13.2 پیغام آفاقی کی ناول نگاری

13.2.0 ''مکان'' کا فنی مطالعہ

13.3 سرگرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

13.4 عمومی جائزہ

13.5 فرہنگ

13.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

13.7 مشقی سوالات

13.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

13.9 امدادی کتب

13.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ کو **پیغام آفاقی کی ناول نگاری** کے فکری، فنی اور اسلوبیاتی پہلوؤں سے تفصیلی طور پر روشناس کرانا ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ جدید اردو ناول کے بدلتے ہوئے رجحانات اور اس میں عہدِ حاضر کے مسائل کی پیش کش کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ پیغام آفاقی نے اپنے ناولوں میں انسانی زندگی، معاشرتی حالات، بدلتی ہوئی اقدار، مادی ضروریات اور فرد کی داخلی کیفیات کو کس طرح موضوع بنایا ہے اور انہیں فنی انداز میں کس طرح پیش کیا ہے۔

اس سبق کے مطالعے سے آپ **پیغام آفاقی کی ادبی شخصیت اور ناول نگار کی حیثیت** سے ان کی خدمات سے واقف ہوں گے اور اردو ناول کی روایت میں ان کے مقام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ ان کی ناول نگاری کے بنیادی فکری رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سمجھ سکیں گے کہ جدید معاشرے میں انسان کن سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل سے دوچار ہے اور ان مسائل کا اثر اس کی شخصیت، سوچ، خواہشات اور باہمی تعلقات پر کس طرح پڑتا ہے۔

اس سبق کا ایک اہم مقصد آپ کو **فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق** کو سمجھانا بھی ہے۔ آپ اس بات کا جائزہ لیں گے کہ انسان اپنے معاشرتی اور تہذیبی ماحول سے کس طرح متاثر ہوتا ہے اور بدلتا ہوا ماحول اس کی زندگی، ترجیحات اور رویوں میں کس نوعیت کی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ جدید شہری زندگی میں بڑھتی ہوئی مادیت پسندی، معاشی ناہمواری، سماجی مفادات، خاندانی رشتوں کی پیچیدگی، تنہائی اور عدمِ تحفظ جیسے مسائل کو بھی پیغام آفاقی کی ناول نگاری کے حوالے سے سمجھ سکیں گے۔

خصوصاً **"مکان "** کے مطالعے کے ذریعے آپ یہ جان سکیں گے کہ مکان جیسی بظاہر عام اور مادی ضرورت کس طرح انسانی زندگی کے وسیع تر مسائل سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ آپ مکان کو صرف رہائش کی جگہ کے طور پر نہیں بلکہ **تحفظ، ملکیت، سماجی حیثیت، معاشی مفاد، انسانی خواہش اور شناخت** کے مختلف حوالوں سے دیکھ سکیں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ مکان کے حصول اور ملکیت سے وابستہ خواہشات کس طرح انسانی رشتوں، جذبات اور باہمی مفادات کو متاثر کرتی ہیں۔

اس مطالعے کا مقصد آپ کو **انسانی نفسیات** کے ان پہلوؤں سے بھی واقف کرانا ہے جو پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں نمایاں ہوتے ہیں۔ آپ کرداروں کی خواہشات، خوف، محرومی، امید، ذہنی کشمکش اور داخلی احساسات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سمجھ

سکیں گے کہ خارجی حالات کس طرح انسان کی داخلی دنیا کو متاثر کرتے ہیں۔اس طرح آپ ناول کو صرف واقعات اور کرداروں کی سطح پر نہیں بلکہ انسانی نفسیات اور باطن کے حوالے سے بھی پڑھنے کے قابل ہوں گے۔

فنی اعتبار سے اس سبق کا مقصد آپ کو پیغام آفاقی کی **کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، زبان و بیان، علامت نگاری اور بیانیہ تکنیک** سے واقف کرانا ہے۔آپ یہ دیکھیں گے کہ ناول نگار نے اپنے فکری موضوعات کو مؤثر بنانے کے لیے مختلف فنی وسائل سے کس طرح کام لیا ہے۔خاص طور پر آپ اس بات کا تجزیہ کریں گے کہ ''مکان'' ایک مرکزی تصور اور علامت کی حیثیت سے پورے ناول کے فکری اور فنی نظام کو کس طرح مربوط کرتا ہے۔

آخر میں اس سبق کا مقصد آپ میں **تنقیدی اور تجزیاتی مطالعے کی صلاحیت** پیدا کرنا ہے تاکہ آپ پیغام آفاقی کے ناولوں کا مطالعہ محض کہانی یا واقعات کے بیان تک محدود نہ رکھیں بلکہ ان کے فکری، سماجی، نفسیاتی اور فنی پہلوؤں کو بھی سمجھ اور بیان کر سکیں۔اس سبق کے اختتام پر آپ پیغام آفاقی کی ناول نگاری کے بنیادی فکری و فنی رجحانات، جدید انسان کے مسائل، فرد اور معاشرے کے تعلق اور **''مکان''** کی علامتی و معنوی اہمیت کا مربوط اور تنقیدی جائزہ لینے کے قابل ہوں گے۔

13.1 تعارف

پیغام آفاقی اردو کے جدید ناول نگاروں میں ایک اہم نام ہیں جنہوں نے اپنے ناولوں میں معاصر زندگی کے مختلف مسائل، انسانی نفسیات، سماجی تبدیلیوں اور جدید تہذیب کے اثرات کو موضوع بنایا ہے۔ان کی ناول نگاری میں زندگی کو محض خارجی واقعات اور روایتی قصہ پن کے ذریعے پیش نہیں کیا گیا بلکہ انسان کے باطن، اس کی خواہشات، ذہنی کشمکش، سماجی رشتوں اور بدلتے ہوئے ماحول کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔اس سبق کے مطالعے کے دوران آپ پیغام آفاقی کی ناول نگاری کے بنیادی **فکری اور فنی رجحانات** کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ انہوں نے جدید انسان اور اس کے عہد کی پیچیدہ صورتِ حال کو کس طرح اپنے فکشن کا حصہ بنایا ہے۔

پیغام آفاقی کی ناول نگاری کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی زندگی کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں اور معمولی نظر آنے والے واقعات میں بھی انسانی اور سماجی معنویت تلاش کرتے ہیں۔ان کے یہاں انسان محض ایک سماجی کردار نہیں بلکہ اپنے داخلی احساسات، خواہشات، خوف، محرومیوں، امیدوں اور ذہنی الجھنوں کے ساتھ ایک مکمل وجود رکھتا ہے۔چنانچہ ان کے ناولوں میں خارجی زندگی کے واقعات کے ساتھ کرداروں کی داخلی دنیا بھی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔آپ اس مطالعے میں یہ دیکھیں گے کہ مصنف نے انسانی نفسیات اور معاشرتی حالات کے باہمی تعلق کو کس طرح فنی صورت عطا کی ہے۔

ان کی ناول نگاری میں **جدید معاشرے کی پیچیدگیاں** نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ شہری زندگی، مادیت پسندی، معاشی مسائل، سماجی نابرابری، بدلتے ہوئے خاندانی رشتے، فرد کی تنہائی، مفادات کی کشمکش اور انسانی اقدار میں تبدیلی جیسے موضوعات ان کے فکری دائرے کو وسعت دیتے ہیں۔ جدید زندگی میں انسان بظاہر ترقی اور آسائش کے بہت سے وسائل حاصل کر لیتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ذہنی بے اطمینانی، تنہائی اور داخلی کشمکش کا شکار ہو سکتا ہے۔ پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں اس تضاد کو مختلف کرداروں اور حالات کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

پیغام آفاقی کے فکشن میں **انسان اور ماحول کا تعلق** بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انسان جس معاشرتی، تہذیبی اور مادی ماحول میں زندگی گزارتا ہے، وہ اس کی شخصیت اور رویوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی اپنے ماحول کو اپنی خواہشات اور ضرورتوں کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس باہمی تعلق کے نتیجے میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، وہ پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں مختلف سطحوں پر سامنے آتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا فکشن فرد اور معاشرے کے باہمی رشتے کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

آپ اس سبق میں یہ بھی جان سکیں گے کہ پیغام آفاقی نے **مادی اشیا اور روزمرہ زندگی کے معمولی مظاہر کو علامتی معنویت** کس طرح عطا کی ہے۔ ان کے ناولوں میں بعض اشیا، مقامات اور واقعات صرف اپنے ظاہری مفہوم تک محدود نہیں رہتے بلکہ انسانی زندگی کے وسیع تر مسائل کی علامت بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر **"مکان"** محض رہائش کی جگہ نہیں بلکہ تحفظ، ملکیت، سماجی حیثیت، انسانی خواہش اور تعلقات کی پیچیدگیوں سے وابستہ ایک وسیع تصور بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک عام مادی ضرورت کے ذریعے مصنف انسانی زندگی کے کئی گہرے پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔

فنی اعتبار سے پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں **کردار نگاری، مکالمہ، منظر نگاری، زبان و بیان، علامت، داخلی تجزیہ اور بیانیہ تکنیک** کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے کردار اپنے عہد کے سماجی ماحول سے جڑے ہوئے ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی انفرادی نفسیات بھی رکھتے ہیں۔ ان کے خیالات، احساسات، فیصلے اور باہمی تعلقات ناول کے فکری پہلوؤں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ آپ اس سبق کے دوران یہ جائزہ لیں گے کہ کرداروں کی داخلی اور خارجی زندگی کو پیش کرنے کے لیے مصنف نے کن فنی طریقوں سے کام لیا ہے۔

پیغام آفاقی کی زبان و بیان میں بھی جدید حسیت اور سادگی کے ساتھ معنوی گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ ضرورت کے مطابق روزمرہ زبان، مکالماتی انداز اور بیانیہ اسلوب سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب قاری کو واقعات سے جوڑنے کے ساتھ ساتھ

کرداروں کی ذہنی کیفیت تک پہنچنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ان کے یہاں فنی اظہار اور فکری مواد ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ناول محض واقعات کا بیان نہیں رہتا بلکہ ایک وسیع انسانی تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اس سبق کے مطالعے سے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں **فکر اور فن ایک دوسرے کے معاون** ہیں۔ وہ اپنے عہد کے مسائل کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے کرداروں، واقعات، ماحول اور علامتوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں فرد کی ذات، سماج، ماحول، مادی ضروریات اور انسانی اقدار کے درمیان موجود رشتوں کو مختلف زاویوں سے دیکھا گیا ہے۔

اس طرح **پیغام آفاقی کی ناول نگاری** کا مطالعہ آپ کو جدید اردو ناول کے بدلتے ہوئے رجحانات کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ معاصر ناول نگار کس طرح جدید زندگی کے مسائل، انسانی نفسیات اور سماجی تبدیلیوں کو نئے فنی اسلوب اور تکنیک کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ اس سبق کے اختتام پر آپ پیغام آفاقی کی ناول نگاری کی نمایاں **فکری خصوصیات، فنی امتیازات، موضوعاتی وسعت اور اسلوبیاتی جہات** کا تنقیدی جائزہ لینے کے قابل ہوں گے۔

13.2 پیغام آفاقی کی ناول نگاری

پیغام آفاقی کا شمار اردو کے ان اہم اور منفرد فکشن نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے بیسویں صدی کے نصف آخر اور اکیسویں صدی کے ابتدائی دور میں اردو ناول کو نئے موضوعات، نئے فکری زاویوں اور نئے اسلوبی تجربات سے ثروت مند کیا۔ ان کی ادبی شخصیت محض ناول نگاری تک محدود نہیں بلکہ وہ شاعر، افسانہ نگار، مضمون نگار، مفکر، فلسفی اور سیریل ہدایت کار کی حیثیت سے بھی اپنی شناخت قائم کر چکے تھے۔ ان کا تعلق ریاستِ بہار کے ضلع سیوان سے تھا، جو ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور ادبی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی سرزمین نے ڈاکٹر راجندر پرساد، جے پرکاش نارائن، جمیل مظہری، احمد جمال پاشا، رضا نقوی واہی اور پیغام آفاقی جیسی مختلف النوع صلاحیتوں کی حامل شخصیات کو جنم دیا۔ پیغام آفاقی کی پیدائش 10 جنوری 1956ء کو ہوئی اور 20 اگست 2016ء کو ان کا انتقال ہوا۔ پیشہ ورانہ زندگی میں وہ پولیس کے اعلیٰ عہدے پر فائز رہے، لیکن ملازمت کی مصروفیات کے باوجود ان کا رشتہ ادب سے کبھی منقطع نہیں ہوا۔ پولیس اور انتظامی نظام کے قریب رہنے کی وجہ سے انھیں انسانی نفسیات، جرم، اقتدار، بدعنوانی، تشدد، سماجی ناانصافی اور سرکاری مشینری کے اندرونی رویوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہی تجربات بعد میں ان کے فکشن کا اہم تخلیقی سرمایہ بنے۔

پیغام آفاقی بنیادی طور پر ناول نگار تھے اور ان کی اصل ادبی شناخت بھی ان کے ناولوں سے قائم ہوئی۔ انھوں نے شاعری بھی کی، افسانے بھی لکھے اور نثر کی دوسری اصناف میں بھی اظہار خیال کیا، لیکن انھیں جو منفرد اور دیرپا شہرت حاصل ہوئی وہ ان کے ناولوں خصوصاً ''مکان'' اور ''پلیتہ'' کی وجہ سے ہوئی۔ ان کا شعری مجموعہ ''درندہ'' اور افسانوی مجموعہ ''مافیا'' بھی ان کی تخلیقی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد ''دوست'' کے نام سے ان کا تیسرا ناول 2018ء میں شائع ہوا، جس نے ان کی فکری اور تخلیقی شخصیت کے ایک اور پہلو کو نمایاں کیا۔ یوں ان کا تخلیقی سرمایہ تعداد کے اعتبار سے بہت زیادہ نہیں، لیکن معیار، موضوعاتی وسعت، فکری گہرائی اور اسلوبی انفرادیت کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کا یہ وصف انھیں ان فکشن نگاروں کی صف میں شامل کرتا ہے جنھوں نے کم لکھ کر بھی اردو ادب پر گہرا اثر چھوڑا۔

پیغام آفاقی کی ناول نگاری کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کی زندگی کو محض واقعاتی سطح پر پیش نہیں کیا بلکہ اس کے پس پردہ موجود سیاسی، سماجی، معاشی، نفسیاتی اور اخلاقی عوامل کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے یہاں فرد اور معاشرہ ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ فرد کی پریشانی، اس کی محرومی، اس کا خوف، اس کی آزادی، اس کی خواہش اور اس کی جدوجہد سب کسی نہ کسی طور پر سماجی اور سیاسی نظام سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں شہری زندگی کے مسائل، غیر اخلاقی اقدار، بدعنوانی، رشوت ستانی، پولیس کا جبر، سیاسی بے راہ روی، استحصالی نظام، طبقاتی تفریق، عورت کی سماجی حیثیت، شخصی آزادی، انسانی حقوق، سرمایہ دارانہ ذہنیت اور اقتدار کے مختلف مظاہر بار بار سامنے آتے ہیں۔

پیغام آفاقی کے پہلے ناول ''مکان'' کی اشاعت 1989ء میں ہوئی۔ یہ ناول ان کی ادبی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا اور اسی کے ذریعے وہ اردو کے اہم ناول نگاروں کی صف میں شامل ہوئے۔ ''مکان'' کا بنیادی مسئلہ بظاہر ایک مکان پر ملکیت اور قبضے کا مسئلہ ہے، لیکن گہرائی میں دیکھا جائے تو یہ ناول محض مکان کی کہانی نہیں بلکہ اسٹیبلشمنٹ، طاقت، سرمایہ، پولیس، قانون اور کمزور فرد کے درمیان کشمکش کی داستان ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار نیرا تنیجا ایک میڈیکل طالبہ ہے جو اپنی بوڑھی بیوہ ماں کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا کرایہ دار کمار اپنی مالی طاقت، اثر و رسوخ اور سرکاری مشینری سے تعلقات کے ذریعے مکان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ نیرا کو ایک تنہا اور کمزور عورت سمجھ کر اس کے خلاف قانونی اور غیر قانونی دونوں حربے استعمال کرتا ہے۔ پولیس بھی رشوت اور مفاد کی بنیاد پر کمار کا ساتھ دیتی ہے۔ یوں نیرا کا مسئلہ صرف ایک کرایہ دار سے نہیں رہتا بلکہ وہ پورے ایک ایسے نظام سے نبرد آزما ہو جاتی ہے جس میں قانون طاقتور کے ہاتھ کا آلہ بن چکا ہے۔

''مکان'' کی سب سے بڑی فنی اور فکری خوبی یہ ہے کہ پیغام آفاقی نے ایک معمولی اور روزمرہ دکھائی دینے والے مسئلے کو وسیع سماجی اور سیاسی تناظر عطا کر دیا ہے۔ مکان یہاں صرف رہائش کی جگہ نہیں رہتا بلکہ تحفظ، حقِ ملکیت، عزت، آزادی اور انسانی وجود کی علامت بن جاتا ہے۔ کمار کا مکان پر قبضہ دراصل کمزور فرد کے حقوق پر طاقتور طبقے کے قبضے کی علامت ہے۔ اسی طرح پولیس کا کردار محض چند بدعنوان اہلکاروں تک محدود نہیں بلکہ اس پورے سرکاری نظام کی نمائندگی کرتا ہے جو قانون کی حفاظت کے بجائے سرمایہ اور اثر و رسوخ کے سامنے جھک جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ''مکان'' ایک ایسے معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جہاں قانون موجود ہے لیکن قانون کی روح کمزور ہو چکی ہے، انصاف کا تصور موجود ہے لیکن انصاف تک رسائی طاقت اور دولت کے ذریعے مشروط ہو گئی ہے۔

نیرا اس ناول کا سب سے اہم اور یادگار کردار ہے۔ پیغام آفاقی نے اسے محض مظلوم عورت کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے مزاحمت، خود اعتمادی، صداقت، استقامت اور عزم کی علامت بنا دیا ہے۔ وہ مسلسل دباؤ، خوف، دھمکی اور ناانصافی کے باوجود اپنے حق سے دست بردار نہیں ہوتی۔ وہ موت سے خوف زدہ نہیں ہوتی اور اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتی۔ اس طرح نیرا اردو ناول کی ان نسوانی کرداروں میں شامل ہو جاتی ہے جو محض جذباتی یا رومانوی کردار نہیں بلکہ اپنی شخصیت، شعور اور قوتِ فیصلہ کے اعتبار سے مکمل اور فعال کردار ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے بھی ''مکان'' کے نسوانی کردار کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عورت کو زندگی کی باگ ڈور سنبھالنے کی صلاحیت رکھنے والے کردار کے طور پر دیکھا ہے۔ نیرا کی کامیابی اس بات کی علامت ہے کہ جسمانی یا سماجی کمزوری لازماً ذہنی اور اخلاقی کمزوری نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس عزم، شعور اور صداقت ایک کمزور سمجھے جانے والے فرد کو طاقتور بنا سکتے ہیں۔

''مکان'' میں کمار نیرا کے مقابلے میں ایک ایسے کردار کی نمائندگی کرتا ہے جو سرمایہ، طاقت، موقع پرستی اور اخلاقی زوال کا مظہر ہے۔ وہ براہِ راست طاقت کے استعمال کے بجائے نظام کو اپنے حق میں استعمال کرتا ہے۔ اس کے لیے پولیس، قانون اور سرکاری اہلکار سب قابلِ خرید ہیں۔ اس طرح کمار محض ایک منفی کردار نہیں بلکہ اس ذہنیت کی علامت ہے جس میں دولت اور اثر و رسوخ کو ہر اخلاقی اور قانونی قدر پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابل نیرا کا کردار اخلاقی قوت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسی تضاد سے ناول کی بنیادی کشمکش پیدا ہوتی ہے اور یہی کشمکش کہانی کو آگے بڑھاتی ہے۔

''مکان'' کی کردار نگاری کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ پیغام آفاقی نے کرداروں کی روایتی سراپا نگاری سے بڑی حد تک گریز کیا ہے۔ کرداروں کی شناخت ان کے حلیوں سے زیادہ ان کے اعمال، رویوں، گفتگو اور فکری رویے سے ہوتی ہے۔ ہر کردار اپنی

سماجی حیثیت، ذہنی سطح، علمی استعداد اور ماحول کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کے کردار مصنوعی یا کتابی محسوس نہیں ہوتے بلکہ زندگی کے حقیقی کرداروں کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ واقعات اور کردار اس کے اپنے گرد و پیش کا حصہ ہیں۔ پیغام آفاقی نے روایتی ناولوں کی طرح عشق و محبت کی غیر ضروری کہانی شامل کرنے یا ہجر و فراق کے جذباتی مناظر کے ذریعے قاری کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کا مقصد زندگی کے بنیادی مسائل اور فرد کی جدوجہد کو مرکز میں رکھنا ہے۔

''مکان'' کی زبان عام فہم، سادہ، سلیس اور رواں ہے۔ پیغام آفاقی نے پیچیدہ خیالات کو نسبتاً آسان زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نثر میں انگریزی الفاظ اور تراکیب بھی ملتی ہیں، جو ان کے کرداروں کے شہری ماحول اور جدید ذہن کی عکاسی کرتی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم آزاد کے مطابق ناول کی زبان عام فہم، سلیس اور رواں ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت رکھتی ہے۔ پیغام آفاقی جذبات کو بظاہر سادہ جملوں میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ قاری کے ذہن اور دل پر اثر چھوڑتے ہیں۔ ان کی نثر میں چھوٹے جملوں کا استعمال معنی خیزی پیدا کرتا ہے اور ترسیل کو مؤثر بناتا ہے۔

تاہم ''مکان'' فنی اعتبار سے مکمل طور پر عیوب سے پاک نہیں۔ اس کی سب سے نمایاں کمزوری طوالت ہے۔ بعض مقامات پر خود کلامی اور ضمیر کی آواز اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ واقعاتی رفتار متاثر ہوتی ہے اور قاری کی گرفت کچھ دیر کے لیے ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ بعض مقامات پر حشو و زوائد اور غیر ضروری تفصیل بھی ناول کے فنی ربط کو متاثر کرتی ہے۔ اگر ان مقامات پر اختصار سے کام لیا جاتا تو ناول کی فنی کشش میں مزید اضافہ ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود یہ کمزوریاں ''مکان'' کی مجموعی اہمیت کو کم نہیں کرتیں، کیونکہ اس میں موضوع، کردار، زبان، فکری احتجاج اور سماجی شعور کی ایسی خوبیاں موجود ہیں جو اسے اردو ناول کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہیں۔

''مکان'' میں خود کلامی ایک اہم فنی وسیلہ ہے۔ پیغام آفاقی نے کردار کے داخلی احساسات، ذہنی کشمکش اور فکری ارتعاش کو خود کلامی کے ذریعے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ خود کلامی محض کردار کے بولنے کا عمل نہیں بلکہ اس کے باطن تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کردار اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے اور اس گفتگو میں اس کے خوف، سوالات، تجربات، خیالات اور زندگی کے بارے میں تصورات سامنے آتے ہیں۔ اس تکنیک کے ذریعے ناول نگار نے خارجی واقعات کے ساتھ ساتھ داخلی زندگی کو بھی اہمیت دی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر یہی خود کلامی غیر ضروری طوالت اختیار کر لیتی ہے اور ناول کی رفتار متاثر ہوتی ہے۔

''مکان'' میں علامتی سطح بھی موجود ہے، اگرچہ ناول نگار نے تجریدیت اور پیچیدہ علامت نگاری سے عمومی طور پر گریز کیا ہے۔ مکان خود ایک بڑی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ فرد کے حق، تحفظ اور شناخت کی علامت ہے۔ نیر اکا مکان بچانے کی جدوجہد دراصل اپنے وجود اور اپنے حق کو بچانے کی جدوجہد بن جاتی ہے۔ اس طرح ایک چھوٹا سا سماجی مسئلہ وسیع انسانی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی فنی توسیع پیغام آفاقی کی ناول نگاری کا اہم وصف ہے۔

اگر ''مکان'' کو پیغام آفاقی کے فنی سفر کی ابتدا سمجھا جائے تو ''پلیتہ'' ان کی فکری اور فلسفیانہ وسعت کا مظہر ہے۔ ''پلیتہ'' 2011ء میں شائع ہوا اور اس میں پیغام آفاقی نے موضوع اور تکنیک دونوں سطحوں پر ایک زیادہ پیچیدہ اور وسیع تجربہ کیا۔ اس ناول کا مرکزی کردار خالد سہیل ہے، جو ایک شدید داخلی کشمکش اور نفسیاتی اضطراب سے دوچار ہے۔ اس کے ذریعے ناول نگار نے فرد کے باطن، تاریخ، سیاست، اقتدار، جبر، محکومیت اور انسانی آزادی کے مسائل کو ایک دوسرے سے مربوط کیا ہے۔ ''پلیتہ'' کا مرکزی استعارہ کالا پانی ہے، لیکن کالا پانی یہاں محض ایک تاریخی جیل نہیں رہتا بلکہ جبر، استبداد، محکومیت اور انسانی آزادی کی سلبی کیفیت کا استعارہ بن جاتا ہے۔

خالد سہیل کالا پانی کے تاریخی پس منظر کو دیکھتے ہوئے ماضی اور حال کے درمیان ایک فکری رشتہ قائم کرتا ہے۔ اس کے لیے کالا پانی محض برطانوی دور کے قیدیوں کی سزا کا مقام نہیں بلکہ ایک ایسے اقتداری نظام کی علامت ہے جو انسان کی آزادی، سوچ اور شخصیت کو اپنے مفادات کے لیے محدود کرتا ہے۔ ناول میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی کردار، برطانوی اقتدار، استعماری نظام اور سرمایہ دارانہ مفادات کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے دیکھا گیا ہے۔ پیغام آفاقی کے یہاں استعماری اقتدار صرف سیاسی قبضہ نہیں بلکہ ایک تجارتی اور معاشی منصوبہ بھی ہے۔ اسی لیے کالا پانی کے مسئلے کو وسیع تر عالمی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔

''پلیتہ'' کا دائرۂ موضوع ''مکان'' کے مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس میں تاریخ، سیاست، سماج، نفسیات، معیشت، طبقاتی تقسیم، ذات پات، دلتوں کے مسائل، مذہبی منافرت، جمہوری منافقت، آمریت، شہنشاہیت، پولیس، پریس، سرمایہ دارانہ نظام، مارکیٹ اکانامی، گلوبلائزیشن، کارپوریٹ کلچر، انسانی اور لسانی حقوق، جنگ، سیاسی پولرائزیشن اور فرد کی آزادی جیسے متعدد مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ ناول نگار نے ماضی اور حال کو اس طرح ایک دوسرے کے سامنے رکھا ہے کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ کے بہت سے جبر اپنی شکل بدل کر آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اقتدار بدلتا ہے، نظام بدلتے ہیں، حکومتیں بدلتی ہیں، لیکن طاقت اور محکومیت کا بنیادی رشتہ اپنی مختلف صورتوں میں برقرار رہتا ہے۔

''پلیتہ'' میں طبقاتی اور ذات پات کے نظام پر بھی گہرا طنز کیا گیا ہے۔ دلتوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور چھوت چھات کے مسئلے کو استعماری سیاست کے تناظر میں بھی دیکھا گیا ہے۔ انگریز حکمران ہندوستانی سماج کی داخلی تقسیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان تقسیمات کو اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ناول صرف بیرونی استعمار پر تنقید نہیں کرتا بلکہ ہندوستانی معاشرے کے اندر موجود ان کمزوریوں کو بھی بے نقاب کرتا ہے جنھوں نے استعماری قوتوں کو فائدہ پہنچایا۔

ناول میں پولیس، پریس، جمہوریت، آمریت اور شہنشاہیت سب کے کردار کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ پیغام آفاقی کا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا اقتدار کی ہر شکل بالآخر فرد کی آزادی کو محدود نہیں کرتی؟ کیا جمہوری نظام ہمیشہ حقیقی معنوں میں جمہوری ہوتا ہے؟ کیا آزادی صرف سیاسی آزادی کا نام ہے یا انسان کی فکری، سماجی اور شخصی آزادی بھی اس کا حصہ ہے؟ ''پلیتہ'' ان سوالات کے ذریعے قاری کو محض تاریخ پڑھنے کے بجائے تاریخ کے معنی سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس ناول میں فلسفیانہ ڈسکورس کا عنصر بہت نمایاں ہے۔

''پلیتہ'' کا مرکزی کردار خالد سہیل اپنی داخلی سائیکی کے اعتبار سے ایک پیچیدہ کردار ہے۔ اس کے اندر مسلسل ایک جنگ جاری رہتی ہے۔ وہ خارجی دنیا کو اپنے داخلی اضطراب کے ذریعے دیکھتا ہے۔ اس کی نفسیاتی کیفیت اسے عام کرداروں سے مختلف بناتی ہے۔ تاہم اسی مقام پر ناول کی ایک اہم فنی بحث بھی سامنے آتی ہے۔ مرکزی کردار کئی مقامات پر غیر فعال، ساکت اور خاموش دکھائی دیتا ہے اور اس کی کہانی قاری تک دوسرے ذرائع، مکالموں، ڈائری اور قبر کے مجاور کی گفتگو کے ذریعے پہنچتی ہے۔ ڈاکٹر سید نجمی ظفر نے اسی فنی صورت حال کی بنیاد پر ''پلیتہ'' کی ہیئت کے بارے میں سوال اٹھایا ہے اور اسے ناول، داستان اور نیم داستان کے درمیان ایک منفرد تجربہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اس تنقید سے قطع نظر یہ بات واضح ہے کہ پیغام آفاقی نے روایتی ناول کی ساخت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بیان کے نئے امکانات تلاش کیے۔

''پلیتہ'' میں تاریخی واقعات اور تخیلی بیانیے کا امتزاج بھی اہم ہے۔ خالد سہیل اپنے اجداد کے ماضی، ان کے مقدمے اور ان کے انجام کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد ڈائری اور دوسرے ذرائع کے ذریعے ماضی کی تہیں کھلتی جاتی ہیں۔ اس تکنیک سے ناول میں تجسس پیدا ہوتا ہے اور ماضی و حال کے درمیان ایک پل قائم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر طوالت اور مرکزی کردار کی غیر فعالیت قاری کے لیے دشواری پیدا کرتی ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ تجربہ پیغام آفاقی کی فنی جستجو کا ثبوت ہے۔

پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں زبان و بیان کا مسئلہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ''مکان'' میں زبان زیادہ تر سادہ، عام فہم اور روزمرہ کے قریب ہے، جب کہ ''پلیتہ'' میں فلسفیانہ اور تاریخی موضوعات کے باعث بیان کی سطح نسبتاً پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ کرداروں کی زبان ان کے سماجی اور ذہنی مرتبے کے مطابق ہے۔ ناول نگار نے عوامی زبان کے استعمال سے ترسیل کو مؤثر بنانے کی کوشش کی ہے۔ چھوٹے اور بامعنی جملے، مکالموں کا استعمال، خود کلامی، انگریزی الفاظ اور جدید اصطلاحات ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ تاہم بعض مقامات پر شاعرانہ زبان اور فلسفیانہ بحث نثر کے منطقی تسلسل پر غالب آجاتی ہے۔ اسی طرح طویل مکالمے اور تفصیلات بعض جگہ قاری کے لیے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے اسلوب کی انفرادیت برقرار رہتی ہے۔

پیغام آفاقی کے تیسرے ناول ''دوست'' کی اشاعت ان کے انتقال کے بعد 2018ء میں ہوئی۔ اس ناول نے ان کی ناول نگاری کو ایک نئے موضوع سے جوڑا۔ ''دوست'' میں انسانی رشتوں، محبت، جنس، شخصی آزادی اور مرد و عورت کے باہمی تعلق کو روایتی اخلاقی تصورات سے ہٹ کر دیکھا گیا ہے۔ ناول میں لیوِان ریلیشن شپ جیسے حساس اور متنازع موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ پیغام آفاقی کا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا مرد اور عورت کا تعلق صرف جسمانی ضرورت یا سماجی اور قانونی بندھن کا نام ہے، یا اس سے آگے بھی کوئی جذباتی، ذہنی اور روحانی رشتہ ممکن ہے؟ وہ محبت، دوستی، قربت، شخصی آزادی اور باہمی احترام کو انسانی تعلقات کے بنیادی عناصر کے طور پر دیکھتے ہیں۔

''دوست'' کی مرکزی کردار نینا اور مرکزی مرد کردار ہاشم کے ذریعے پیغام آفاقی نے مرد اساس معاشرے پر شدید تنقید کی ہے۔ نینا ایک ایسی عورت ہے جو روایتی سماجی تصورات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے اپنی شخصیت اور اپنی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ وہ عورت کو محض جسم یا مرد کی ملکیت سمجھنے والے معاشرتی تصور کو مسترد کرتی ہے۔ اس کردار کے ذریعے عورت کی شخصیت، شناخت، ذاتی آزادی، ذہنی اور جذباتی ضروریات اور اپنی زندگی کے بارے میں فیصلے کرنے کے حق کو نمایاں کیا گیا ہے۔

''دوست'' میں شخصی آزادی کا تصور پیغام آفاقی کے فکری نظام کا اہم حصہ بن جاتا ہے۔ ان کے نزدیک معاشرہ انسانوں سے تشکیل پاتا ہے، اس لیے معاشرے کو انسان کی شخصی آزادی اور بنیادی حقوق سے بالاتر نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کو محض ایک معاشرتی کردار میں تبدیل کر دینا اس کی انفرادی شخصیت کی نفی ہے۔ فرد کے ذاتی جذبات، خواہشات، پسند و ناپسند، ذہنی آزادی

اور انسانی وقار کا احترام ایک صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ اسی فکری بنیاد پر ناول میں روایتی اخلاقی تصورات، مردانہ اجارہ داری اور عورت کے جسم و شخصیت پر معاشرتی ملکیت کے تصور کو چیلنج کیا گیا ہے۔

ہاشم کے کردار میں پیغام آفاقی کی اپنی فکری شخصیت کے بعض عناصر بھی محسوس ہوتے ہیں۔ وہ روایت پر اندھا اعتماد نہیں کرتا بلکہ ہر مسئلے کو دلیل، تجربے اور ذاتی آزادی کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ اسی لیے ''دوست'' میں خود نوشت عناصر کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ ہاشم اور نینا ایک دوسرے کے لیے آئینے کی طرح ہیں اور ان کے ذریعے ناول نگار نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ مرد اور عورت کی حقیقی رفاقت تبھی ممکن ہے جب دونوں ایک دوسرے کو مکمل انسان سمجھیں۔ اس اعتبار سے ''دوست'' محض جنسی تعلقات کا ناول نہیں بلکہ انسانی رفاقت، محبت، آزادی، دوستی اور باہمی احترام کے فلسفے کا ناول ہے۔

''دوست'' میں رومان کا عنصر بھی نمایاں ہے، لیکن یہ روایتی رومان نہیں۔ یہاں محبت کو جسمانی کشش سے بلند کر کے ذہنی اور روحانی قربت سے جوڑا گیا ہے۔ محبت میں قربانی، خلوص، گفتگو، فکری ہم آہنگی اور ایک دوسرے کی شخصیت کو قبول کرنے کا جذبہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ نینا اور ہاشم کے تعلق کے ذریعے ناول نگار نے مرد اور عورت کے رشتے کو ایک وسیع انسانی اور فلسفیانہ تناظر میں دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے اس ناول میں محبت، جنس، سماج، اخلاق اور شخصی آزادی کے درمیان پیچیدہ تعلقات پر گفتگو ہوتی ہے۔

پیغام آفاقی کے تینوں ناولوں کو ایک ساتھ دیکھا جائے تو ان کے موضوعات میں ایک واضح فکری تسلسل محسوس ہوتا ہے۔ ''مکان'' میں فرد اپنے حق اور مکان کے تحفظ کے لیے طاقتور نظام سے لڑتا ہے، ''پلیتہ'' میں فرد تاریخ، اقتدار اور جبر کے وسیع نظام کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ''دوست'' میں فرد معاشرتی بندشوں کے مقابل اپنی شخصی اور جذباتی آزادی کا دفاع کرتا ہے۔ گویا ان تینوں ناولوں کے مرکز میں انسان ہے اور انسان کی آزادی، عزت، شناخت اور حقِ انتخاب کا مسئلہ موجود ہے۔ ایک ناول میں یہ مسئلہ سماجی اور قانونی سطح پر سامنے آتا ہے، دوسرے میں سیاسی اور تاریخی سطح پر اور تیسرے میں شخصی، جنسی اور جذباتی سطح پر۔ یہی تسلسل پیغام آفاقی کی ناول نگاری کو ایک مربوط فکری وحدت عطا کرتا ہے۔

ان کے ناولوں میں عورت کی پیش کش بھی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ نیرا اور نینا دونوں مختلف حالات میں عورت کی آزادی، قوت اور خود اختیاری کی نمائندگی کرتی ہیں۔ نیرا خارجی استحصالی نظام کے خلاف جدوجہد کرتی ہے جب کہ نینا داخلی اور معاشرتی بندشوں کو چیلنج کرتی ہے۔ دونوں کرداروں میں ایک مشترک عنصر خود آگہی ہے۔ پیغام آفاقی عورت کو محض مظلوم یا محبت کی شے کے طور پر پیش نہیں کرتے بلکہ اسے فیصلہ کرنے، مزاحمت کرنے، اپنی زندگی کی سمت متعین کرنے اور اپنی شناخت

قائم کرنے کی صلاحیت رکھنے والی شخصیت کے طور پر سامنے لاتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی ناول نگاری میں نسائی شعور کی ایک نمایاں جہت موجود ہے۔

پیغام آفاقی کی کردار نگاری کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ وہ کرداروں کو ان کے اعمال اور افکار سے شناخت دیتے ہیں۔ وہ کرداروں کی ظاہری شکل و صورت بیان کرنے کے بجائے ان کے ذہنی رویوں، گفتگو، فیصلوں اور رد عمل کے ذریعے ان کی شخصیت تشکیل دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار محض کہانی کے مہرے نہیں رہتے بلکہ اپنے ماحول اور سماجی حقیقت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نیرا مزاحمت کی علامت ہے، کمار سرمایہ اور طاقت کے گٹھ جوڑ کا نمائندہ ہے، خالد سہیل داخلی اضطراب اور تاریخی شعور کا حامل کردار ہے، جب کہ نینا اور ہاشم شخصی آزادی اور انسانی رفاقت کے نئے تصور کو سامنے لاتے ہیں۔

ان کے ناولوں میں مکالمہ بھی کردار نگاری اور پلاٹ کی تشکیل کا اہم ذریعہ ہے۔ مکالمے کے ذریعے کرداروں کی ذہنی سطح، سماجی حیثیت اور فکری رویہ سامنے آتا ہے۔ بعض مقامات پر مکالموں کی طوالت ان کے ناولوں کی فنی کمزوری بنتی ہے، لیکن جہاں مکالمہ مختصر اور برجستہ ہے وہاں وہ کردار اور واقعے دونوں کو مؤثر بناتا ہے۔ ان کی نثر میں خود کلامی اور مکالمے کا امتزاج خاص طور پر ''مکان'' اور ''پلیتہ'' میں قابل ذکر ہے۔

پیغام آفاقی کی ناول نگاری میں علامت نگاری بھی ایک اہم فنی وسیلہ ہے۔ ''مکان'' میں مکان، ''پلیتہ'' میں کالا پانی اور ''دوست'' میں دوستی اور انسانی رفاقت کے تصورات وسیع معنویت اختیار کر لیتے ہیں۔ تاہم ان کی علامت نگاری پیچیدہ اور مبہم نہیں بلکہ زیادہ تر زندگی کے حقیقی مسائل سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کے یہاں علامت خارجی دنیا سے الگ کوئی مجرد تصور نہیں بلکہ زندگی کے تجربے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کے ناولوں کی علامتیں سماجی، سیاسی اور انسانی معنویت پیدا کرتی ہیں۔

پیغام آفاقی کا ایک اہم وصف ان کی حقیقت پسندی ہے۔ انھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو فکشن میں منتقل کرتے ہوئے زندگی کے خوش نما پہلوؤں کے ساتھ اس کے تلخ حقائق کو بھی بے باکی سے پیش کیا۔ پولیس کے نظام، رشوت، بدعنوانی، سیاسی مفادات، طبقاتی استحصال اور سماجی منافقت کی جو تصویر ان کے یہاں ملتی ہے وہ کسی مصنوعی تصور سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ براہِ راست مشاہدے اور تجربے کی بنیاد رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فکشن سماجی دستاویز کی حیثیت بھی اختیار کر لیتا ہے۔

ان کے یہاں احتجاجی رویہ بھی نمایاں ہے۔ لیکن یہ احتجاج محض نعرہ نہیں بلکہ فکر اور دلیل کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ وہ نظام کے خلاف سوال اٹھاتے ہیں، لیکن سوال کے ساتھ اس کے پس منظر اور اسباب کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ''مکان''

میں یہ احتجاج بد عنوان نظام کے خلاف ہے، ''پلیتہ'' میں اقتدار، استعمار اور محکومیت کے خلاف اور ''دوست'' میں معاشرتی جبر اور شخصی آزادی کی پابندی کے خلاف۔ اس طرح احتجاج پیغام آفاقی کی فکشن نگاری کی ایک بنیادی روح بن جاتا ہے۔

ان کی ناول نگاری میں فلسفیانہ عناصر بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ واقعات کو محض واقعات کی حیثیت سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے معنی تلاش کرتے ہیں۔ انسان کیوں محکوم ہوتا ہے؟ اقتدار کیوں جبر پیدا کرتا ہے؟ معاشرہ فرد کی آزادی کیوں محدود کرتا ہے؟ عورت کو مساوی انسان تسلیم کرنے میں سماج کو دشواری کیوں پیش آتی ہے؟ سرمایہ اور اقتدار کا تعلق کیا ہے؟ تاریخ کے جبر آج کس شکل میں زندہ ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ان کے فکشن کو عام بیانیہ سے بلند کر کے فکری اور فلسفیانہ سطح عطا کرتے ہیں۔

پیغام آفاقی کے فکشن کا ایک اہم پہلو ماضی اور حال کا رشتہ بھی ہے۔ ''پلیتہ'' میں یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ تاریخی واقعات کو محض ماضی کے قصے کے طور پر پیش کرنے کے بجائے انھوں نے ان میں موجود جبر اور استحصال کے عناصر کو عصر حاضر سے جوڑا ہے۔ اس طرح تاریخ ایک زندہ تجربہ بن جاتی ہے۔ قاری کو احساس ہوتا ہے کہ ماضی ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے اثرات مختلف شکلوں میں حال میں موجود ہیں۔ یہی تاریخی شعور ان کے ناول کو محض تفریحی ادب کے دائرے سے نکال کر فکری ادب کے مقام تک لے جاتا ہے۔

پیغام آفاقی کے اسلوب میں جدید شہری زندگی کا اثر بھی واضح ہے۔ ان کی زبان میں اردو کے ساتھ انگریزی اصطلاحات اور جدید الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ یہ استعمال محض نمائش کے لیے نہیں بلکہ جدید شہری ماحول، پیشہ ورانہ زندگی اور بدلتے ہوئے سماجی ڈھانچے کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے یہاں زبان کرداروں کے طبقے، پیشے اور ذہنی سطح سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ یہی اسلوبی حقیقت پسندی ان کے فکشن کو عصر حاضر سے جوڑتی ہے۔

اگر ان کی ناول نگاری کے فنی محاسن اور کمزوریوں کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی قوت موضوعاتی وسعت، فکری گہرائی، حقیقت پسندی، کرداروں کی انفرادیت، احتجاجی لہجہ، زبان کی سادگی اور نئے فنی تجربات ہیں۔ اس کے مقابل ان کی نمایاں کمزوری بعض مقامات پر غیر ضروری طوالت، خود کلامی کی زیادتی، طویل فلسفیانہ گفتگو، بعض مکالموں کا پھیلاؤ اور پلاٹ کی رفتار کا متاثر ہونا ہے۔ ''پلیتہ'' میں مرکزی کردار کی ساکت اور غیر فعال حیثیت بھی بعض قارئین کے لیے فنی دشواری پیدا کرتی ہے۔ لیکن ان کمزوریوں کے باوجود ان کے فکشن کی بنیادی تخلیقی توانائی کم نہیں ہوتی۔

پیغام آفاقی نے اردو ناول کو روایتی موضوعات کی محدود دنیا سے نکال کر جدید شہری، سیاسی، معاشی، نفسیاتی اور شخصی مسائل سے جوڑا۔ ان کے ناولوں میں محبت اور رومان موجود ہیں لیکن وہ روایتی عشقیہ داستانوں کے تابع نہیں۔ عورت موجود ہے

لیکن محض حسن اور محبت کی علامت کے طور پر نہیں۔ سیاست موجود ہے لیکن محض سیاسی واقعات کے بیان کے لیے نہیں۔ تاریخ موجود ہے لیکن محض ماضی نگاری کے لیے نہیں۔ جنس موجود ہے لیکن محض لذت یا سنسنی کے لیے نہیں۔ ان تمام عناصر کو انھوں نے انسانی آزادی، شناخت، اختیار اور زندگی کے بڑے فلسفیانہ سوالات سے مربوط کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغام آفاقی کے ناول اپنے عہد کی تہذیب، سیاست، معاشرت اور ذہنیت کے آئینہ دار بن جاتے ہیں۔ ''مکان'' میں شہری متوسط طبقے کی بے بسی، سرکاری نظام کی بدعنوانی اور طاقتور طبقے کے استحصال کا چہرہ سامنے آتا ہے۔ ''پلیتہ'' میں استعمار، تاریخ، اقتدار، طبقاتی اور ذات پات کی تقسیم، جمہوری منافقت، جنگ، سرمایہ اور عالمی سیاست کے وسیع مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ ''دوست'' میں شخصی آزادی، عورت کی خود مختاری، محبت، دوستی، جنس اور انسانی رشتوں کے نئے امکانات تلاش کیے جاتے ہیں۔ اس طرح تینوں ناول اپنی اپنی سطح پر جدید انسان کی بنیادی مشکلات اور اس کی آزادی کی جدوجہد کو بیان کرتے ہیں۔

پیغام آفاقی کے ناولوں میں امید کا عنصر بھی قابل ذکر ہے۔ وہ سماج کی خرابیوں کو بے نقاب ضرور کرتے ہیں لیکن مکمل مایوسی کا شکار نہیں ہوتے۔ نیرا کی جدوجہد اور کامیابی، خالد سہیل کی فکری جستجو اور نینا کی خود اختیاری اس بات کی علامت ہیں کہ انسان نامساعد حالات میں بھی اپنی آزادی اور شناخت کے لیے جدوجہد کر سکتا ہے۔ ان کے یہاں احتجاج کے ساتھ امکان بھی موجود ہے۔ وہ تاریکی کی نشان دہی کرتے ہیں لیکن روشنی کی تلاش سے دست بردار نہیں ہوتے۔

مجموعی طور پر پیغام آفاقی کی ناول نگاری اردو فکشن کی تاریخ میں ایک اہم اور منفرد باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے کم تعداد میں ناول لکھ کر بھی موضوع اور اسلوب دونوں اعتبار سے نمایاں اثر قائم کیا۔ ''مکان'' نے انھیں ایک منفرد فکشن نگار کی حیثیت سے متعارف کرایا، ''پلیتہ'' نے ان کی فکری، تاریخی اور فلسفیانہ وسعت کو سامنے لایا اور ''دوست'' نے انسانی رشتوں، عورت کی آزادی اور شخصی اختیار کے نئے سوالات کو اردو ناول کا موضوع بنایا۔ ان کے ناولوں میں زندگی کے تلخ حقائق، فرد کی داخلی کشمکش، سماجی ناانصافی، سیاسی جبر، بدعنوانی، طبقاتی تفریق، نسائی شعور، شخصی آزادی اور انسانی رفاقت کے مسائل ایک دوسرے سے مربوط ہو کر سامنے آتے ہیں۔

پیغام آفاقی کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے فکشن میں زندگی کو اس کے تمام تر تضادات کے ساتھ دیکھنے کی کوشش کی۔ ان کے لیے ناول محض کہانی سنانے کا وسیلہ نہیں بلکہ زندگی کو سمجھنے، اس پر سوال اٹھانے، اس کے پوشیدہ تضادات کو آشکار کرنے اور انسانی وجود کے بنیادی مسائل پر غور کرنے کا ایک فکری وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں واقعات

کے ساتھ ساتھ فکر، مکالمے کے ساتھ ساتھ خود کلامی، حقیقت کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور فرد کے ساتھ ساتھ پورا معاشرہ موجود ہے۔

اس اعتبار سے پیغام آفاقی کو محض 1980ء کے بعد کے ایک ناول نگار کے طور پر دیکھنا ان کی ادبی اہمیت کو محدود کرنا ہوگا۔ وہ اردو ناول کے اس جدید رجحان کے نمائندہ ہیں جس میں فرد اور نظام، آزادی اور جبر، عورت اور مرد، تاریخ اور حال، سرمایہ اور انسان، قانون اور انصاف، محبت اور جنس، معاشرہ اور شخصی آزادی کے درمیان تعلقات کو نئے زاویوں سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی تخلیقات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایک حساس اور باشعور فنکار اپنے محدود تجربے کو بھی وسیع انسانی تجربے میں تبدیل کر سکتا ہے۔

آخر کار یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغام آفاقی کی ناول نگاری کی اصل قوت ان کی فکری بے باکی، موضوعاتی وسعت، مشاہدے کی گہرائی، حقیقت پسندی، احتجاجی شعور، کرداروں کی معنویت اور زبان و اسلوب کے منفرد استعمال میں پوشیدہ ہے۔ ''مکان''، ''پلیتہ'' اور ''دوست'' تین مختلف موضوعاتی دنیاؤں کے ناول ہونے کے باوجود ایک بنیادی انسانی سوال پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور وہ سوال انسان کی آزادی، عزت اور اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کے حق کا سوال ہے۔ اسی بنیادی انسانی فکر نے پیغام آفاقی کو اپنے معاصرین میں ایک منفرد مقام عطا کیا اور اردو فکشن میں ان کی شناخت کو مستحکم کیا۔ ان کے فکشن کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے ذریعے نہ صرف ایک صاحبِ طرز ناول نگار کی فنی شخصیت کو سمجھا جاسکتا ہے بلکہ ہندوستانی معاشرے، اس کے اقتداری ڈھانچے، بدلتی ہوئی تہذیبی اقدار اور جدید انسان کی داخلی و خارجی کشمکش کو بھی بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ پیغام آفاقی کا فکشن اسی لیے محض ان کے عہد کی ادبی یادگار نہیں بلکہ بدلتے ہوئے معاشرے اور انسان کے مسلسل سوالات کا ایک زندہ اور بامعنی ادبی حوالہ ہے۔

13.3 سرگرمی: آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے پیغام آفاقی کی ناول نگاری کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی جوابی سرگرمی کو حل کیجیے۔ اپنے جوابات کی صحت جانچنے کے لیے حصہ 12.8 سے رجوع کیجیے۔

1۔ ناول **''مکان''** کے مصنف کون ہیں؟

2۔ ناول **''مکان''** کی مرکزی کردار کون ہے؟

3۔ **نیرا** کس ناول کا مرکزی کردار ہے؟

4۔ناول **"مکان "**میں نیرا کس شعبے کی طالبہ ہے؟

5۔**کمار** کس ناول کا اہم کردار ہے؟

6۔ناول **"مکان "**میں کمار کا نیرا سے کیا تعلق ہے؟

7۔**آلوک** کس ناول کا کردار ہے؟

8۔ناول **"مکان "**میں آلوک کا پیشہ کیا ہے؟

9۔**ساوتری** کس ناول کے کردار آلوک کی بیوی ہے؟

10۔ناول **"مکان "**میں آشا کس کردار کی بیوی ہے؟

11۔**آشااور کمار** کا تعلق کس ناول میں دکھایا گیا ہے؟

12۔**اشوک** کس ناول کا اہم کردار ہے؟

13۔ناول **"مکان "**میں اشوک کا پیشہ کیا ہے؟

14۔**مسٹر نیر** کس ناول کا کردار ہے؟

15۔ناول **"مکان "**میں مسٹر نیر کا تعلق کس محکمے سے ہے؟

16۔**سویتا** کس ناول کا کردار ہے اور اس کا نیرا سے کیا تعلق ہے؟

17۔ناول **"مکان "**میں نیرا کی بوڑھی ماں کا کردار کس نوعیت کا ہے؟

18۔**آلوک اور نیرا** کا تعلق کس ناول میں پیش کیا گیا ہے؟

13.4 عمومی جائزہ

اس سبق میں آپ نے **پیغام آفاقی کی ناول نگاری** اور ان کے اہم ناول **"مکان "**کا فکری و فنی مطالعہ کیا۔ پیغام آفاقی جدید اردو ناول کے ان اہم تخلیق کاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے ناولوں میں معاصر معاشرے، شہری زندگی، انسانی رشتوں، سماجی ناہمواری، طبقاتی تفاوت اور انسان کی داخلی کشمکش کو موضوع بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں زندگی کے خارجی مسائل کے ساتھ انسان کے باطن، اس کی خواہشات، محرومیوں، خوف، امید اور نفسیاتی الجھنوں کو بھی نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ ان کے یہاں عام انسان کی زندگی اور روزمرہ تجربات وسیع سماجی اور فکری معنویت اختیار کر لیتے ہیں۔

پیغام آفاقی کے ناول **"مکان "** میں جدید شہری زندگی کے مختلف مسائل کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی موضوع مکان کے حصول سے وابستہ انسانی خواہش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سماجی، معاشی اور نفسیاتی پیچیدگیاں ہیں۔ یہاں مکان محض ایک عمارت یا رہائش کی جگہ نہیں بلکہ **تحفظ، ملکیت، عزت، سماجی حیثیت، خواب اور انسانی وابستگی** کی علامت بن جاتا ہے۔ مکان کے حصول کی جدوجہد کے ذریعے مصنف نے معاشرے میں موجود طبقاتی فرق، مادی مفادات اور انسانی رشتوں میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو اجاگر کیا ہے۔

"مکان " کی ایک اہم خصوصیت اس کی **حقیقت نگاری** ہے۔ مصنف نے زندگی کو غیر ضروری رومانویت یا تصنع کے بغیر اس کی پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ متوسط اور شہری طبقے کی زندگی، معاشی مسائل، رہائش کی دشواریاں اور سماجی دباؤ ناول کے بنیادی مسائل میں شامل ہیں۔ اس حقیقت نگارانہ انداز کے باعث ناول کے واقعات اور کردار قاری کو زندگی کے قریب محسوس ہوتے ہیں۔

ناول میں **نیرا** ایک اہم اور مرکزی کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس کے ذریعے جدید تعلیم یافتہ عورت، اس کے جذبات، خواہشات، مسائل اور معاشرتی حالات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ نیرا کی شخصیت محض ایک فرد کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ جدید معاشرے میں عورت کی بدلتی ہوئی صورتِ حال اور اس کی داخلی کشمکش کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ اسی طرح **کمار، آلوک، ساوتری، آشا، اشوک، مسٹر نیر اور سویتا** جیسے کردار ناول کی مختلف سماجی اور نفسیاتی جہتوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

پیغام آفاقی کی کردار نگاری میں یہ خوبی نمایاں ہے کہ کردار صرف واقعات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں بنتے بلکہ ان کے ذریعے معاشرے کے مختلف طبقات، رویوں اور مسائل کی نمائندگی ہوتی ہے۔ ہر کردار اپنی خواہش، مفاد، تعلق اور نفسیاتی کیفیت کے ساتھ ناول کے مجموعی فکری تصور میں حصہ لیتا ہے۔ انسانی رشتوں میں محبت، اعتماد، مفاد، کشمکش اور عدمِ تحفظ جیسے عناصر کرداروں کے رویوں کو متاثر کرتے ہیں۔

"مکان " میں جدید معاشرے کی **مادی اقدار** اور انسانی جذبات کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش بھی نمایاں ہے۔ مکان اور جائیداد جیسی مادی ضروریات بعض اوقات انسانی رشتوں اور اخلاقی اقدار پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس صورتِ حال کے ذریعے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مادی ترقی اور ملکیت کی خواہش کے درمیان انسان اپنی جذباتی اور اخلاقی زندگی کو کس حد تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔

فنی اعتبار سے **زبان و اسلوب** بھی ناول کی اہم خصوصیت ہے۔ پیغام آفاقی نے نسبتاً سادہ، رواں اور زندگی سے قریب زبان استعمال کی ہے۔ مکالموں کے ذریعے کرداروں کی ذہنی کیفیت، سماجی حیثیت اور باہمی تعلقات کو واضح کیا گیا ہے۔ منظر نگاری میں شہری ماحول، مکان اور اس سے وابستہ زندگی کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس طرح خارجی ماحول کرداروں کی داخلی کیفیت سے جڑ جاتا ہے۔

ناول میں **علامت نگاری** بھی اہم فنی حیثیت رکھتی ہے۔ ''مکان'' خود ایک مرکزی علامت ہے جس کے وسیلے سے انسان کی بنیادی ضرورت، تحفظ کی خواہش، ملکیت کا احساس، سماجی مقام اور خوابوں کی تعبیر جیسے مختلف مفاہیم سامنے آتے ہیں۔ اس طرح ایک بظاہر معمولی مادی شے پورے معاشرتی نظام اور انسانی نفسیات کی علامت بن جاتی ہے۔

مجموعی طور پر **''مکان''** جدید شہری زندگی، انسانی نفسیات، سماجی حقیقت اور مادی خواہشات کے باہمی تعلق کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔ پیغام آفاقی نے فرد کے ذاتی مسائل کو وسیع معاشرتی تناظر سے جوڑ کر ناول کو محض ایک فرد یا خاندان کی کہانی بننے سے بچایا ہے۔ ان کے یہاں مکان کی تلاش دراصل **تحفظ، شناخت، خوشی، عزت اور بہتر زندگی کی تلاش** میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سبق کا حاصل یہ ہے کہ پیغام آفاقی نے جدید اردو ناول کو عصری زندگی کے مسائل سے جوڑتے ہوئے **حقیقت نگاری، سماجی شعور، انسانی نفسیات، کردار نگاری اور علامتی اظہار** کو اہمیت دی۔ **''مکان''** اسی فنی اور فکری شعور کی نمائندہ تخلیق ہے، جس میں ایک مخصوص شہری مسئلے کے ذریعے جدید انسان کی زندگی، اس کے خواب، محرومیاں اور معاشرتی پیچیدگیاں سامنے آتی ہیں۔

13.5 فرہنگ

لفظ	معنی
ارتقا	بتدریج ترقی اور نشوونما
معاشرتی	سماج اور معاشرے سے متعلق
سماجی شعور	معاشرے کے مسائل اور حالات کا احساس و ادراک
حقیقت نگاری	زندگی اور معاشرے کے حقائق کو حقیقت کے قریب رہتے ہوئے پیش کرنا
طبقاتی کشمکش	مختلف سماجی یا معاشی طبقات کے درمیان اختلاف اور جدوجہد
استحصال	کسی فرد یا طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھانا

لفظ	معنی
تصادم	دو قوتوں، خیالات یا کرداروں کے درمیان ٹکراؤ
تجسس	کسی بات کو جاننے کی شدید خواہش اور بے چینی
داخلیت	انسان کے باطن، احساسات اور جذبات کا اظہار
خارجیت	خارجی حالات، واقعات اور ماحول کی عکاسی
نفسیات	انسانی ذہن، احساسات اور رویوں کا مطالعہ
نفسیاتی کشمکش	انسان کے ذہن میں مختلف خیالات اور جذبات کے درمیان کشمکش
مکالمہ	دو یا دو سے زیادہ کرداروں کے درمیان گفتگو
اسلوب	لکھنے یا اظہار کرنے کا مخصوص طریقہ
علامت	کسی خیال یا تصور کو کسی چیز، کردار یا واقعے کے ذریعے ظاہر کرنا
مکان	رہنے کی جگہ؛ ناول میں تحفظ، شناخت اور ملکیت کی علامت
حقِ ملکیت	کسی چیز پر قانونی یا جائز اختیار رکھنے کا حق
خودداری	اپنی عزت، وقار اور اصولوں کی حفاظت کا جذبہ
قوتِ ارادی	کسی مقصد کے حصول کے لیے مضبوط عزم اور ارادہ
ضمیر	انسان کے اندر اچھے اور برے کی تمیز کرنے والی اخلاقی آواز
بدعنوانی	اختیارات یا عہدے کا ناجائز استعمال
مفاد پرستی	اپنے ذاتی فائدے کو دوسروں یا اصولوں پر ترجیح دینا
استحصالی نظام	ایسا نظام جس میں طاقتور طبقہ کمزور طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھائے
مزاحمت	ظلم، جبر یا ناانصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنا
خود آگہی	اپنی ذات، صلاحیتوں اور حقیقت کو پہچاننے کا شعور

لفظ	معنی
اندرون	انسان کا باطنی یا داخلی عالم
تہذیبی علامت	ایسی علامت جو کسی معاشرتی یا تہذیبی تصور کی نمائندگی کرے
جزئیات نگاری	کسی واقعے، منظر یا کیفیت کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو بیان کرنا
تخلیقی بصیرت	کسی موضوع کو نئے اور فنکارانہ انداز میں دیکھنے اور پیش کرنے کی صلاحیت
شہری زندگی	شہر میں رہنے والے لوگوں کی معاشرتی اور روزمرہ زندگی
سماجی تضاد	معاشرے میں موجود باہمی اختلاف، ناہمواری یا متضاد رویے
اخلاقی کشمکش	اچھے اور برے یا مختلف اخلاقی اقدار کے درمیان ذہنی کشمکش
کردار سازی	کردار کی شخصیت اور اوصاف کو فنکارانہ طور پر تشکیل دینا
روایت	کسی معاشرے یا ادب میں چلی آنے والی فکری یا فنی روش

13.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1۔ **پیغام آفاقی کی ناول نگاری** کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

2۔پیغام آفاقی کے ناول **"مکان "** کے موضوع اور بنیادی فکر کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3۔ناول **"مکان "** میں **جدید شہری زندگی اور معاشرتی مسائل** کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

4۔**"مکان "** میں **انسانی نفسیات اور انسانی رشتوں** کی عکاسی پر تفصیلی بحث کیجیے۔

5۔ناول **"مکان "** کے اہم کرداروں کی **کردار نگاری** کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

6۔ **نیرا** کے کردار کا نفسیاتی اور فنی تجزیہ کرتے ہوئے ناول میں اس کی اہمیت واضح کیجیے۔

13.7 مشقی سوالات

1. **پیغام آفاقی کے ناول ''مکان ''** کے موضوع اور بنیادی فکر کی وضاحت کیجیے۔
2. ناول **''مکان ''میں نیرا کے کردار** کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔
3. **''مکان ''کے پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور زبان واسلوب** کی فنی خصوصیات پر تفصیلی بحث کیجیے۔

12.8 جواباتِ سر گرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1۔ناول **''مکان ''** کے مصنف **پیغام آفاقی** ہیں۔

۲۔ناول **''مکان ''** کی مرکزی کردار **نیرا** ہے۔

۳۔**نیرا** ناول **''مکان ''** کا مرکزی کردار ہے۔

۴۔ناول **''مکان ''** میں نیرا **آرٹ/فائن آرٹس** کے شعبے کی طالبہ ہے۔

۵۔**کمار** ناول **''مکان ''** کا اہم کردار ہے۔

۶۔ناول **''مکان ''** میں کمار کا **نیرا سے قریبی دوستانہ اور جذباتی تعلق** ہے۔

۷۔**آلوک** ناول **''مکان ''** کا کردار ہے۔

۸۔ناول **''مکان ''** میں آلوک **ڈاکٹر** ہے۔

۹۔**ساوتری** ناول **''مکان ''** کے کردار **آلوک کی بیوی** ہے۔

۱۰۔ناول **''مکان ''** میں **آشا، اشوک کی بیوی** ہے۔

۱۱۔**آشا اور کمار** کا تعلق ناول **''مکان ''** میں دکھایا گیا ہے۔

۱۲۔**اشوک** ناول **''مکان ''** کا اہم کردار ہے۔

۱۳۔ناول **''مکان ''** میں اشوک **وکیل** ہے۔

۱۴۔**مسٹر نیر** ناول **''مکان ''** کا کردار ہے۔

۱۵۔ناول **''مکان ''** میں مسٹر نیر کا تعلق **محکمۂ تعمیرات (P.W.D.)** سے ہے۔

۱۶۔**سویتا** ناول **''مکان ''** کا کردار ہے اور وہ **نیرا کی سہیلی** ہے۔

۱۷۔ناول ''**مکان** ''میں نیرا کی بوڑھی ماں کا کردار **ایک مجبور، تنہااور حساس ماں** کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، جو گھریلو اور معاشرتی مسائل کی نمائندگی کرتی ہے۔

۱۸۔**آلوک اور نیرا** کا تعلق ناول ''**مکان** ''میں پیش کیا گیا ہے۔

1۔پیغام آفاقی کے ناول ''مکان'' کے موضوع اور بنیادی فکر کی وضاحت کیجیے۔

پیغام آفاقی کا ناول ''**مکان** ''۱۹۸۹ء میں شائع ہوا اور جدید اردو ناول میں اسے اہم مقام حاصل ہوا۔اس ناول کی بنیادی کہانی ایک مکان کے گرد گھومتی ہے، لیکن ناول کا ''مکان'' صرف ایک عمارت یا رہائش گاہ نہیں بلکہ انسانی وجود، تحفظ، شناخت، ملکیت اور زندگی کی علامت بن جاتا ہے۔

ناول کی مرکزی کردار نیرا ایک میڈیکل کی طالبہ ہے جو اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ دہلی میں رہتی ہے۔اس کے مکان کا ایک حصہ کمار نامی شخص کرایے پر لیتا ہے۔بعد میں کمار کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ مختلف قانونی اور غیر قانونی طریقوں سے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔نیرا اس صورتِ حال کے سامنے ہمت نہیں ہارتی بلکہ اپنے حق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔

مکان کے مسئلے کے ذریعے پیغام آفاقی نے شہری زندگی کے متعدد تضادات کو سامنے لایا ہے۔پولیس، عدالت، دولت، سیاسی و سماجی رسوخ، بدعنوانی اور طاقت کے غلط استعمال جیسے مسائل ناول میں نمایاں ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ناول انسانی ضمیر اور باطن کی بیداری کا مسئلہ بھی اٹھاتا ہے۔

ناول کی بنیادی فکر یہ ہے کہ انسان اگر اپنے اندر موجود قوت اور شعور کو پہچان لے تو وہ بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے بھی مزاحمت کر سکتا ہے۔اسی لیے ''مکان'' ایک مکان کی کہانی سے آگے بڑھ کر انسانی وجود اور اس کی آزادی کی کہانی بن جاتا ہے۔

2۔ناول ''مکان'' میں نیرا کے کردار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

نیرا ''**مکان** ''کی مرکزی کردار ہے۔پیغام آفاقی نے اسے ایک مضبوط، ذہین، باشعور اور باہمت عورت کے طور پر پیش کیا ہے۔وہ میڈیکل کی طالبہ ہے اور اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔جب کمار اس کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو نیرا کے سامنے ایک شدید بحران پیدا ہو جاتا ہے۔

نیرا کو معلوم ہے کہ اگر وہ خوف زدہ ہو کر مکان چھوڑ دے گی تو نہ صرف اس کی ملکیت اس سے چھن جائے گی بلکہ اس کی زندگی کا تحفظ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔چنانچہ وہ کمار، پولیس اور دوسرے بااثر افراد کے دباؤ کے باوجود اپنے حق سے دست بردار نہیں

ہوتی۔ وہ قانونی جدوجہد کرتی ہے، لوگوں سے رابطہ کرتی ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی ذہنی قوت کو استعمال کرتی ہے۔

نیرا کا کردار صرف ایک مظلوم عورت کا کردار نہیں ہے۔ وہ حالات سے سیکھتی ہے اور اس جدوجہد کے دوران اس کی شخصیت میں مسلسل تبدیلی آتی ہے۔ ابتدا میں مکان اس کے لیے صرف رہائش کی جگہ ہے، لیکن رفتہ رفتہ مکان اس کے لیے تحفظ، شناخت اور انسانی آزادی کی علامت بن جاتا ہے۔

نیرا کا کردار نسوانی خود آگہی کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ ثابت کرتی ہے کہ عورت کو کمزور سمجھنا معاشرتی تعصب ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کرتی ہے اور اپنی جنگ خود لڑتی ہے۔ اسی جدوجہد کے دوران اس کے اندر زندگی، انسان، سماج اور اپنے وجود کے بارے میں گہرا شعور پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نیرا **"مکان "** کا سب سے مؤثر اور متحرک کردار ہے۔ وہ ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کے فکری اور فلسفیانہ پہلو کو بھی نمایاں کرتی ہے۔

3۔ "مکان" کے پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور زبان واسلوب کی فنی خصوصیات پر تفصیلی بحث کیجیے۔

پیغام آفاقی کا **"مکان "** فنی اعتبار سے ایک پیچیدہ اور منفرد ناول ہے۔ اس کا پلاٹ سیدھی لکیر میں آگے نہیں بڑھتا۔ ناول نگار نے ابتدا ہی میں انجام کی طرف اشارہ کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود قاری کی دلچسپی اور تجسس برقرار رہتا ہے۔ ایک مسئلے کے حل کے بعد دوسرا مسئلہ سامنے آتا ہے اور کہانی مسلسل نئے فکری سوالات پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔

ناول میں **تصادم** کو بنیادی فنی عنصر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ بظاہر یہ تصادم نیرا اور کمار کے درمیان ہے، لیکن گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ انسان اور سماجی نظام، حق اور باطل، ضمیر اور مفاد، خوف اور حوصلے کے درمیان تصادم بن جاتا ہے۔

کردار نگاری بھی ناول کی اہم خصوصیت ہے۔ نیرا مرکزی کردار ہے، جب کہ کمار، آلوک، ساوتری، آشا، اشوک اور مسٹر نیر بھی اہم کردار ہیں۔ کمار مفاد پرستی اور قبضہ گیری کی علامت ہے، اشوک بدعنوان نظام اور مادی مفاد کی نمائندگی کرتا ہے، جب کہ آلوک ایک ایسے ایماندار انسان کی نمائندگی کرتا ہے جو بدعنوان نظام میں رہتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز سے نبرد آزما ہے۔ ساوتری اور آشا کے کردار بھی معاشرتی اور نفسیاتی رویوں کو واضح کرتے ہیں۔

مکالمہ نگاری پیغام آفاقی کے فن کا نمایاں پہلو ہے۔ان کے مکالمے محض گفتگو نہیں بلکہ کرداروں کی ذہنی اور فکری کیفیت کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ نیرا کے مکالموں میں خود آگہی، مزاحمت اور فلسفیانہ فکر نمایاں ہے۔ بعض مکالمے قاری کو براہِ راست زندگی کے بنیادی مسائل پر غور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

منظر نگاری میں بھی ناول نگار کو خاص مہارت حاصل ہے۔ دہلی کے شہری ماحول کے ساتھ ساتھ شملہ کے قدرتی مناظر کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔ بارش، پہاڑ، سڑکیں، درخت، دھوپ، بادل اور وادیاں محض خارجی مناظر نہیں رہتے بلکہ کرداروں کی داخلی کیفیات سے بھی ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

زبان واسلوب کے اعتبار سے **"مکان "** کی نثر سادہ، رواں، عام فہم اور بامعنی ہے۔ ناول نگار نے روزمرہ زبان، محاوروں، ہندی اور انگریزی الفاظ سے بھی کام لیا ہے۔ بعض مقامات پر نثر میں شعری اور نثری نظم جیسا آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کے ذریعے کرداروں کی نفسیات اور داخلی کیفیات کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مختصراً، **"مکان "** کی فنی عظمت اس کے پیچیدہ پلاٹ، جاندار کردار نگاری، مؤثر مکالمہ نگاری، خوب صورت منظر نگاری، سادہ مگر گہری زبان اور فلسفیانہ اسلوب میں پوشیدہ ہے۔ یہی عناصر اسے جدید اردو ناول کی ایک اہم اور منفرد تخلیق بناتے ہیں۔

13.9 امدادی کتب

1۔ مکان ـــــ پیغام آفاقی

2۔ اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ـــــ ڈاکٹر احسن فاروقی

3۔ اردو فکشن ـــــ آل احمد سرور

4۔ ناول کا فن ـــــ ای۔ایم۔فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

5۔ بیسویں صدی میں اردو ناول ـــــ ڈاکٹر یوسف سرمست

6۔ داستان سے افسانے تک ـــــ وقار عظیم

7۔ اردو ناول کی تاریخ و تنقید ـــــ علی عباس حسینی

8۔ ادبی تخلیق اور ناول ـــــ احسن فاروقی

9۔اردو ناول بیسویں صدی میں ——عبدالسلام

10۔ترقی پسند تحریک اور اردو ناول ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

11۔ تفہیم و تعبیر ——ڈاکٹر محمد ریاض احمد

12۔1970ء کے بعد کے اہم فکشن نگار ——ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

13۔آزادی کے بعد اردو ناول ——ڈاکٹر ممتاز احمد خان

سبق نمبر ۱۴۔ناول ''مکان''کا فنی مطالعہ

ساخت

14.0 اغراض و مقاصد

14.1 تعارف

14.2 ''مکان''کا فنی مطالعہ

14.3 سر گرمی آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

14.4 عمومی جائزہ

14.5 فرہنگ

14.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

14.7 مشقی سوالات

14.8 جوابات سر گرمی، مشقی سوالات کے جوابات

14.9 امدادی کتب

14.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ **پیغام آفاقی کی ناول نگاری** کے بنیادی فکری اور فنی رجحانات سے واقف ہو سکیں گے۔ آپ ان کی ناول نگاری کے موضوعات، اسلوب، کردار نگاری، حقیقت نگاری اور سماجی وانسانی مسائل کے شعور کو سمجھ سکیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو پیغام آفاقی کے معروف ناول **"مکان "** کا تفصیلی فنی مطالعہ کرنے کا موقع ملے گا، جس کے ذریعے آپ ناول کے موضوع، پلاٹ، کرداروں، زبان واسلوب، منظر نگاری، علامت نگاری اور تکنیک کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔

اس سبق کے ذریعے آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ پیغام آفاقی نے جدید شہری زندگی، انسان کی بدلتی ہوئی نفسیات، معاشرتی ناہمواری، مادی مفادات، جائیداد اور رہائش کے مسائل کو کس طرح ناول کا موضوع بنایا۔ آپ **"مکان "** میں فرد اور معاشرے کے تعلق، انسانی رشتوں میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں اور جدید زندگی کے مسائل کا مطالعہ کر سکیں گے۔ مزید برآں، آپ ناول میں **مکان کی علامتی حیثیت** اور اس کے ذریعے انسانی زندگی، تحفظ، ملکیت، خواہش، محرومی اور سماجی حیثیت کے مختلف تصورات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اس سبق کے اختتام پر آپ پیغام آفاقی کی ناول نگاری کی انفرادیت کا تعین کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کے قابل ہوں گے کہ انہوں نے اردو ناول کو جدید شہری تجربات، سماجی حقیقت اور انسانی نفسیات سے کس طرح ہم آہنگ کیا۔ آپ **"مکان "** کے فکری اور فنی پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کی اردو ناول کی روایت میں اہمیت اور مقام کا تعین بھی کر سکیں گے۔

14.1 تعارف

پیغام آفاقی کا ناول **"مکان "** اردو ناول کی جدید روایت میں انسانی زندگی، معاشرتی رویوں، مادی خواہشات اور بدلتے ہوئے شہری ماحول کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے اہم تخلیق ہے۔ اس ناول کے فنی مطالعے کے دوران آپ اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ایک بظاہر معمولی اور روزمرہ ضرورت یعنی **مکان** کس طرح انسانی زندگی کے وسیع تر مسائل، خواہشات، جذبات، رشتوں، معاشرتی مرتبے اور مفادات سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ یہاں مکان محض اینٹ، پتھر، دیوار اور چھت کا نام نہیں رہتا بلکہ انسانی زندگی کی ضروریات، خوابوں، عدم تحفظ، سماجی حیثیت اور مستقبل کی خواہشات کا مظہر بن جاتا ہے۔

آپ اس مطالعے میں یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ جدید شہری معاشرے میں **گھر اور انسان کا تعلق** کس نوعیت کا ہے۔ انسان کے لیے گھر ایک طرف سکون، تحفظ، اپنائیت اور خاندانی وابستگی کی علامت ہے تو دوسری طرف مکان کی ملکیت معاشی طاقت، سماجی وقار اور شخصی کامیابی سے بھی جوڑ دی جاتی ہے۔ چنانچہ مکان حاصل کرنے کی خواہش محض رہائش کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس کے ساتھ انسان کی سماجی شناخت، معاشی حیثیت اور مستقبل کے تصورات بھی وابستہ ہو جاتے ہیں۔ پیغام آفاقی نے اسی بنیادی تصور کو مختلف انسانی اور سماجی پہلوؤں کے ساتھ مربوط کر کے ناول کو معنوی وسعت عطا کی ہے۔

"مکان " کے مطالعے کے دوران آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ مادی ضرورتیں کس طرح انسانی تعلقات اور رویوں کو متاثر کرتی ہیں۔ جب مکان ایک قیمتی مادی اثاثے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے تو اس کے حصول، تعمیر، ملکیت یا تحفظ سے وابستہ مفادات انسانی رشتوں پر بھی اثر انداز ہونے لگتے ہیں۔ محبت، خاندانی وابستگی، خود غرضی، مفاد، قربانی، تنازع اور باہمی اعتماد جیسے جذبات مکان کے مسئلے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ اس طرح ناول ایک مادی شے کو مرکز بنا کر انسانی نفسیات اور معاشرتی تعلقات کی پیچیدگیوں کو سامنے لاتا ہے۔

اس ناول کے ذریعے آپ **جدید معاشرے کی مادیت پسندی** کا بھی جائزہ لے سکیں گے۔ بدلتے ہوئے شہری معاشرے میں انسان کی ضروریات اور خواہشات میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مکان، زمین، جائیداد اور مالی وسائل انسانی زندگی میں اہم مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں بعض اوقات مادی کامیابی انسانی خوشی اور سماجی وقار کا پیمانہ بن جاتی ہے۔ پیغام آفاقی نے مکان کے تصور کے ذریعے اس ذہنیت اور اس کے انسانی اثرات کو فنی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس پہلو سے ناول جدید انسان کی ترجیحات اور اس کی داخلی کشمکش کو سمجھنے کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔

ناول کا ایک اہم پہلو **انسان اور ماحول کا تعلق** ہے۔ انسان جس جگہ رہتا ہے، اس کا جسمانی اور سماجی ماحول اس کی شخصیت، سوچ اور زندگی کے طریقۂ کار پر اثر ڈالتا ہے۔ مکان صرف ایک بند جگہ نہیں بلکہ اپنے ارد گرد کے محلے، شہر، سڑکوں، لوگوں، معاشرتی حالات اور تہذیبی ماحول سے بھی وابستہ ہوتا ہے۔ آپ اس مطالعے میں یہ دیکھیں گے کہ رہائشی ماحول کس طرح انسانی زندگی کو تشکیل دیتا ہے اور انسان بھی اپنے ماحول کو اپنی ضروریات اور خواہشات کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح **انسان، مکان اور معاشرہ** ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔

"مکان " میں انسانی نفسیات کا مطالعہ بھی خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ مکان کی خواہش کے پسِ پشت صرف مادی ضرورت نہیں بلکہ تحفظ، استحکام، ملکیت، شناخت اور مستقبل کے بارے میں انسان کے تصورات بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ انسان اپنے لیے ایک ایسی

جگہ چاہتا ہے جہاں وہ خود کو محفوظ اور بااختیار محسوس کر سکے۔ لیکن جب یہی خواہش ضرورت سے بڑھ کر حصولِ ملکیت اور مفاد کی صورت اختیار کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں ذہنی کشمکش، بے اطمینانی اور رشتوں میں پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس اعتبار سے ناول انسانی خواہشات کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

فنی اعتبار سے آپ اس بات کا مطالعہ کریں گے کہ پیغام آفاقی نے **مکان کے مرکزی تصور کو کہانی کی ساخت اور کرداروں کی زندگی کے ساتھ کس طرح مربوط کیا ہے۔** کرداروں کے باہمی تعلقات، ان کے خیالات، خواہشات، مسائل اور فیصلے ناول کے بنیادی موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مکالمہ، منظر نگاری، کردار نگاری، زبان و بیان اور بیانیہ تکنیکیں بھی ناول کے فکری اثر کو گہرا کرتی ہیں۔ مکان ایک مرکزی علامت کی حیثیت سے مختلف سطحوں پر معنی پیدا کرتا ہے اور قاری کو ظاہری واقعے سے آگے بڑھ کر انسانی زندگی کے باطن میں جھانکنے کا موقع دیتا ہے۔

آپ یہ بھی محسوس کریں گے کہ **"مکان "** میں خارجی زندگی اور داخلی زندگی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ مکان سے متعلق ظاہری مسائل کے ساتھ کرداروں کی داخلی خواہشات، خوف، امیدیں، احساسِ تحفظ اور عدم تحفظ بھی سامنے آتے ہیں۔ یہی داخلی اور خارجی سطحیں مل کر ناول کو محض جائیداد یا رہائش کے مسئلے کی کہانی بننے سے بچاتی ہیں۔ مکان ایک وسیع تر استعارے میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کے ذریعے انسان کے اپنے وجود، معاشرے اور مستقبل سے تعلق کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اس مطالعے کے دوران آپ **علامت نگاری، کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری، زبان و بیان اور بیانیہ تکنیک** جیسے فنی عناصر کا جائزہ لیں گے۔ خاص طور پر یہ دیکھا جائے گا کہ مصنف نے ایک عام اور روزمرہ موضوع کو کس طرح فنی اور فکری سطح پر وسعت دی ہے۔ ناول کے واقعات اور کردار اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ادب میں کوئی بھی معمولی دکھائی دینے والا مسئلہ اپنے اندر انسانی زندگی کے بڑے سوالات سمیٹ سکتا ہے۔

مجموعی طور پر **"مکان "** کے فنی مطالعے سے آپ کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ جدید اردو ناول میں **مادی ضرورت اور انسانی خواہش، فرد اور معاشرہ، گھر اور ماحول، ملکیت اور شناخت، رشتہ اور مفاد** جیسے مختلف پہلو کس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ مکان یہاں صرف رہنے کی جگہ نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تحفظ، خواب، خواہش، سماجی مرتبے اور تعلقات کی ایک جامع علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس طرح پیغام آفاقی ایک عام انسانی ضرورت کو بنیاد بنا کر جدید معاشرے کی پیچیدگیوں اور انسان کے داخلی و خارجی مسائل کو فنی انداز میں پیش کرتے ہیں۔

14.2 ناول ''مکان'' کا تنقیدی جائزہ

پیغام آفاقی کا ناول ''مکان'' اردو ناول کی روایت میں ایک اہم اور منفرد اضافہ ہے۔ یہ ناول ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا اور اپنی اشاعت کے بعد سے اردو کے اہم فکری اور فلسفیانہ ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پیغام آفاقی نے ''مکان'' کے ذریعے محض ایک مکان کے حصول اور تحفظ کی کہانی بیان نہیں کی بلکہ مکان کو انسانی زندگی، وجود، تحفظ، شناخت، آزادی، سماجی رشتوں، اخلاقی اقدار اور انسانی جدوجہد کی ایک وسیع علامت میں تبدیل کر دیا ہے۔ بظاہر ناول کی کہانی ایک مکان کے مالک اور کرایہ دار کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعے کے گرد گھومتی ہے، لیکن اس معمولی سے دکھائی دینے والے مسئلے کے پس پردہ مصنف نے انسانی زندگی کے بڑے اور بنیادی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''مکان'' کا مطالعہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ مکان صرف اینٹ، پتھر، دروازے، کھڑکیوں اور چھت کا نام نہیں بلکہ انسان کے وجود، اس کی شناخت اور اس کے تحفظ کا استعارہ ہے۔

ناول کی مرکزی کردار نیرا ایک میڈیکل کی طالبہ ہے۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ دہلی میں اپنے ذاتی مکان میں رہتی ہے۔ زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے وہ مکان کا ایک حصہ کرایے پر دے دیتی ہے۔ اس مکان میں کمار اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کرایے دار کی حیثیت سے رہتا ہے۔ ابتدا میں یہ تعلق ایک عام مالک اور کرایہ دار کا تعلق محسوس ہوتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ کمار کی نیت میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ نیرا کے مکان پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ چونکہ نیرا ایک عورت ہے، اس کے والد دنیا میں نہیں ہیں اور اس کے ساتھ صرف اس کی بوڑھی ماں ہے، اس لیے کمار اسے کمزور اور بے بس سمجھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ نیرا اس کے مقابلے میں زیادہ دیر تک مزاحمت نہیں کر سکے گی اور بالآخر حالات سے مجبور ہو کر مکان چھوڑ دے گی۔ یہی غلط فہمی ناول کے بنیادی تصادم کو جنم دیتی ہے۔

کمار مکان پر قبضہ کرنے کے لیے مختلف قانونی اور غیر قانونی طریقے اختیار کرتا ہے۔ وہ پولیس اور انتظامیہ میں اپنے تعلقات استعمال کرتا ہے، جھوٹے مقدمات قائم کرتا ہے، نیرا کو ذہنی اذیت پہنچاتا ہے، اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بیوی آشا بھی اس معاملے میں اس کا ساتھ دیتی ہے۔ وہ نیرا سے بدسلوکی کرتی ہے، اسے گالیاں دیتی ہے، اس پر ہاتھ اٹھاتی ہے اور مختلف طریقوں سے اسے پریشان کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کمار اور آشا کا مقصد صرف یہ نہیں کہ نیرا کو قانونی طور پر شکست دی جائے بلکہ وہ اس کے حوصلے کو توڑ دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ خود ہی مکان چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے۔

کمار کا کردار ناول میں شر، مفاد پرستی، موقع پرستی اور سرمایہ کی طاقت کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس شخص کے پاس پیسہ، تعلقات اور طاقت ہو، وہ کسی بھی مسئلے کو اپنے حق میں تبدیل کر سکتا ہے۔ وہ نیرا کو اس لیے کمزور سمجھتا ہے کہ اس کے پاس مکان کے علاوہ کوئی بڑی مادی طاقت نہیں۔ کمار کے نزدیک پولیس، عدالت، کچہری اور انتظامیہ سب پیسے اور اثر ورسوخ سے قابو میں کیے جا سکتے ہیں۔ اسی ذہنیت کے تحت وہ مکان کے اندر بھی رفتہ رفتہ اپنی ملکیت کا احساس پیدا کرنے لگتا ہے۔ وہ مکان کے باہر جھاڑیاں کٹواتا ہے، اپنی نام کی تختی لگاتا ہے، چھت پر اپنی مرضی سے کرسیاں اور چارپائیاں رکھتا ہے، پھولوں کے گملے سجاتا ہے اور اپنی گاڑی اس جگہ کھڑی کرتا ہے جہاں نیرا کے ملنے والوں کے اسکوٹر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ یہ تمام حرکات محض چھوٹی چھوٹی شرارتیں نہیں بلکہ مکان پر قبضے کی نفسیاتی اور عملی کوششوں کی علامت ہیں۔

کمار کے مقابلے میں نیرا کا کردار غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ پیغام آفاقی نے اسے روایتی کمزور، مظلوم اور بے بس عورت کے طور پر پیش نہیں کیا۔ وہ ایک ذہین، باشعور، خوددار، باہمت اور مضبوط ارادوں والی لڑکی ہے۔ اگرچہ حالات اسے مسلسل دباؤ میں رکھتے ہیں، لیکن وہ شکست تسلیم نہیں کرتی۔ وہ جانتی ہے کہ اگر اس نے خوف زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیے تو نہ صرف اس کا مکان اس سے چھین لیا جائے گا بلکہ اس کے وجود اور شناخت پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا۔ چنانچہ مکان کے تحفظ کی جنگ رفتہ رفتہ اس کے لیے اپنی ذات کے تحفظ کی جنگ بن جاتی ہے۔

نیرا کی جدوجہد کا دائرہ مکان سے بہت آگے نکل جاتا ہے۔ ابتدا میں وہ اپنے مکان کو بچانے کے لیے لڑتی ہے، لیکن جب وہ سماج کے مختلف اداروں اور افراد کے رویوں کو قریب سے دیکھتی ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ صرف مکان کا نہیں بلکہ اس پورے سماجی نظام کا ہے جس میں طاقت ور کمزور کے حقوق پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے اس کے اندر سوالات پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنی ذات، معاشرے اور زندگی کے بنیادی مسائل پر غور کرنے لگتی ہے۔ اس حوالے سے ناول میں مکان ایک علامتی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نیرا کا مکان اس کے لیے تحفظ کی علامت ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ مکان کے اندر محفوظ رہنا بھی کوئی پیدائشی حق نہیں بلکہ اس کے لیے مسلسل جدوجہد اور بیداری ضروری ہے۔

ناول میں نیرا کی خود کلامی اس کی داخلی دنیا کو سمجھنے میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ جب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی چھت اس سے چھینی جا سکتی ہے تو اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مکان صرف ایک عمارت نہیں بلکہ اس کی پوری زندگی کا حصہ ہے۔ اس کے بچپن کی یادیں، والد کی موجودگی، ماں کی حفاظت، اس کی اپنی شناخت اور مستقبل کے خواب سب اسی مکان

سے وابستہ ہیں۔اس لیے مکان کے چھن جانے کا مطلب صرف رہائش سے محرومی نہیں بلکہ اپنی شناخت کے ایک اہم حصے سے محرومی ہے۔یہی احساس نیرا کے اندر مزاحمت کی نئی قوت پیدا کرتا ہے۔

پیغام آفاقی نے نیرا کے ذریعے عورت کے اندر پوشیدہ طاقت کو بھی اجاگر کیا ہے۔نیرا خود کو محض ایک کمزور لڑکی نہیں سمجھتی بلکہ اسے یقین ہے کہ عورت کے اندر ایسی بے پناہ قوت موجود ہے جس کا اندازہ عام حالات میں نہیں ہو سکتا۔وہ اپنے وجود کو سمندر سے تشبیہ دیتی ہے جس میں پہاڑ بھی غرق ہو سکتا ہے اور جس کے اندر نئی زندگی کی تخلیق کی صلاحیت موجود ہے۔اس طرح عورت محض مظلوم کردار نہیں رہتی بلکہ وہ تخلیقی قوت،مزاحمت اور تبدیلی کی علامت بن جاتی ہے۔

ناول کا ایک اہم فکری پہلو یہ ہے کہ نیرا کی اصل جنگ کمار سے زیادہ اپنے اندر موجود خوف، کمزوری اور سماجی جبر کے خلاف ہے۔کمار ایک خارجی دشمن ہے، لیکن اس کے مقابلے میں نیرا کو اپنی داخلی کمزوریوں سے بھی جنگ کرنا پڑتی ہے۔اسی لیے ناول میں ''ضمیر'' کو بھی ایک اہم کردار کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔نیرا مسلسل اپنے آپ سے سوال کرتی ہے، حالات کا جائزہ لیتی ہے اور اپنے اندر کی قوت کو تلاش کرتی ہے۔اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان کی اصل مجبوری بیرونی حالات نہیں بلکہ اپنے اندر موجود اس شخصیت سے عدم واقفیت ہے جو ان حالات کا مقابلہ کر سکتی ہے۔اس طرح ''مکان'' خارجی واقعات کے ساتھ ساتھ داخلی سفر کا ناول بھی بن جاتا ہے۔

آلوک کا کردار بھی اسی داخلی اور خارجی کشمکش کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔آلوک ایک پولیس افسر ہے اور ابتدا میں وہ نیرا کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔وہ ایماندار ہے اور چاہتا ہے کہ نیرا کے ساتھ انصاف ہو، لیکن جس نظام کا وہ حصہ ہے وہ خود بدعنوانی، مفاد پرستی اور طاقت کے کھیل میں مبتلا ہے۔اس لیے آلوک کی نیک نیتی بار بار نظام کی طاقت کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے۔پیغام آفاقی نے آلوک کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ کسی فرد کی ایمانداری اس وقت تک مکمل نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی جب تک پورا نظام اخلاقی بنیادوں پر قائم نہ ہو۔

نیرا سے قربت آلوک کی شخصیت میں بھی تبدیلی پیدا کرتی ہے۔وہ پہلی مرتبہ زندگی کے ان پہلوؤں کو قریب سے دیکھتا ہے جنہیں وہ اپنے پیشہ ورانہ ماحول میں نظر انداز کرتا آیا تھا۔اسے احساس ہوتا ہے کہ جس معاشرے کا وہ محافظ سمجھا جاتا ہے،اس کے اندر رشوت، بدعنوانی، خوف اور مفاد پرستی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔نیرا اس کے اندر ایک نئی بیداری پیدا کرتی ہے۔اس کے ذریعے آلوک اپنے وجود اور اپنے پیشے دونوں پر دوبارہ غور کرنے لگتا ہے۔یوں نیرا صرف اپنے آپ کو نہیں بدلتی بلکہ اس کے ارد گرد موجود لوگوں کے ضمیر کو بھی بیدار کرتی ہے۔

آلوک کی بیوی ساوتری کا کردار اس کے برعکس ایک روایتی سماجی ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ نیرا اور آلوک کے تعلق کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اسے اس بات پر اعتراض ہے کہ نیرا بار بار آلوک سے مدد لینے کیوں آتی ہے۔ سماج کی دوسری عورتیں بھی اس کے ذہن میں شک پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح ساوتری کے کردار کے ذریعے مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ پدرانہ سماج صرف مردوں کے ذریعے نہیں چلتا بلکہ بعض اوقات عورتیں بھی انہی سماجی تصورات کو آگے بڑھاتی ہیں جو دوسری عورتوں کی آزادی اور خود مختاری کو محدود کرتے ہیں۔

آشوک ناول میں ایک اور اہم کردار ہے۔ وہ پراپرٹی ڈیلر ہے اور کمار کے ساتھ مل کر نیرا کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں مکان ایک انسانی ضرورت یا جذباتی وابستگی نہیں بلکہ ایک قیمتی پراپرٹی ہے جسے فروخت کر کے منافع کمایا جا سکتا ہے۔ وہ ہر شخص کو اپنے مفاد کے مطابق استعمال کرنا جانتا ہے۔ وہ آلوک کو بھی شراب اور عورت کے ذریعے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے کردار میں سرمایہ دارانہ ذہنیت، اخلاقی زوال، موقع پرستی اور انسانی اقدار سے بے اعتنائی نمایاں ہے۔

لیکن پیغام آفاقی نے آشوک کو محض ایک یک رخا منفی کردار نہیں بنایا۔ نیرا کے ساتھ اس کی ملاقات اس کے اندر بھی ایک فکری تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ نیرا اس کے سامنے ایسی باتیں رکھتی ہے جو اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتی ہیں۔ وہ اسے یہ احساس دلاتی ہے کہ انسان صرف اپنے پیشے، پیسے اور مفاد کا نام نہیں بلکہ اس کے اندر ایک ایسا انسان بھی موجود ہے جو روشنی اور سچائی کی طرف واپس جا سکتا ہے۔ نیرا کی گفتگو کے بعد آشوک کے اندر تبدیلی کا احساس پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ انسان کے اندر خیر کی قوت مکمل طور پر ختم نہیں ہوتی۔ مناسب موقع ملنے پر ضمیر بیدار ہو سکتا ہے۔

مسٹر نیر کا کردار اس نظام کے اس حصے کی نمائندگی کرتا ہے جو طاقت اور قانون کو کمزور انسان کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ وہ کمار کا ساتھ دیتا ہے اور نیرا پر دباؤ بڑھانے کی مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ اس کا مقصد صرف قانونی کارروائی نہیں بلکہ نیرا کی شخصیت کو توڑ دینا ہے۔ اس کردار کے ذریعے مصنف نے دکھایا ہے کہ جب قانون کے محافظ خود اخلاقی زوال کا شکار ہو جائیں تو قانون مظلوم کے تحفظ کے بجائے اس کے استحصال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

''مکان'' کے پلاٹ کی ایک بڑی خصوصیت اس کی پیچیدگی ہے۔ یہ روایتی سیدھی لکیر میں چلنے والا ناول نہیں ہے۔ ناول نگار نے ابتدا ہی میں انجام کی طرف اشارہ کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود قاری کی دلچسپی اور تجسس برقرار رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر باب میں ایک سوال کا جواب ملنے کے ساتھ ایک نیا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح ناول کا تجسس صرف واقعات کے

انجام سے وابستہ نہیں رہتا بلکہ کرداروں کی داخلی کیفیات اور فلسفیانہ سوالات سے بھی جڑ جاتا ہے۔ ناول کو بتیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان ابواب کے درمیان فنی ربط قائم ہے۔ ہر باب کہانی کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ کرداروں کی نفسیاتی اور فکری تشکیل میں بھی کردار ادا کرتا ہے۔

ناول میں ''تصادم'' کو پلاٹ کی بنیادی تکنیک کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تصادم صرف نیرا اور کمار کے درمیان نہیں بلکہ خیر و شر، فرد اور نظام، ضمیر اور مفاد، آزادی اور جبر، حقیقت اور فریب اور انسان اور اس کے داخلی خوف کے درمیان بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکان کا مسئلہ رفتہ رفتہ ایک وسیع انسانی مسئلے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نیرا کے لیے مکان بچانے کی جدوجہد دراصل اپنی ذات کو بچانے کی جدوجہد بن جاتی ہے۔

ناول کی زبان اور اسلوب بھی اس کی انفرادیت کا اہم سبب ہیں۔ پیغام آفاقی نے عام فہم، سادہ اور روزمرہ زندگی سے قریب زبان استعمال کی ہے۔ ان کی زبان میں مصنوعی تکلف یا غیر ضروری پیچیدگی نہیں۔ کردار جس طبقے اور ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے مکالمے بھی اسی مناسبت سے سامنے آتے ہیں۔ کہیں اردو کے ساتھ انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے اور کہیں ہندی یا مقامی بول چال کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ ''ڈسٹرب'' جیسے الفاظ یا ''بھگوان کی کرپا'' جیسے فقرے اس بات کی مثال ہیں کہ مصنف نے زبان کو مصنوعی طور پر خالص بنانے کے بجائے زندگی کے حقیقی ماحول سے ہم آہنگ رکھا ہے۔

پیغام آفاقی کے مکالمے ناول کی فنی قوت ہیں۔ ان کے مکالمے محض کرداروں کے درمیان گفتگو نہیں بلکہ کرداروں کے فکری اور نفسیاتی وجود کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ نیرا کے مکالموں میں خود اعتمادی، بغاوت، فلسفیانہ فکر اور داخلی اضطراب ایک ساتھ موجود ہیں۔ وہ جس طرح کمار، آلوک اور آشوک سے گفتگو کرتی ہے، اس سے اس کے کردار کی ذہانت اور فکری بالیدگی سامنے آتی ہے۔ اسی طرح آشوک کے مکالموں سے اس کی عیاری، کمار کے مکالموں سے اس کی موقع پرستی اور آلوک کے مکالموں سے اس کی داخلی کشمکش واضح ہوتی ہے۔

ناول میں خود کلامی کی تکنیک بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ نیرا اور آلوک کے ذہنی خیالات کے ذریعے مصنف نے کرداروں کی داخلی دنیا کو نمایاں کیا ہے۔ خارجی واقعات کے ساتھ ساتھ کرداروں کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کو پیش کرنا ''مکان'' کو محض سماجی ناول نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے نفسیاتی اور فلسفیانہ ناول بنا دیتا ہے۔ نیرا کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات، آلوک کی بے چینی، کمار کی تشویش اور آشوک کی تبدیلی سب اسی داخلی تکنیک کے ذریعے زیادہ مؤثر بن جاتے ہیں۔

پیغام آفاقی کے اسلوب میں تشبیہات اور استعارات بھی نمایاں ہیں۔ وہ خارجی مناظر کو کرداروں کی داخلی کیفیات سے جوڑتے ہیں۔ کمار کو آندھی سے تشبیہ دینا، آلوک کے احساسات کو گلا دبانے یا چادر کے چھوٹے ہونے سے تعبیر کرنا اور انسان کی زندگی کو پہاڑی راستوں سے تشبیہ دینا ان کے فنی شعور کی علامت ہے۔ ان تشبیہات کا مقصد صرف حسن پیدا کرنا نہیں بلکہ کرداروں کے ذہنی اور نفسیاتی حالات کو محسوس کرانا بھی ہے۔ اس طرح تشبیہ اور استعارہ ناول کے فکری نظام کا حصہ بن جاتے ہیں۔

ناول میں منظر نگاری بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ دہلی کے شہری ماحول، سڑکوں، عمارتوں، ہوٹلوں، کناٹ پیلس اور شہری زندگی کے مختلف مناظر کی عکاسی کے ساتھ ساتھ شملہ کے قدرتی مناظر بھی بڑی خوب صورتی سے پیش کیے گئے ہیں۔ بارش کے بعد دھلے ہوئے درخت، صاف آسمان، ہوا کے جھونکے، پہاڑی راستے، بادلوں کے سائے اور بدلتے ہوئے موسم ناول کے جمالیاتی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ شملہ کے مناظر صرف خوب صورتی کے لیے نہیں آئے بلکہ نیرا کی داخلی کیفیت اور اس کی زندگی کے فلسفے کو سمجھنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔ پہاڑی راستوں کا اوپر نیچے ہونا اسے زندگی کے نشیب و فراز کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ محسوس کرتی ہے کہ انسان ہمیشہ سیدھی سمت میں آگے نہیں بڑھتا، کبھی بلند مقام تک پہنچنے کے لیے اسے نیچے اترنے والے راستے سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح ''مکان'' کا لفظ خود ایک وسیع تہذیبی اور فلسفیانہ علامت بن جاتا ہے۔ مکان انسان کو تحفظ دیتا ہے، لیکن انسان بھی مکان کو معنی دیتا ہے۔ گھر میں انسان کی یادیں، خواب، رشتے اور تجربات محفوظ ہوتے ہیں۔ چنانچہ مکان کی حفاظت دراصل انسانی شناخت کی حفاظت ہے۔ جب نیرا اپنے مکان سے محروم ہونے کے خطرے سے دوچار ہوتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کی پوری زندگی خطرے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کا عنوان اپنی ظاہری معنویت سے کہیں زیادہ وسیع معنویت اختیار کر لیتا ہے۔

ناول میں شہری زندگی کے تضادات بھی نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف جدید شہر، تعلیم، قانون، پولیس، عدالت، کاروبار اور ترقی کا تصور ہے اور دوسری طرف انہی اداروں کے اندر بدعنوانی، استحصال، جھوٹ اور طاقت کا کھیل موجود ہے۔ کمار اور آشوک جیسے کردار شہری زندگی کے اس پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں انسان کی قدر اس کی اخلاقی شخصیت سے نہیں بلکہ اس کی معاشی قوت سے کی جاتی ہے۔ آلوک اس نظام کے اندر موجود اس فرد کی علامت ہے جو سچائی کو پہچانتا ہے مگر نظامی دباؤ کے سبب مکمل طور پر اس کے خلاف کھڑا نہیں ہو پاتا۔

''مکان''میں عورت کے مسئلے کو بھی بڑی فکری گہرائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ نیرا جب اپنے حق کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسے محض قانونی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ اس کی کردار کشی بھی کی جاتی ہے۔ اس کے مردوں سے ملنے جلنے کو مشکوک بنایا جاتا ہے، اس پر بد چلنی کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں اور اس کی آزادی کو اس کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات دوہری جنگ لڑنا پڑتی ہے: ایک اپنے حق کے لیے اور دوسری اپنی شخصیت اور کردار کے دفاع کے لیے۔ نیرا اس دوہری جنگ میں بھی شکست قبول نہیں کرتی۔

نیرا کی کامیابی صرف مکان بچ جانے میں نہیں بلکہ اس کے شعور کی بیداری میں ہے۔ شروع میں وہ مکان کو اپنی زندگی کا مرکز سمجھتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اسے احساس ہوتا ہے کہ مکان سے بھی بڑی حقیقت اس کی اپنی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک مقام پر اس نیرا کو تلاش کرتی ہے جو اس کے اندر چراغ کی طرح روشن ہے۔ یہ ''اندر کی نیرا'' دراصل اس کی خود شناسی، خود اعتمادی اور آزادی کی علامت ہے۔ اس مقام پر مکان خارجی ملکیت سے آگے بڑھ کر روحانی اور فکری شناخت کا استعارہ بن جاتا ہے۔

ناول کا ایک اہم پیغام یہ بھی ہے کہ انسان حالات کا غلام نہیں۔ اگر وہ اپنے اندر کی قوت کو پہچان لے تو بظاہر ناقابل شکست طاقتوں کے مقابلے میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ نیرا کا کردار اسی فلسفے کی عملی تصویر ہے۔ وہ اکیلی ہے، اس کے پاس وسائل کم ہیں، اس کے مخالفین طاقت ور ہیں، لیکن اس کے پاس عزم، ذہانت اور شعور ہے۔ یہی قوتیں آخر کار اسے شکست سے محفوظ رکھتی ہیں۔

اس اعتبار سے ''مکان'' محض مکان مالک اور کرایہ دار کے تنازعے کا ناول نہیں بلکہ انسانی زندگی کے بنیادی سوالات کا ناول ہے۔ اس میں مکان کے مسئلے کے ذریعے تحفظ، ملکیت، آزادی، شناخت، عورت، قانون، بدعنوانی، سرمایہ، اخلاق، ضمیر، محبت، دوستی اور خود شناسی جیسے موضوعات کو باہم مربوط کیا گیا ہے۔ پیغام آفاقی نے ایک معمولی سماجی واقعے کو اس قدر وسعت دی ہے کہ وہ پوری انسانی زندگی کا استعارہ بن گیا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ''مکان'' پیغام آفاقی کی فنی، فکری اور فلسفیانہ بصیرت کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں کہانی بھی ہے، کردار بھی ہیں، تصادم بھی ہے، تجسس بھی ہے، مکالمہ بھی ہے، منظر نگاری بھی ہے اور فلسفۂ حیات بھی۔ مصنف نے نیرا کے کردار کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کے اندر بظاہر نظر نہ آنے والی ایسی قوتیں موجود ہوتی ہیں جو نامساعد حالات میں بیدار ہو سکتی ہیں۔ کمار، آشا، مسٹر نیر اور آشوک جیسے کردار سماج کی مختلف منفی قوتوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جبکہ نیرا اور کسی حد تک

آلوک خیر، ضمیر اور بیداری کی علامت بن جاتے ہیں۔اس طرح ناول میں خیر و شر کی کشمکش محض اخلاقی سطح پر نہیں بلکہ سماجی، نفسیاتی اور فلسفیانہ سطح پر بھی جاری رہتی ہے۔آخر کار ''مکان'' کا بنیادی پیغام یہی سامنے آتا ہے کہ انسان کو اپنی حقیقت کو محض تسلیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے بہتر بنانے اور بدلنے کی جدوجہد بھی کرنی چاہیے۔نیرا کی پوری زندگی اسی جدوجہد کی علامت ہے اور اسی وجہ سے ''مکان'' اردو کے اہم فکری ناولوں میں ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتا ہے۔

14.3 سرگرمی: آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے پیغام آفاقی کی ناول نگاری کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو ذیل میں دی گئی جوابی سرگرمی کو حل کیجیے۔اپنے جوابات کی صحت جانچنے کے لیے حصہ **14.8** سے رجوع کیجیے۔

1۔ناول **''مکان''** کے مصنف کون ہیں؟

2۔ناول **''مکان''** کی مرکزی کردار کون ہے؟

3۔**نیرا** کس ناول کا مرکزی کردار ہے؟

4۔ناول **''مکان''** میں نیرا کس شعبے کی طالبہ ہے؟

5۔**کمار** کس ناول کا اہم کردار ہے؟

6۔ناول **''مکان''** میں کمار کا نیرا سے کیا تعلق ہے؟

7۔**آلوک** کس ناول کا کردار ہے؟

8۔ناول **''مکان''** میں آلوک کا پیشہ کیا ہے؟

9۔**ساوتری** کس ناول کے کردار آلوک کی بیوی ہے؟

10۔ناول **''مکان''** میں آشا کس کردار کی بیوی ہے؟

11۔**آشا اور کمار** کا تعلق کس ناول میں دکھایا گیا ہے؟

12۔**اشوک** کس ناول کا اہم کردار ہے؟

13۔ناول **''مکان''** میں اشوک کا پیشہ کیا ہے؟

14۔**مسٹر نیر** کس ناول کا کردار ہے؟

15۔ناول **''مکان''** میں مسٹر نیر کا تعلق کس محکمے سے ہے؟

16۔ **سویتا** کس ناول کا کردار ہے اور اس کا نیرا سے کیا تعلق ہے؟

17۔ ناول **"مکان "** میں نیرا کی بوڑھی ماں کا کردار کس نوعیت کا ہے؟

18۔ **آلوک اور نیرا** کا تعلق کس ناول میں پیش کیا گیا ہے؟

14.4 عمومی جائزہ

اس سبق میں آپ نے **پیغام آفاقی** کے اہم ناول **"مکان "** کا فکری و فنی مطالعہ کیا۔ پیغام آفاقی جدید اردو ناول کے ان اہم تخلیق کاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے ناولوں میں معاصر معاشرے، شہری زندگی، انسانی رشتوں، سماجی ناہمواری، طبقاتی تفاوت اور انسان کی داخلی کشمکش کو موضوع بنایا۔ ان کی ناول نگاری میں زندگی کے خارجی مسائل کے ساتھ انسان کے باطن، اس کی خواہشات، محرومیوں، خوف، امید اور نفسیاتی الجھنوں کو بھی نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ ان کے یہاں عام انسان کی زندگی اور روزمرہ تجربات وسیع سماجی اور فکری معنویت اختیار کر لیتے ہیں۔

پیغام آفاقی کے ناول **"مکان "** میں جدید شہری زندگی کے مختلف مسائل کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی موضوع مکان کے حصول سے وابستہ انسانی خواہش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سماجی، معاشی اور نفسیاتی پیچیدگیاں ہیں۔ یہاں مکان محض ایک عمارت یا رہائش کی جگہ نہیں بلکہ **تحفظ، ملکیت، عزت، سماجی حیثیت، خواب اور انسانی وابستگی** کی علامت بن جاتا ہے۔ مکان کے حصول کی جدوجہد کے ذریعے مصنف نے معاشرے میں موجود طبقاتی فرق، مادی مفادات اور انسانی رشتوں میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو اجاگر کیا ہے۔

"مکان " کی ایک اہم خصوصیت اس کی **حقیقت نگاری** ہے۔ مصنف نے زندگی کو غیر ضروری رومانویت یا تصنع کے بغیر اس کی پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ متوسط اور شہری طبقے کی زندگی، معاشی مسائل، رہائش کی دشواریاں اور سماجی دباؤ ناول کے بنیادی مسائل میں شامل ہیں۔ اس حقیقت نگارانہ انداز کے باعث ناول کے واقعات اور کردار قاری کو زندگی کے قریب محسوس ہوتے ہیں۔

ناول میں **نیرا** ایک اہم اور مرکزی کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس کے ذریعے جدید تعلیم یافتہ عورت، اس کے جذبات، خواہشات، مسائل اور معاشرتی حالات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ نیرا کی شخصیت محض ایک فرد کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ جدید معاشرے میں عورت کی بدلتی ہوئی صورتِ حال اور اس کی داخلی کشمکش کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ اسی طرح **کمار، آلوک، ساوتری، آشا، اشوک، مسٹر نیرا اور سویتا** جیسے کردار ناول کی مختلف سماجی اور نفسیاتی جہتوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

پیغام آفاقی کی کردار نگاری میں یہ خوبی نمایاں ہے کہ کردار صرف واقعات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں بنتے بلکہ ان کے ذریعے معاشرے کے مختلف طبقات، رویوں اور مسائل کی نمائندگی ہوتی ہے۔ ہر کردار اپنی خواہش، مفاد، تعلق اور نفسیاتی کیفیت کے ساتھ ناول کے مجموعی فکری تصور میں حصہ لیتا ہے۔ انسانی رشتوں میں محبت، اعتماد، مفاد، کشمکش اور عدمِ تحفظ جیسے عناصر کرداروں کے رویوں کو متاثر کرتے ہیں۔

"مکان " میں جدید معاشرے کی **مادی اقدار** اور انسانی جذبات کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش بھی نمایاں ہے۔ مکان اور جائیداد جیسی مادی ضروریات بعض اوقات انسانی رشتوں اور اخلاقی اقدار پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس صورتِ حال کے ذریعے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مادی ترقی اور ملکیت کی خواہش کے درمیان انسان اپنی جذباتی اور اخلاقی زندگی کو کس حد تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔

فنی اعتبار سے **زبان و اسلوب** بھی ناول کی اہم خصوصیت ہے۔ پیغام آفاقی نے نسبتاً سادہ، رواں اور زندگی سے قریب زبان استعمال کی ہے۔ مکالموں کے ذریعے کرداروں کی ذہنی کیفیت، سماجی حیثیت اور باہمی تعلقات کو واضح کیا گیا ہے۔ منظر نگاری میں شہری ماحول، مکان اور اس سے وابستہ زندگی کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس طرح خارجی ماحول کرداروں کی داخلی کیفیت سے جڑ جاتا ہے۔

ناول میں **علامت نگاری** بھی اہم فنی حیثیت رکھتی ہے۔ "مکان" خود ایک مرکزی علامت ہے جس کے وسیلے سے انسان کی بنیادی ضرورت، تحفظ کی خواہش، ملکیت کا احساس، سماجی مقام اور خوابوں کی تعبیر جیسے مختلف مفاہیم سامنے آتے ہیں۔ اس طرح ایک بظاہر معمولی مادی شے پورے معاشرتی نظام اور انسانی نفسیات کی علامت بن جاتی ہے۔

مجموعی طور پر **"مکان "** جدید شہری زندگی، انسانی نفسیات، سماجی حقیقت اور مادی خواہشات کے باہمی تعلق کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔ پیغام آفاقی نے فرد کے ذاتی مسائل کو وسیع معاشرتی تناظر سے جوڑ کر ناول کو محض ایک فرد یا خاندان کی کہانی بننے سے بچایا ہے۔ ان کے یہاں مکان کی تلاش دراصل **تحفظ، شناخت، خوشی، عزت اور بہتر زندگی کی تلاش** میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سبق کا حاصل یہ ہے کہ پیغام آفاقی نے جدید اردو ناول کو عصری زندگی کے مسائل سے جوڑتے ہوئے **حقیقت نگاری، سماجی شعور، انسانی نفسیات، کردار نگاری اور علامتی اظہار** کو اہمیت دی۔ **"مکان "** اسی فنی اور فکری شعور کی نمائندہ تخلیق ہے، جس میں ایک مخصوص شہری مسئلے کے ذریعے جدید انسان کی زندگی، اس کے خواب، محرومیاں اور معاشرتی پیچیدگیاں سامنے آتی ہیں۔

14.5 فرہنگ

لفظ	معنی
ارتقا	بتدریج ترقی اور نشوونما
معاشرتی	سماج اور معاشرے سے متعلق
سماجی شعور	معاشرے کے مسائل اور حالات کا احساس وادراک
حقیقت نگاری	زندگی اور معاشرے کے حقائق کو حقیقت کے قریب رہتے ہوئے پیش کرنا
طبقاتی کشمکش	مختلف سماجی یا معاشی طبقات کے درمیان اختلاف اور جدوجہد
استحصال	کسی فرد یا طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھانا
تصادم	دو قوتوں، خیالات یا کرداروں کے درمیان ٹکراؤ
تجسس	کسی بات کو جاننے کی شدید خواہش اور بے چینی
داخلیت	انسان کے باطن، احساسات اور جذبات کا اظہار
خارجیت	خارجی حالات، واقعات اور ماحول کی عکاسی
نفسیات	انسانی ذہن، احساسات اور رویوں کا مطالعہ
نفسیاتی کشمکش	انسان کے ذہن میں مختلف خیالات اور جذبات کے درمیان کشمکش
مکالمہ	دو یا دو سے زیادہ کرداروں کے درمیان گفتگو
اسلوب	لکھنے یا اظہار کرنے کا مخصوص طریقہ
علامت	کسی خیال یا تصور کو کسی چیز، کردار یا واقعے کے ذریعے ظاہر کرنا
مکان	رہنے کی جگہ؛ ناول میں تحفظ، شناخت اور ملکیت کی علامت
حقِ ملکیت	کسی چیز پر قانونی یا جائز اختیار رکھنے کا حق
خودداری	اپنی عزت، وقار اور اصولوں کی حفاظت کا جذبہ

لفظ	معنی
قوتِ ارادی	کسی مقصد کے حصول کے لیے مضبوط عزم اور ارادہ
ضمیر	انسان کے اندر اچھے اور برے کی تمیز کرنے والی اخلاقی آواز
بدعنوانی	اختیارات یا عہدے کا ناجائز استعمال
مفاد پرستی	اپنے ذاتی فائدے کو دوسروں یا اصولوں پر ترجیح دینا
استحصالی نظام	ایسا نظام جس میں طاقتور طبقہ کمزور طبقے سے ناجائز فائدہ اٹھائے
مزاحمت	ظلم، جبر یا ناانصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنا
خود آگہی	اپنی ذات، صلاحیتوں اور حقیقت کو پہچاننے کا شعور
اندرون	انسان کا باطنی یا داخلی عالم
تہذیبی علامت	ایسی علامت جو کسی معاشرتی یا تہذیبی تصور کی نمائندگی کرے
جزئیات نگاری	کسی واقعے، منظر یا کیفیت کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو بیان کرنا
تخلیقی بصیرت	کسی موضوع کو نئے اور فنکارانہ انداز میں دیکھنے اور پیش کرنے کی صلاحیت
شہری زندگی	شہر میں رہنے والے لوگوں کی معاشرتی اور روزمرہ زندگی
سماجی تضاد	معاشرے میں موجود باہمی اختلاف، ناہمواری یا متضاد رویے
اخلاقی کشمکش	اچھے اور برے یا مختلف اخلاقی اقدار کے درمیان ذہنی کشمکش
کردار سازی	کردار کی شخصیت اور اوصاف کو فنکارانہ طور پر تشکیل دینا
روایت	کسی معاشرے یا ادب میں چلی آنے والی فکری یا فنی روش

14.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1۔ **پیغام آفاقی کی ناول نگاری** کی اہم خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

2۔ پیغام آفاقی کے ناول **"مکان "** کے موضوع اور بنیادی فکر کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3۔ناول ''**مکان** ''میں **جدید شہری زندگی اور معاشرتی مسائل** کی عکاسی کا جائزہ لیجیے۔

4۔''**مکان** ''میں **انسانی نفسیات اور انسانی رشتوں** کی عکاسی پر تفصیلی بحث کیجیے۔

5۔ناول ''**مکان** ''کے اہم کرداروں کی **کردار نگاری** کا تنقیدی مطالعہ کیجیے۔

6۔ **نیرا** کے کردار کا نفسیاتی اور فنی تجزیہ کرتے ہوئے ناول میں اس کی اہمیت واضح کیجیے۔

14.7 مشقی سوالات

1. **پیغام آفاقی کے ناول ''مکان ''** کے موضوع اور بنیادی فکر کی وضاحت کیجیے۔
2. ناول **''مکان''میں نیرا کے کردار** کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔
3. **''مکان'' کے پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور زبان واسلوب** کی فنی خصوصیات پر تفصیلی بحث کیجیے۔

14.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

1ا۔ناول **''مکان ''** کے مصنف **پیغام آفاقی** ہیں۔

۲۔ناول **''مکان ''** کی مرکزی کردار **نیرا** ہے۔

۳۔**نیرا** ناول **''مکان ''** کا مرکزی کردار ہے۔

۴۔ناول **''مکان ''** میں نیرا **آرٹ/فائن آرٹس** کے شعبے کی طالبہ ہے۔

۵۔**کمار** ناول **''مکان ''** کا اہم کردار ہے۔

۶۔ناول ''**مکان** ''میں کمار کا نیرا سے **قریبی دوستانہ اور جذباتی تعلق** ہے۔

۷۔**آلوک** ناول ''**مکان** ''کا کردار ہے۔

۸۔ناول ''**مکان** ''میں آلوک **ڈاکٹر** ہے۔

۹۔**ساوتری** ناول ''**مکان** ''کے کردار **آلوک کی بیوی** ہے۔

۱۰۔ناول ''**مکان** ''میں **آشا،اشوک کی بیوی** ہے۔

۱۱۔**آشااور کمار** کا تعلق ناول ''**مکان** ''میں دکھایا گیا ہے۔

۱۲۔**اشوک** ناول ''**مکان** ''کا اہم کردار ہے۔

۱۳۔ناول ''**مکان** ''میں اشوک **وکیل** ہے۔

۱۴۔**مسٹر نیر** ناول ''**مکان** ''کا کردار ہے۔

۱۵۔ناول ''**مکان** ''میں مسٹر نیر کا تعلق **محکمۂ تعمیرات (.P.W.D)** سے ہے۔

۱۶۔**سویتا** ناول ''**مکان** ''کا کردار ہے اور وہ **نیرا کی سہیلی** ہے۔

۱۷۔ناول ''**مکان** ''میں نیرا کی بوڑھی ماں کا کردار **ایک مجبور، تنہااور حساس ماں** کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، جو گھریلو اور معاشرتی مسائل کی نمائندگی کرتی ہے۔

۱۸۔**آلوک اور نیرا** کا تعلق ناول ''**مکان** ''میں پیش کیا گیا ہے۔

1۔پیغام آفاقی کے ناول ''مکان'' کے موضوع اور بنیادی فکر کی وضاحت کیجیے۔

پیغام آفاقی کا ناول ''**مکان** ''۱۹۸۹ء میں شائع ہوا اور جدید اردو ناول میں اسے اہم مقام حاصل ہوا۔اس ناول کی بنیادی کہانی ایک مکان کے گرد گھومتی ہے، لیکن ناول کا ''مکان'' صرف ایک عمارت یا رہائش گاہ نہیں بلکہ انسانی وجود، تحفظ، شناخت، ملکیت اور زندگی کی علامت بن جاتا ہے۔

ناول کی مرکزی کردار نیرا ایک میڈیکل کی طالبہ ہے جو اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ دہلی میں رہتی ہے۔اس کے مکان کا ایک حصہ کمار نامی شخص کرایے پر لیتا ہے۔ بعد میں کمار کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ مختلف قانونی اور غیر قانونی طریقوں سے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیرا اس صورتِ حال کے سامنے ہمت نہیں ہارتی بلکہ اپنے حق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔

مکان کے مسئلے کے ذریعے پیغام آفاقی نے شہری زندگی کے متعدد تضادات کو سامنے لایا ہے۔ پولیس، عدالت، دولت، سیاسی و سماجی رسوخ، بدعنوانی اور طاقت کے غلط استعمال جیسے مسائل ناول میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ناول انسانی ضمیر اور باطن کی بیداری کا مسئلہ بھی اٹھاتا ہے۔

ناول کی بنیادی فکر یہ ہے کہ انسان اگر اپنے اندر موجود قوت اور شعور کو پہچان لے تو وہ بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے بھی مزاحمت کر سکتا ہے۔ اسی لیے ''مکان'' ایک مکان کی کہانی سے آگے بڑھ کر انسانی وجود اور اس کی آزادی کی کہانی بن جاتا ہے۔

2۔ ناول ''مکان'' میں نیرا کے کردار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

نیرا ''**مکان**'' کی مرکزی کردار ہے۔ پیغام آفاقی نے اسے ایک مضبوط، ذہین، باشعور اور باہمت عورت کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ میڈیکل کی طالبہ ہے اور اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔ جب کمار اس کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو نیرا کے سامنے ایک شدید بحران پیدا ہو جاتا ہے۔

نیرا کو معلوم ہے کہ اگر وہ خوف زدہ ہو کر مکان چھوڑ دے گی تو نہ صرف اس کی ملکیت اس سے چھن جائے گی بلکہ اس کی زندگی کا تحفظ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ وہ کمار، پولیس اور دوسرے بااثر افراد کے دباؤ کے باوجود اپنے حق سے دست بردار نہیں ہوتی۔ وہ قانونی جدوجہد کرتی ہے، لوگوں سے رابطہ کرتی ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی ذہنی قوت کو استعمال کرتی ہے۔

نیرا کا کردار صرف ایک مظلوم عورت کا کردار نہیں ہے۔ وہ حالات سے سیکھتی ہے اور اس جدوجہد کے دوران اس کی شخصیت میں مسلسل تبدیلی آتی ہے۔ ابتدا میں مکان اس کے لیے صرف رہائش کی جگہ ہے، لیکن رفتہ رفتہ مکان اس کے لیے تحفظ، شناخت اور انسانی آزادی کی علامت بن جاتا ہے۔

نیرا کا کردار نسوانی خود آگہی کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ ثابت کرتی ہے کہ عورت کو کمزور سمجھنا معاشرتی تعصب ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کرتی ہے اور اپنی جنگ خود لڑتی ہے۔ اسی جدوجہد کے دوران اس کے اندر زندگی، انسان، سماج اور اپنے وجود کے بارے میں گہرا شعور پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نیرا ''**مکان**'' کا سب سے مؤثر اور متحرک کردار ہے۔ وہ ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کے فکری اور فلسفیانہ پہلو کو بھی نمایاں کرتی ہے۔

3۔ ''مکان'' کے پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور زبان واسلوب کی فنی خصوصیات پر تفصیلی بحث کیجیے۔

پیغام آفاقی کا ''**مکان** '' فنی اعتبار سے ایک پیچیدہ اور منفرد ناول ہے۔اس کا پلاٹ سیدھی لکیر میں آگے نہیں بڑھتا۔ناول نگار نے ابتدا ہی میں انجام کی طرف اشارہ کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود قاری کی دلچسپی اور تجسس برقرار رہتا ہے۔ایک مسئلے کے حل کے بعد دوسرا مسئلہ سامنے آتا ہے اور کہانی مسلسل نئے فکری سوالات پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔

ناول میں **تصادم** کو بنیادی فنی عنصر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔بظاہر یہ تصادم نیرا اور کمار کے درمیان ہے، لیکن گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ انسان اور سماجی نظام، حق اور باطل، ضمیر اور مفاد، خوف اور حوصلے کے درمیان تصادم بن جاتا ہے۔

کردار نگاری بھی ناول کی اہم خصوصیت ہے۔نیرا مرکزی کردار ہے، جب کہ کمار، آلوک، ساوتری، آشا، اشوک اور مسٹر نیر بھی اہم کردار ہیں۔ کمار مفاد پرستی اور قبضہ گیری کی علامت ہے، اشوک بدعنوان نظام اور مادی مفاد کی نمائندگی کرتا ہے، جب کہ آلوک ایک ایسے ایماندار انسان کی نمائندگی کرتا ہے جو بدعنوان نظام میں رہتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز سے نبرد آزما ہے۔ ساوتری اور آشا کے کردار بھی معاشرتی اور نفسیاتی رویوں کو واضح کرتے ہیں۔

مکالمہ نگاری پیغام آفاقی کے فن کا نمایاں پہلو ہے۔ان کے مکالمے محض گفتگو نہیں بلکہ کرداروں کی ذہنی اور فکری کیفیت کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ نیرا کے مکالموں میں خود آگہی، مزاحمت اور فلسفیانہ فکر نمایاں ہے۔ بعض مکالمے قاری کو براہِ راست زندگی کے بنیادی مسائل پر غور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

منظر نگاری میں بھی ناول نگار کو خاص مہارت حاصل ہے۔دہلی کے شہری ماحول کے ساتھ ساتھ شملہ کے قدرتی مناظر کی خوب صورت عکاسی کی گئی ہے۔ بارش، پہاڑ، سڑکیں، درخت، دھوپ، بادل اور وادیاں محض خارجی مناظر نہیں رہتے بلکہ کرداروں کی داخلی کیفیات سے بھی ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

زبان واسلوب کے اعتبار سے ''**مکان** ''کی نثر سادہ، رواں، عام فہم اور بامعنی ہے۔ناول نگار نے روزمرہ زبان، محاوروں، ہندی اور انگریزی الفاظ سے بھی کام لیا ہے۔ بعض مقامات پر نثر میں شعری اور نثری نظم جیسا آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کے ذریعے کرداروں کی نفسیات اور داخلی کیفیات کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مختصراً، ''**مکان** ''کی فنی عظمت اس کے پیچیدہ پلاٹ، جاندار کردار نگاری، مؤثر مکالمہ نگاری، خوب صورت منظر نگاری، سادہ مگر گہری زبان اور فلسفیانہ اسلوب میں پوشیدہ ہے۔یہی عناصر اسے جدید اردو ناول کی ایک اہم اور منفرد تخلیق بناتے ہیں۔

14.9 امدادی کتب

1۔ مکان ـــــ پیغام آفاقی

2۔ اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ـــــ ڈاکٹر احسن فاروقی

3۔ اردو فکشن ـــــ آل احمد سرور

4۔ ناول کا فن ـــــ ای۔ ایم۔ فاسٹر، ترجمہ: ابوالکلام قاسمی

5۔ بیسویں صدی میں اردو ناول ـــــ ڈاکٹر یوسف سرمست

6۔ داستان سے افسانے تک ـــــ وقار عظیم

7۔ اردو ناول کی تاریخ و تنقید ـــــ علی عباس حسینی

8۔ ادبی تخلیق اور ناول ـــــ احسن فاروقی

9۔ اردو ناول بیسویں صدی میں ـــــ عبدالسلام

10۔ ترقی پسند تحریک اور اردو ناول ـــــ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

11۔ تفہیم و تعبیر ـــــ ڈاکٹر محمد ریاض احمد

12۔ 1970ء کے بعد کے اہم فکشن نگار ـــــ ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

13۔ آزادی کے بعد اردو ناول ـــــ ڈاکٹر ممتاز احمد خان

M.A. SEMESTER-III (URDU Novel) Course No. URD-302

Course Contributors and Content Editing:

Dr. Javaid Ahmad Shah

Lecturer, Department of Urdu

University of Jammu

Content Editing:

Dr. Parshotam Paul Singh

Assistant Professor

CDOE, University of Jammu, Jammu

©Centre for Distance & online Education, University of Jammu, 2026

- All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mammograph or any other means, without permission in written from the CDOE, university of Jammu.
- The script writer shall be responsible for the lesson/ script submitted to the CDOE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

CENTRE FOR DISTANCE & ONLINE EDUCATION

UNIVERSITY OF JAMMU

SELF LEARNING MATERIAL

FOR

M.A. URDU

SEMESTER -III

SESSION -2025 ON WARDS

Subject: Urdu Novel | Unit: I-IV

Course Code: URD-302 | Lesson: 1-14

Prof. (Dr.) SHOHAB INAYAT MALIK
COORDINATOR P.G. URDU

Dr. PARSHOTAM PAUL SINGH
TEACHER INCHARGE

http://www.distanceeducationju.in

Printed and published on behalf of the centre for Distance & Online Education, University of Jammu by the Director, CDOE, University of Jammu